# خطباتِ محمود

(خطباتِ جمعہ)

1957ء

فرمودہ

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود

خلیفۃ المسیح الثانی

جلد 38

# KHUTBAT-I-MAHMUD

**by HADRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMUD AHMAD KHALIFATUL MASIH II**

**Published by:**

**Printed by:**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

# پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے فضل عمر فاؤنڈیشن کو حضرت مصلح موعود کے خطبات کی اڑتیسویں جلد احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔اس جلد میں 1957ء کے 34 خطباتِ جمعہ شامل ہیں۔

حضرت فضل عمر سلطان البیان کے خطبات علوم و معارف کا انمول خزانہ ہیں اور پیشگوئی کے الہامی الفاظ ''وہ علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' پر شاہدِ ناطق ہیں۔ حضرت مصلح موعود کا دورِ خلافت جو کم و بیش 52 سال پر محیط ہے ایک تاریخ ساز دَور تھا۔ اس نہایت کامیاب طویل دَور میں حضور کے خطبات نے جماعت کی علمی و روحانی ترقی اور تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''حضرت مصلح موعود کے خطبات آپ کے قریب بیٹھ کر سننے کا موقع ملتا تھا۔تمام دنیا کے مسائل کا آپ کے خطبات میں مختلف رنگ میں ذکر آتا چلا جاتا تھا۔ دین کا بھی ذکر ہوتا اور دنیا کا بھی۔ پھر ان کے باہمی تعلقات کا ذکر ہوتا تھا۔ سیاست جہاں مذہب سے ملتی ہے یا جہاں مذہب سے الگ ہوتی ہے غرضیکہ ان سب مسائل کا ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ قادیان میں یہی جمعہ تھا جس کے نتیجہ میں ہر کس و ناکس، ہر بڑے چھوٹے اور ہر تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ کی ایک ایسی تربیت ہو رہی تھی جو بنیادی طور پر سب میں قدرِ مشترک تھی۔یعنی پڑھا لکھا یا اَن پڑھ، امیر یا غریب اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھتا تھا کہ بنیادی طور پر احمدیت کی تعلیم اور احمدیت کی تربیت کے علاوہ دنیا کا شعور بھی حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ بہت

سے احمدی طلباء جب مقابلہ کے مختلف امتحانات میں اپنی تعداد کی نسبت زیادہ کامیابی حاصل کرتے تھے تو بہت سے افسر ہمیشہ تعجب سے اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے کہ احمدی طلباء میں کیا بات ہے کہ ان کا دماغ زیادہ روشن نظر آتا ہے ان کو عام دنیا کا زیادہ علم ہے۔''

(خطباتِ طاہر جلد نمبر 7 صفحہ 10)

ہمارا یہ روحانی و علمی ورثہ سلسلہ کے لٹریچر میں بکھرا پڑا تھا اور جماعت کے دوستوں کو اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔ فضل عمر فاؤنڈیشن اس جماعتی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان خطبات کو کتابی شکل میں شائع کر رہی ہے۔

یہ جواہر پارے اب آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت سے جہاں ادارہ کے لئے اس کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانا آسان ہوگا وہاں نئی نسل کی تربیت کے لئے بھی یہ بہت مُمد و معاون ہوں گے۔

اس جلد کی تیاری کے سلسلہ میں جن دوستوں نے ادارہ کی عملی معاونت فرمائی ان میں مکرم عبدالرشید صاحب اٹھوال، مکرم حبیب اللہ صاحب باجوہ، مکرم فضل احمد صاحب شاہد، مکرم عبدالشکور صاحب باجوہ، مکرم عدیل احمد صاحب گوندل، مکرم ظہور احمد صاحب مقبول، مربیان سلسلہ قابل ذکر ہیں۔ خاکسار ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے علم و فضل میں برکت عطا فرمائے اور اپنے فضلوں اور رحمتوں سے نوازے۔ آمین

# فہرست مضامین خطباتِ محمود جلد 38

## (خطبات جمعہ 1957ء)


| خطبہ نمبر | تاریخ بیان فرمودہ | موضوع خطبہ | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 1 | 4 جنوری 1957ء | دعا کرو کہ نیا سال ہمارے لیے گزشتہ سال سے بہت زیادہ بابرکت ثابت ہو۔ چاہیے کہ جوں جوں اللہ تعالیٰ کے انعامات تم پر زیادہ ہوں تم انکسار اور اِنابت اِلَی اللہ میں بڑھتے چلے جاؤ | 1 |
| 2 | 11 جنوری 1957ء | اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احرارِ یورپ کے اسلام کی طرف رجحان کی جو خبر دی تھی وہ پوری ہو رہی ہے | 7 |
| 3 | 18 جنوری 1957ء | ایک نہایت مبارک رؤیا۔ دنیا خواہ کچھ کہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارے خدا کی ظاہر کردہ باتیں بہرحال پوری ہو کر رہیں گی | 14 |
| 4 | 25 جنوری 1957ء | ایک اَور مبارک رؤیا۔ اللہ تعالیٰ کی برکات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں | 22 |
| 5 | یکم فروری 1957ء | رؤیا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مومن اپنے توکل اور اُمید کو بڑھائے اور یقین رکھے کہ خدا ضرور کچھ ظاہر کرے گا۔ تعبیر الرؤیا بڑا نازک اور اہم علم ہے۔ رؤیا کی حقیقی تعبیر اس کے پورا ہونے پر ہی ظاہر ہوتی ہے | 31 |

| خطبہ نمبر | تاریخ بیان فرمودہ | موضوع خطبہ | صفحہ |
| --- | --- | --- | --- |
| 6 | 8فروری1957ء | دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ کشمیر کے مسلمانوں کو اپنے منشا کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق دے۔ کشمیر کے متعلق صلح کرانے کی پیشکش کرنے والے ممالک ہرگز پاکستان کے ساتھ خیر خواہی نہیں کر رہے | 42 |
| 7 | 15فروری1957ء | اپنے فرض کی اہمیت کو محسوس کرو تا تم اللہ تعالیٰ کی برکتیں حاصل کر سکو۔ تمہارے قلوب میں لوگوں کی اتنی ہمدردی ہونی چاہیے کہ ہر شخص تمہیں اپنا سچا خیر خواہ سمجھے | 49 |
| 8 | 15مارچ1957ء | قرآنی دعائیں اپنے اندر بڑی بھاری برکات رکھتی ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور سمجھ لو کہ تمہیں جو بھی برکت اور کامیابی حاصل ہوئی ہے خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوئی ہے | 57 |
| 9 | 22مارچ1957ء | لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اگر انسان حقیقی مومن بن جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ایمان کی تازگی کے سامان پیدا کرتا رہتا ہے | 63 |
| 10 | 29مارچ1957ء | ایک اہم رؤیا اور اس کی تعبیر۔ دوستوں کو چاہیے کہ بکثرت استغفار کو اپنا شعار بنائیں اور دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو ہر شر سے محفوظ رکھے، اپنے فضل سے اسے کامیابی بخشے اور اس کی تائید و نُصرت فرمائے | 86 |

| خطبہ نمبر | تاریخ بیان فرمودہ | موضوع خطبہ | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 11 | 12راپریل 1957ء | اللہ تعالیٰ اَصۡدَقُ الصَّادِقِیۡنَ ہے۔ وہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دیتا ہے۔ جب کسی فرد یا قوم کے خلاف متواتر جھوٹ بولا جائے تو خدا تعالیٰ کی مدد اور نُصرت اسے پہلے سے بھی زیادہ حاصل ہو جاتی ہے | 91 |
| 12 | 19راپریل 1957ء | مختلف ممالک میں اسلام اور احمدیت کی ترقی کے آثار۔ تبلیغ کے جو نئے رستے کھل رہے ہیں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اُن میں ہمیں کامیابی بخشے۔ | 107 |
| 13 | 3 مئی 1957ء | افریقہ، امریکہ اور یورپ میں نئی مساجد کی تعمیر اور ان کی اہمیت۔ پاکستان کی احمدی جماعتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر نئی مساجد تعمیر کرنے کی کوشش کریں | 114 |
| 14 | 10 مئی 1957ء | ایک اٹالین عورت کی اسلام سے متعلق ایک اہم کتاب | 126 |
| 15 | 17 مئی 1957ء | دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ترجمہ قرآن کریم کا کام جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن کریم معارف کا ایک بڑا بھاری خزانہ ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو | 129 |
| 16 | 31 مئی 1957ء | اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اس کا ہمارے ساتھ ہونا یقیناً ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ ہمارا اصل مقصود خدا ہے اگر وہ ہمیں مل گیا ہے تو پھر دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی | 135 |
| 17 | 14 جون 1957ء | اگر انسان پورے یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارے تو اس کی پکار کبھی ضائع نہیں جاتی اور خدا اُس کی مدد کے لیے دوڑا چلا آتا ہے | 140 |

| خطبہ نمبر | تاریخ بیان فرمودہ | موضوع خطبہ | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 18 | 21 جون 1957ء | سچا مومن وہ ہے جو خدا کے مقام اور اس کے رسول کے درجہ میں فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھے | 148 |
| 19 | 12 جولائی 1957ء | مومن کو چاہیے کہ وہ ہر حالت میں میانہ روی سے کام لے | 154 |
| 20 | 19 جولائی 1957ء | مشکلات و مصائب عارضی چیزیں ہیں تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اِس یقین پر قائم رہو کہ بالآخر تم ہی کامیاب ہوگے | 158 |
| 21 | 26 جولائی 1957ء | جب بھی مشکلات پیش آئیں صبر سے کام لو اور دعاؤں میں لگ جاؤ | 165 |
| 22 | 9/اگست 1957ء | دعا کرو کہ اسلام مغربی ممالک میں جلد ترقی کرے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہوں | 170 |
| 23 | 16/اگست 1957ء | جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ خدائی تقدیر مصیبت اور عذاب کے رنگ میں جاری ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی دعا کرنے پر اُسے ٹال سکتا ہے | 174 |
| 24 | 23/اگست 1957ء | اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا کی پُر معارف تفسیر | 180 |
| 25 | 30/اگست 1957ء | دنیا میں جب سے انبیاء وخلفاء کا سلسلہ جاری ہے صداقت کی ہمیشہ مخالفت ہوتی رہی ہے حالانکہ اُن کی لائی ہوئی تعلیم ہی بنی نوع انسان کو فلاح اور کامیابی تک پہنچانے والی ہوتی ہے | 189 |
| 26 | 6 ستمبر 1957ء | اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ انسان کو فائدہ پہنچانے والی اصل چیز یہ ہے کہ دل کو پاک کیا جائے اور اس میں خداتعالیٰ کی محبت اور خشیت پیدا کی جائے | 194 |

| خطبہ نمبر | تاریخ بیان فرمودہ | موضوع خطبہ | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 27 | 20 ستمبر 1957ء | ایک حقیقی مومن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے | 199 |
| 28 | 4/اکتوبر 1957ء | قرآن مجید کی رُو سے الٰہی جماعتوں کا مقام۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے اُسے وہ وافر جگہ اور ہر قسم کی کشائش عطا فرماتا ہے | 203 |
| 29 | 25/اکتوبر 1957ء | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے | 207 |
| 30 | یکم نومبر 1957ء | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو دَور۔ اللہ تعالیٰ نے کمزوری اور بے بسی کے دَور میں بھی آپ کی مدد کی اور طاقت کے زمانہ میں بھی اپنی تائید ونصرت سے نوازا۔ اگر ہم صحیح معنوں میں آپؐ کی اتباع کریں تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا | 215 |
| 31 | 8 نومبر 1957ء | مساجد تعمیر کرنا اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور اس کے فضلوں کو حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے | 226 |
| 32 | 22 نومبر 1957ء | ربوہ کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے اپنے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں | 242 |
| 33 | 29 نومبر 1957ء | سورۃ فاتحہ حُسنِ کلام اور طبعی ترتیب کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اس سال ہمارے جلسہ سالانہ کو بعض ایسی خصوصیتیں حاصل ہوں گی جو پہلے کسی جلسہ کو حاصل نہیں ہوئیں | 247 |
| 34 | 20 دسمبر 1957ء | احباب کثرت کے ساتھ جلسہ سالانہ پر آئیں اور جلسہ کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں | 252 |

1

# دعا کرو کہ نیا سال ہمارے لیے گزشتہ سال سے بہت زیادہ بابرکت ثابت ہو

## چاہیے کہ جوں جوں اللہ تعالیٰ کے انعامات تم پر زیادہ ہوں تم انکسار اور اِنابت اِلَی اللہ میں بڑھتے چلے جاؤ

(فرمودہ 4 جنوری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"گزشتہ سال ہمارے لیے دو رنگ میں واقعات کا ظہور ہوا۔ ایک تو جماعت میں منافقت کا فتنہ اُٹھا اور دوسرے جماعت کی ترقی کے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے سامان پیدا ہوئے۔ چنانچہ جماعت کئی نئے ملکوں میں بڑھی ہے اور کئی پرانے ملکوں میں پھیلی ہے۔ پاکستان میں بھی جماعت پھیلی ہے، ہندوستان میں بھی پھیلی ہے اور پھر ہندوستان اور پاکستان سے باہر بھی کئی علاقوں میں جماعت کے پھیلنے کے سامان پیدا ہوئے ہیں۔ ڈچ گی آنا میں نئی جماعت قائم ہوئی ہے۔ اسی طرح جرمنی میں نئے احمدی ہوئے ہیں۔ پس جہاں جماعت میں ارتداد کا فتنہ پیدا ہوا وہاں اس کے جواب میں جماعت کے لیے کامیابی کے کئی راستے بھی کھلے ہیں۔

آج یہ جمعہ نئے سال کا پہلا جمعہ ہے۔ 28 دسمبر کو جو جمعہ آیا تھا وہ پچھلے سال کا آخری جمعہ تھا اور یہ 1957ء کا پہلا جمعہ ہے۔ میں جماعت سے کہتا ہوں کہ وہ خصوصیت سے دعائیں مانگے کہ خدا کرے یہ سال ہمارے لیے برکتیں اور رحمتیں تو اس سے بھی زیادہ لائے جو گزشتہ سال ہمیں ملیں۔ لیکن فتنوں کے سلسلہ کو ختم کر دے اور اسے یکسر مٹا دے۔ کیونکہ برکتیں تو بہر حال برکتیں ہیں اور ان کا ہمیں شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ان میں ابتلاء مل جائیں تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے شہد میں کوئی کڑوی چیز ملا دی جائے۔ بے شک شہد میٹھی چیز ہے اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کڑوی چیز مل جائے تو اس کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔ پس دوست دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لیے گزشتہ سال سے بہت زیادہ بابرکت ہو اور اس سال گزشتہ سال سے بیسیوں نہیں سینکڑوں گنا زیادہ ترقی کے سامان جماعت کے لیے پیدا ہوں۔ اور فتنہ قطعی طور پر مٹ جائے کیونکہ فتنہ چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو اُسے کم نہیں کہا جا سکتا۔ برکتوں کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں گنا زیادہ ہو جائیں لیکن فتنہ کے لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ سینکڑوں گنا کم ہے۔ کیونکہ فتنہ بہر حال فتنہ ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ کبھی اپنے لیے امتحان نہ مانگو[1] کیونکہ امتحان چاہے کتنا کم ہو وہ خطرناک ہی ہوتا ہے۔ پس دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ موجودہ فتنہ کو یکسر مٹا دے اور اس سال خفیف سے خفیف فتنہ بھی جماعت میں پیدا نہ ہو۔ لیکن برکات گزشتہ سال سے سینکڑوں نہیں ہزاروں گنا زیادہ ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات سے بہرہ ور ہونے کا ہمیں اَور بھی موقع ملے۔

پھر یہ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہم سرکش نہ ہوں بلکہ جتنا بھی ہم بڑھیں اور ترقی کریں اُتنا ہی ہم میں انکسار اور انابت الی اللہ زیادہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھ کر ہم متکبر نہ ہوں اور یہ نہ کہیں کہ یہ ہمارا کام ہے بلکہ جتنا جتنا خدا کا فضل ہم پر نازل ہو اُتنا ہی ہمیں یقین ہو کہ ہم ناکارہ اور بے بس ہیں۔ جو کچھ ہمیں ملا ہے یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں ملا ہے اور جتنا زیادہ فضل ہم پر نازل ہو اُتنا ہی زیادہ ہم خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے والے ہوں۔

سردی کے یکدم بڑھ جانے کی وجہ سے مجھے شدید نزلہ کی تکلیف ہو گئی ہے، گلا بیٹھ گیا ہے اور ناک سے بھی پانی آتا ہے۔ اس لیے میں خطبہ جمعہ کو مختصر کرتا ہوں تا ایسا نہ ہو کہ تکلیف زیادہ ہو جائے۔

جوانی کے زمانہ میں بھی سردی کے نتیجہ میں مجھے نزلہ اور کھانسی کی تکلیف ہو جاتی تھی۔ اس سال سردی شروع ہونے کے معاً بعد تو مجھے نزلہ کی تکلیف نہیں ہوئی لیکن کل عصر کے بعد یکدم نزلہ کی تکلیف ہوگئی اور ناک سے پانی اس قدر بہنے لگا کہ دوا لگانے کے دو تین سیکنڈ بعد پھر وہی حالت ہو جاتی تھی۔ اس لیے بیماری کے لمبا ہو جانے کے خیال سے میں بات زیادہ لمبی نہیں کرتا۔ احباب دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے صحت دے اور پھر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابھی قرآن کریم کا بہت سا کام پڑا ہے اور اسے ختم کرنا ہے۔ خدا کرے سردی ختم ہو تو یہ کام دوبارہ شروع کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ قرآن کریم کو ہم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا سکیں۔ ابھی دنیا کی سینکڑوں زبانیں ایسی ہیں جن میں ہم نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا ہے۔ یہ ترجمہ میں نے تو نہیں کرنا کیونکہ میں وہ زبانیں نہیں جانتا۔ ترجمہ دوسرے لوگوں نے کرنا ہے۔ ہاں میں نے اس کام کی نگرانی کرنی ہے اور نگرانی کا کام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کرسکتا ہوں۔ ابھی تک دنیا کی صرف تیرہ زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ ہوا ہے اور دنیا کی تیرہ سو زبانیں ہیں۔ گویا ابھی سَو گنا کام پڑا ہے جو ہم نے کرنا ہے اور بارہ سو ستاسی زبانیں ایسی ہیں جن میں ہم نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تمام انسانوں کے لیے نازل ہوا ہے اور دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جسے قرآن کریم مخاطب نہیں کرتا۔ اس لیے دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی پہنچ تک ہم قرآن کریم نہ پہنچا سکیں اور اس کی زبان میں اس کا ترجمہ نہ کر دیں۔ تاکہ کوئی فرد یہ نہ کہہ سکے کہ اے اللہ! تُو نے مجھے فلاں زبان بولنے والے لوگوں میں پیدا کیا تھا اور قرآن کریم عربی زبان میں ہے پھر میں قرآن کریم کس سے سیکھتا۔ میں سمجھتا ہوں یہ بھی مسلمانوں کے لیے ایک امتحان تھا کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ اسے ہر جگہ پہنچاتے ہیں یا نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کفر ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب تھا کہ ہر جگہ پر قرآن کریم کا پہنچانا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ہمارے لیے محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہمیں سمجھ دی کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کفر نہیں بلکہ ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کا بالاستیعاب ترجمہ تو نہیں کیا۔ آپ کے زمانہ میں بعض احمدیوں نے ترجمہ کیا ہے۔ ہاں! آپ نے اپنی کتابوں میں اس کی اتنی آیتوں کا ترجمہ کر دیا ہے

کہ وہ قرآن کریم کا قریباً نصف ہو جاتا ہے۔ بعض آیتوں کا آپ نے ترجمہ کر دیا ہے اور بعض کا مفہوم بیان کر دیا ہے۔ مخالفین نے آپؑ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کریم کی مختلف آیات کو ایک جگہ جوڑ کر مضمون بیان کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کے احکام متفرق مقامات میں درج ہیں اور اگر ان کو جوڑا نہ جائے تو انہیں سمجھا نہیں جا سکتا۔ پرانے لوگ اس بات کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ ریاض الصالحین کے مصنف اپنی کتاب میں جو احادیث جمع کرتے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کریم کی آیات بھی لاتے ہیں۔ لیکن ریاض الصالحین کے مصنف نے ایک چھوٹا کام کیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کو اتنا جمع کیا ہے کہ آپ کی کتابیں پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک سِلک ہیں جن میں تمام آیات کو پرو دیا گیا ہے۔ بہرحال قرآن کریم کا بہت بڑا کام ابھی باقی ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس سال توفیق دے کہ ہم اس میں سے زیادہ حصہ پورا کر دیں اور آئندہ بھی وہ ہمیں توفیق دیتا چلا جائے تا کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ رہے جس میں قرآن کریم کا ترجمہ نہ ہو اور دنیا کا کوئی فرد ایسا نہ رہے جو اپنی زبان میں قرآن کریم نہ پڑھ سکے۔

آج ہی میں اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس میں مَیں نے پڑھا کہ ایک روسی مستشرق نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کا نہیں۔ بلکہ اسے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خلفاء کے زمانہ میں تصنیف کیا گیا تھا اور یہ کہ قرآن کریم محض فرسودہ داستانوں کا مجموعہ ہے۔ پھر اس مصنف نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فوق البشر کلام ہے اور اِسی طرح تقدس کا نظریہ پیدا کیا گیا ہے یہ سائنسی معلومات کی راہ میں حائل ہے اور قرآن کریم ترقی کے منافی ہے حقیقت میں قرآن کریم بنیادی طور پر اُن پرانی داستانوں کا مجموعہ ہے جو بائبل اور دوسری مقدس کتابوں میں شامل تھیں اگر اس مصنف تک ہماری تفسیر پہنچ جائے تو اس کی آنکھیں کھل جائیں۔

ایک ترک پروفیسر نے مجھے لکھا ہے کہ آپ دنیا کے سامنے جو پیغام پیش کر رہے ہیں وہ آپ کی تصنیف دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن کے ذریعہ مجھ تک پہنچا ہے۔ یہ دیباچہ ایک نہایت عالمانہ کتاب ہے جو خاص خدائی تائید کے ماتحت لکھی گئی ہے۔ اس کا مطالعہ بہت سے امور کے متعلق

میرے شبہات دور کرنے کا موجب ہوا ہے۔ پھر ایک اَور پروفیسر کو دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن دیا گیا تو وہ اسے گھر لے گیا اور اسے پڑھنے کے بعد کہنے لگا میں آج سے پھر مسلمان ہوا ہوں۔ میں اگرچہ مسلمان تھا مگر مجھے اسلام پر پورا یقین نہیں تھا۔ اب میں اس کتاب کو پڑھ کر دوبارہ مسلمان ہوا ہوں اور کیا تعجب ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں آدمی ایسے ہوں جو ترجمہ پڑھ کر دوبارہ مسلمان ہوں۔

میری ایک خواب ہے جو الفضل میں چھپ چکی ہے۔ اس میں مَیں نے دیکھا کہ میں ترکی سے روس کی طرف گیا ہوں۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ اگر ہم روسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کریں تو ترکی سے ایسا رستہ مل جائے جس کے ذریعہ وہ روس میں پہنچ جائے۔ پھر میں نے اس خواب میں دیکھا کہ جہاں میں گیا ہوں وہاں کچھ جھونپڑیاں ہیں جن کی پھوس کی دیواریں اور پھوس کی چھتیں ہیں اور ان میں غریب لوگ رہتے ہیں۔ ممکن ہے ہمارا ترجمۃ القرآن پہلے روس کے غریب خاندانوں میں پھیلے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر اس خواب میں اُن لوگوں سے میں نے حالات دریافت کرنے شروع کیے اور اس طرح مذہب کی باتیں شروع ہوگئیں تو ان میں سے ایک شخص نے میرے سوالات کا جواب دینا شروع کیا اور مجھے بتایا کہ ہم چند لوگ احمدی ہیں۔2

پس کوئی تعجب نہیں کہ ہمارے ذریعہ روس میں قرآن کریم پھیلے اور ہم ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح کریں۔ عیسائیت انہیں خدا تعالیٰ سے وابستہ نہیں رکھ سکی۔ لیکن اب اسلام یہ کام کرے گا اور انہیں خدا تعالیٰ کی طرف لے آئے گا۔ آجکل روسی بائیس کروڑ ہیں۔ اگر وہ ہمیں مل گئے تو چین کے پچاس کروڑ باشندے بھی کہیں نہیں جا سکتے۔ اور اگر یہ دونوں ملک اسلام میں آجائیں تو ہندوستان کا پینتالیس کروڑ آدمی بھی کہیں نہیں جاتا۔ یہ سارے مل کر ایک ارب سترہ کروڑ بن جاتے ہیں۔ پھر آٹھ کروڑ پاکستانی ملا لیں اور اٹھارہ کروڑ امریکن آجائیں تو یہ ایک ارب تینتالیس کروڑ بن جاتے ہیں۔ پھر یورپ کے تیس کروڑ باشندے آجائیں تو یہ ایک ارب تہتّر کروڑ بن جاتے ہیں۔ پھر چالیس کروڑ باشندے افریقہ کے ملا لیے جائیں تو یہ دو ارب تیرہ کروڑ بن جاتے ہیں اور پھر اس میں انڈونیشیا اور بعض دوسرے علاقوں کے آدمی ملا لیے جائیں تو یہ دو ارب پچاس کروڑ بن جاتے ہیں اور یہ تقریباً دنیا کی کُل آبادی کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور وہی بات ہو جاتی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے کہ تین سو سال کے اندر میری جماعت اِس قدر بڑھ جائے گی

کہ دوسری اقوام کی حیثیت اس کے سامنے بالکل ادنیٰ اقوام کی سی ہو جائے گی 3 اور شاید اس خبر میں بھی اِسی طرف اشارہ ہے کہ اس زمانہ میں بڑے چھوٹے کیے جائیں گے اور چھوٹے بڑے کیے جائیں گے۔ جماعت احمدیہ جو تعداد میں آجکل تھوڑی ہے ایک دن آنے والا ہے کہ یہ چند لاکھ سے چند ارب ہو جائے گی اور باقی اقوام جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں وہ کروڑوں سے چند لاکھ بن جائیں گی اور اس طرح بڑے چھوٹے اور چھوٹے بڑے کیے جائیں گے''۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:

''نماز کے بعد میں ایک جنازہ پڑھاؤں گا جو باہر پڑا ہے۔ یہ جنازہ چودھری محمد عبداللہ صاحب کنری سندھ کا ہے جو اِس سال جلسہ پر ربوہ آئے تھے۔ 29 دسمبر کو انہیں نمونیہ ہو گیا اور اسی مرض سے فوت ہو گئے۔ دوست میرے ساتھ نماز جنازہ میں شامل ہوں''۔

(الفضل 5 فروری 1957ء)

---

1 : ترمذی کتاب الدعوات باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید

2 : الفضل 27؍اپریل 1945ء

3 : تذکرہ صفحہ 539 ایڈیشن چہارم

2

# اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احرارِ یورپ کے اسلام کی طرف رجحان کی جو خبر دی تھی وہ پوری ہو رہی ہے

(فرمودہ 11 جنوری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پچھلے ہفتہ تبلیغِ اسلام کے متعلق بعض ایسی خبریں ملی ہیں جو ہیں تو ابھی اپنی ابتدائی صورت میں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو بڑھا دے تو وہ عظیم الشان تبدیلیوں کا ایک بیج بن سکتی ہیں۔

ایک خط ایک آزاد حکومت کے ایک مبلّغ کی طرف سے آیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ حکومت کا پریذیڈنٹ جو جمہوریت میں بادشاہ کے برابر ہوتا ہے اس کے ایک سیکرٹری یعنی وزیر نے اسلام کے متعلق زیادہ قریبی واقفیت بہم پہنچانے کے لیے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں باقاعدہ ان کے گھر جا کر انہیں قاعدہ یسّرنا القرآن پڑھاؤں تا کہ اس کے ذریعہ سے وہ عربی زبان اور قرآن کریم پڑھنے کے قابل ہو سکیں۔ ہے تو یہ ایک معمولی خبر لیکن اگر قاعدہ یسّرنا القرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان پر

قرآن کریم آسان کر دے اور وہ مسلمان ہو جائیں تو اس سارے علاقہ میں احمدیت کے پھیلنے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

دوسری خبر بھی اِس وقت تو بظاہر معمولی ہے مگر تمام حالات جو ہیں ان میں اگر وہ بڑھنا شروع کر دے تو وہ بھی بڑی ترقی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس ہفتہ جرمنی سے ایک خط آیا ہے کہ ایک جرمن نوجوان نے جو ابھی احمدی نہیں ہوا احمدیت سے دلچسپی لینی شروع کر دی ہے۔ وہ نوجوان جرمنی کے ایک بہت بڑے خاندان کا فرد ہے اور اس کا باپ نازیوں کا ایک لیڈر تھا۔ اور اتنا بڑا لیڈر تھا کہ جب پچھلی جنگ میں ہٹلر کو شکست ہوئی اور اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ ہٹلر کے ماتحت جو بڑے بڑے لیڈر تھے اُن پر مقدمہ چلایا جائے تو جو لوگ اِس غرض کے لیے انہوں نے چُنے اُن میں سے ایک وہ بھی تھا۔ چنانچہ اتحادی کورٹ میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے تین سال کے لیے قید کیا گیا اور اس قید میں اس کے بیوی بچوں کو بھی شامل کیا گیا۔ تین سال کے بعد جب وہ قید سے رہا ہوا تو اتحادیوں نے جرمن حکومت سے کہا کہ گو ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے لیکن کچھ مدت تک تم بھی اسے اپنی نگرانی میں رکھو۔ چنانچہ تین سال تک جرمن حکومت نے بھی اسے قید رکھا۔ جب وہ قید سے رہا ہوا تو چونکہ وہ ملک اور قوم میں بہت اثر و رسوخ رکھتا تھا اِس لیے اُسے شمالی جرمنی کے بنک کا مینیجر بنا دیا گیا۔ اب وہ فوت ہو چکا ہے لیکن اس کا لڑکا اسلام کی طرف مائل ہو گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر اسلام میری سمجھ میں آ گیا تو میں جرمنی کے بڑے طبقہ کے لوگوں میں جو میرے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تبلیغِ اسلام شروع کر دوں گا۔

پھر پہلے مجھے علم نہیں تھا لیکن وکالت تبشیر نے مجھ سے ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ پروفیسر ٹلٹاک بھی نازی تھے۔ وکالت نے مجھے بتایا کہ پروفیسر ٹلٹاک نے ان سے ذکر کیا ہے کہ وہ بھی نازی تھے اور نازیوں میں وہ ایک بڑے عُہدہ پر تھے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ میں ایڈمنسٹریٹو لائن میں تھا، پروپیگنڈا لائن یا ملٹری میں افسر نہیں تھا اس لیے شکست کے بعد اتحادیوں نے مجھ پر مقدمہ نہیں چلایا ورنہ میں ایسا اہم ممبر تھا کہ مجھ پر بھی مقدمہ چلایا جاتا۔ وہ گزشتہ پیر کو واپس گئے ہیں اور اتوار کی شام کو انہوں نے مجھ سے بھی ذکر کیا کہ میرا نازیوں میں بہت بڑا اثر تھا۔ مجھے تنظیم دفاتر کے کام کا ہیڈ مقرر کیا گیا تھا۔ پھر دوسرے نوجوان کے متعلق ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اگر اس کے خاندان کے نام کا پتا لگ جائے

تو میں اسے پہچان سکوں گا (خط میں اس کا نام نہیں دیا گیا تھا)۔ بہرحال پروفیسر ٹلٹاک نے کہا کہ سارے نا ٹسی لیڈروں سے میرے تعلقات تھے۔ میں واپس جا کر اس نوجوان کا پتا کروں گا اور اس سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ نوجوان مسلمان تو نہیں ہوا لیکن وہ اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کی ہٹلر کی حکومت میں اتنی عظمت تھی کہ اس کے باپ کو اتحادیوں نے خاص آدمیوں میں شمار کیا۔ اس پر مقدمہ چلایا اور اسے قید رکھا۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور ناٹسی لوگ جو کسی وقت جرمنی کے بادشاہ تھے ان میں اسلام پھیل جائے۔ تو چونکہ وہ ملک میں بڑا رسوخ رکھتے ہیں اس لیے بعید نہیں کہ ان میں سے چند آدمیوں کے احمدی ہو جانے کے بعد سارے جرمنی میں اسلام ترقی کرنے لگ جائے۔

پچھلے سال جب میں مری میں تھا تو میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ جرمنی کے مبلّغ کا ایک خط آیا ہے کہ جرمنی کا ایک بہت بڑا آدمی احمدی ہو گیا ہے۔ بعد میں رؤیا میں ہی مجھے تار بھی آئی اور اس میں بھی یہ لکھا تھا کہ وہ احمدی ہو گیا ہے اور اُمید ہے کہ اس کے ذریعہ جرمنی میں جماعت کا اثر و رسوخ بڑھ جائے گا۔

یہ دونوں واقعات بتاتے ہیں کہ یہ اسی رؤیا کی تائید میں ہیں۔ گو ابھی ان کی حیثیت ایک گٹھلی کی سی ہے شگوفہ اور پھل نہیں نکلا۔ لیکن ان سے اُمید پیدا ہوتی ہے کہ جس خدا نے مئی میں مجھے یہ باتیں بتائی تھیں اور اب جنوری میں اس کی تائید میں باتیں نکلنی شروع ہوئی ہیں وہ اس کو پورا کرنے کے سامان بھی پیدا کر دے گا۔ اور کوئی بعید نہیں کہ جلد ہی جرمنی کے بااَثر خاندانوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو اسلام سے محبت رکھتے ہوں اور سارے جرمنی میں اس کی ترقی کے لیے کوشش کرنے والے ہوں۔

اُسی دن پروفیسر ٹلٹاک نے ایک اَور بات بھی بیان کی جو بڑی تکلیف دہ تھی اور مرکزی دفتر کی سُستی پر دلالت کرتی تھی۔ پروفیسر ٹلٹاک نے سرسری طور پر باتوں باتوں میں کہا کہ لطیف بڑا کارآمد شخص ہے اور بڑی اچھی تبلیغ کر رہا ہے لیکن اسے دیکھ کر رحم آتا ہے۔ اس کے پیٹ میں بیماری ہے، درد اُٹھتی ہے تو اس کے ہاتھ مروڑے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر نے اسے کچھ گولیاں دی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک دو گولیاں وہ کھا لیتا ہے تو اُسے آرام آ جاتا ہے۔ پروفیسر ٹلٹاک نے مجھے کہا کہ آپ

اُسے دو تین ہفتہ تک ہسپتال میں داخل کیوں نہیں کرواتے تا کہ وہ ڈاکٹروں کی زیرنگرانی رہے اور اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرلے؟ میں نے کہا دو تین ہفتے تو کیا میں تو اسے دو تین مہینہ تک بھی ہسپتال میں رکھنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ ڈاکٹر کہیں کہ اتنے عرصہ تک اسے ہسپتال میں رکھنا مفید ہو سکتا ہے۔ پروفیسر ٹلٹاک کہنے لگے یہ تو بڑا لمبا عرصہ ہے آپ اسے دو تین ہفتہ تک ہی ہسپتال میں ڈاکٹروں کی زیرنگرانی رکھیں۔ اسے دیکھ کر بڑا رحم آتا ہے۔ موٹر میں بیٹھا ہوتا ہے اور یکدم اسے درد کا دورہ ہوتا ہے تو اس کا ہاتھ مروڑا جاتا ہے۔ وہ اُسی وقت ڈبیہ سے دو گولیاں نکالتا اور کھالیتا ہے جس سے کچھ افاقہ ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کہ مرکزی دفتر نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اب میں نے دفتر کو حکم دیا ہے کہ خرچ کا اندازہ تو لگاؤ۔ وہ وہاں اکیلا ہے اور مبلّغ کو یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ ہسپتال میں داخل ہو گیا تو اس کے بعد تبلیغ کا کام کون کرے گا؟ اس لیے میں نے یہ بھی کہا ہے کہ جرمنی میں ایک اَور مبلّغ بھجوانے کا انتظام کریں اور دوسرے اخراجات کا اندازہ لگوائیں۔☆ میں نے جب اپنی ایک بیٹی کو وہاں علاج کے لیے بھجوایا تو وہاں تین پونڈ روزانہ خرچ ہوتا تھا۔ اگر لطیف ایک ماہ بھی ہسپتال میں رہے تو اس حساب سے نوّے پونڈ بن جاتے ہیں اور اتنی رقم ایک بڑی جماعت کے لیے اپنے ایک مخلص مبلّغ کی جان بچانے کے لیے خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ ساری رقم قریباً بارہ سو روپے بنتی ہے اور ایک مخلص مبلّغ جو ایک اہم جگہ پر تبلیغ کر رہا ہے اور بڑی محنت سے کام کر رہا ہے اس کے لیے بارہ سو روپے کی رقم خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر تحریک پر اس رقم کا خرچ کرنا بوجھ ہو تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی رقم میں بھی دے سکتا ہوں اور میں نے انہیں اِسی نیت سے لکھا تھا کہ وہ اخراجات کا اندازہ لگائیں تو رقم میں ہی دے دوں گا۔ باہر مبلّغ بھیج کر دفتر کا بے پروائی سے بیٹھ جانا نہایت افسوسناک ہے

آج ہی مجھے تحریک جدید کے ایک کارکن کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ فلاں ضروری

☆ دفتر نے اطلاع دی ہے کہ انہوں نے عبداللطیف صاحب کو لکھا ہے کہ وہ خرچ کا اندازہ بھجوائیں لیکن ساتھ ہی لطیف صاحب کی بھی تار آ گئی ہے کہ میں بیمار نہیں اچھا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تار انہوں نے مرکز کی تسلی کے لیے دی ہے اور محض ان کی قربانی اور اخلاص پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ جیسا کہ گواہیوں سے ثابت ہے وہ بیمار ہیں۔

کام کے متعلق میں نے تحریک جدید کو کئی دفعہ لکھا ہے اور کئی دفعہ ربوہ بھی جا چکا ہوں مگر ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے متعلق بھی دفتر کو لکھا ہے۔ اس کا جواب آئے گا تو پتا لگے گا کہ کیا بات ہے۔ بہرحال یہ بات میرے علم میں ہے کہ لطیف پہلے بھی بیمار تھا۔ جب وہ جرمنی گیا ہے تب بھی بیمار تھا۔ لیکن اُس نے کام چھوڑا نہیں بلکہ برابر کرتا رہا۔ ایسے آدمی کے لیے چاہیے تھا کہ اگر میں نہ بھی لکھتا تب بھی خرچ مہیا کیا جاتا اور اسے ہسپتال میں داخل کرایا جاتا تا کہ وہ اپنا علاج کرا سکتا۔

بہرحال جرمنی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت اور اسلام کی ترقی کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گیارہ سال ہوئے 1945ء کی بات ہے۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہٹلر ہمارے گھر میں آیا ہے۔ پہلے مجھے پتا لگا کہ ہٹلر قادیان میں آیا ہوا ہے اور مسجد اقصیٰ میں گیا ہے۔ میں نے اُس کی طرف ایک آدمی دوڑایا اور کہا کہ اسے بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ اسے بلا لایا۔ میں نے اسے ایک چارپائی پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے میں خود بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بے تکلف وہاں بیٹھا تھا اور ہمارے گھر کی مستورات بھی اُس کے سامنے بیٹھی تھیں۔ میں حیران تھا کہ ہماری مستورات نے اُس سے پردہ کیوں نہیں کیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہٹلر چونکہ احمدی ہو گیا ہے اور میرا بیٹا بن گیا ہے اس لیے ہمارے گھر کی مستورات اس سے پردہ نہیں کرتیں۔ پھر میں نے اسے دعا دی اور کہا اے خدا! تُو اس کی حفاظت کر اور اسے ترقی دے۔ پھر میں نے کہا وقت ہو گیا ہے میں اسے چھوڑ آؤں۔ چنانچہ میں اسے چھوڑنے کے لیے گیا۔ میں اس کے ساتھ جا رہا تھا اور یہ خیال کر رہا تھا کہ میں نے تو اس کی ترقی کے لیے دعا کی ہے اور ہم انگریزوں کے ماتحت ہیں اور اُن کے ساتھ اِس کی لڑائی ہے۔ یہ میں نے کیا کیا ہے؟ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ ہٹلر عیسائی ہے اور یہ ہٹلر احمدی ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ رؤیا بھی بتاتی ہے کہ نازی قوم اسلام کی طرف توجہ کرے گی اور ایک ہی ہفتہ میں اس بات کا پتا لگنا کہ ایک بڑے نازی لیڈر کا لڑکا اسلام کی طرف مائل ہے اور اس میں دلچسپی لے رہا ہے اور پھر پروفیسر ٹلٹاک کا بتانا کہ وہ خود بھی نازیوں کے بڑے لیڈر رہتے بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک رَو چلا رہا ہے اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے جو یہ بات نکلوائی تھی کہ

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار 1

وہ پوری ہو رہی ہے۔ احرارِ یورپ آہستہ آہستہ ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور دنیا حیران ہوگی کہ وہ قوم جو اسلام کی شدید دشمن تھی اس کی حمایت کیوں کرنے لگی ہے۔ اور وہ قوم جو اسلامی حکومتوں کو نقصان پہنچایا کرتی تھی وہ ایک ایک، دو دو کر کے اسلامی حکومتوں کو قائم کیوں کرنے لگی ہے۔ غرض یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہو رہی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فوت ہو گئے۔ آپؑ نے اپنی زندگی میں یہ نظارے نہیں دیکھے لیکن دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ باپ درخت لگاتا ہے اور بیٹے اُس کے پھل کھاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک درخت لگایا اور اب آپؑ کے روحانی بیٹے یعنی احمدی اس کے پھل کھائیں گے۔ دوسرے لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں۔ لیکن جب یورپ احمدی ہو گیا تو اس درخت کا پھل کھانے کے لیے وہ بھی آ جائیں گے۔ جیسے کوئی شخص پھلدار درخت لگاتا ہے تو جس وقت اُس کا پھل پکتا ہے تو وہ خود پھل کھائے یا نہ کھائے منگتے پہلے ہی آ جاتے ہیں۔ اِسی طرح جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی پوری ہوگی اور احرارِ یورپ اسلام قبول کر لیں گے تو جو مولوی اِس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے رہے ہیں وہ بھی اپنا ٹھوٹھا لے کر آ جائیں گے اور کہیں گے ہمیں بھی کچھ دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کآخر کنند دعویٰ حُبِّ پیمبرم 2

اُس وقت حضرت صاحبؑ کا یہ شعر یاد کر کے وہ کہیں گے کہ آپ کے سلسلہ کے بانی نے خود کہا ہوا ہے کہ ان لوگوں کا بھی خیال رکھو۔ آخر یہ بھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر تمہارا دل چاہے نہ چاہے بہرحال تمہیں کچھ نہ کچھ انہیں دینا پڑے گا۔ اگر تم انہیں نہیں دو گے تو دوسرے لفظوں میں تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹا قرار دو گے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور آپ کے الہامات کو سچا ثابت کرنے کے لیے چاہے تمہیں ان کی گالیاں کتنی بھی یاد آئیں تم کہو گے کہ اپنا ٹھوٹھا لاؤ تا کہ ہم اس میں تمہارا حصہ ڈال دیں بلکہ تمہیں کہنا پڑے گا کہ پہلے تم کھاؤ پھر ہم کھائیں گے"۔ (الفضل 8 فروری 1957ء)

---

1 : درثمین اردو صفحہ 130 زیر عنوان "مناجات اور تبلیغ حق"

2 : درثمین فارسی صفحہ 107

3

# ایک نہایت مبارک رؤیا

دنیا خواہ کچھ کہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارے خدا کی ظاہر کردہ باتیں بہرحال پوری ہو کر رہیں گی

(فرمودہ 18 جنوری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح یہی کہنے پر مجبور ہوں کہ جو کچھ میں کہوں گا اُس پر خواہ کوئی شخص سن کر یہ کہے کہ بڈھا سٹھیا گیا ہے اور اس کو ایسی باتیں نظر آنے لگ گئی ہیں پھر بھی میں اس کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ 1 کہ اگر تم مجھے پاگل قرار نہ دو تو میں یہ بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ پس حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اس بات سے خوف نہیں کھایا تھا کہ لوگ انہیں پاگل کہیں گے کہ ایک بچہ جو چھوٹی عمر میں کہیں گم ہو گیا تھا اور اب وہ اُدھیڑ عمر کا ہو چکا ہوگا باپ اُس کے متعلق اپنے دوسرے بیٹوں سے کہتا ہے کہ تم اپنے بھائی کو تلاش کرو کیونکہ مجھے اُس کی خوشبو آ رہی ہے اور اس کے ملنے کے دن قریب آ گئے ہیں۔ گو پھر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ملنے میں کئی سال لگ گئے تھے لیکن دنیا جس طرح ان کے دوبارہ ملنے سے مایوس ہو چکی تھی وہ مایوسی دور ہوگئی۔

میں بھی جو بات کہوں گا اس کی وجہ سے لوگ کہیں گے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے لیکن نہ حضرت یعقوب علیہ السلام ڈرے تھے اور نہ میں ڈرتا ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے باوجود یہ بات جاننے کے کہ لوگ انہیں پاگل کہیں گے وہ بات کہہ دی تھی۔ اسی طرح میں بھی یہ بات جاننے کے باوجود کہ لوگ مجھے پاگل قرار دیں گے اور میری بات کو جھوٹا کہیں گے یہ بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

آج رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں قادیان گیا ہوں اور مسجد مبارک کی چھت پر ہوں۔ وہاں خوب چہل پہل ہے اور لوگ آتے جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہیں تو وہ اُدھیڑ عمر کے لیکن توانائی اور طاقت کی وجہ سے وہ جوانی کے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالحق ہے اور دوسرے کا نام نور احمد ہے۔ عبدالحق بات کر رہا ہے اور نور احمد پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔ عبدالحق نے مجھ سے کہا کہ فلاں شخص گواہی دے رہا ہے اور اس سے فلاں نے کہا ہے کہ اِس طرح گواہی نہ دو بلکہ اس طرح گواہی دو کہ عبدالحق یا نور احمد کو فائدہ پہنچ جائے۔ اِس وقت میرے ذہن میں یہ نہیں کہ وہ گواہی عدالت میں ہے یا سلسلہ کے محکمہ قضاء میں ہے۔ پھر یہ بھی مجھے یاد نہیں کہ اس شخص سے عبدالحق کے متعلق گواہی دینے کے لیے کہا جا رہا ہے یا نور احمد کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ بہرحال میں نے کہا کہ مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ گواہی عبدالحق یا نور احمد کے خلاف ہے یا ان کے حق میں ہے۔ مجھے صرف اس بات سے غرض ہے کہ وہ سچ بولے اور جو کہے ٹھیک کہے۔ یہ کہ وہ عبدالحق یا نور احمد کے فائدہ کے لیے گواہی دے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ وہ جو کہے سچ کہے کیونکہ سچ میں ہی برکت ہے۔ چاہے اس کی گواہی عبدالحق یا نور احمد کے خلاف ہو یا ان کے حق میں ہو۔ ان باتوں کے بعد مجھے یکدم یوں محسوس ہوا کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یاد آئی ہے اور میں نے خیال کیا کہ گھر جاؤں اور حضرت صاحبؑ کو دیکھوں۔ ہمارے مکان کا وہ حصہ جو مسجد مبارک کی اوپر کی چھت سے ملحق ہے اور اُسی کے دروازہ سے میں مسجد میں نماز کے لیے آیا کرتا تھا میں اُس حصہ سے گزرا اور پھر چھت کو پار کر کے سیڑھی سے اترا اور اُس دالان میں گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ میں جب اُس دالان میں گیا تو وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بڑا شاندار پلنگ رکھا ہے اور اُس پر ایک

اعلیٰ درجہ کا بستر بچھا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔اس پلنگ کے پہلو میں ایک چھوٹا سا میز پڑا ہوا ہے۔ وہ میز ایسا ہے جیسے مہمانوں کے آگے کھانا رکھنے کا میز ہوتا ہے۔اُس کے اوپر کھانا بھی رکھا ہوا ہے۔اس کھانے کی ایک چیز پلاؤ تھی مگر اس کے چاول بہت ہی اعلیٰ درجہ کے تھے۔اِس سال بدوملہی کے ایک مخلص دوست نے کچھ چاول بھجوائے ہیں۔ وہ چاول ہم نے گھر میں پکائے تو میری بیوی نے ان کی بہت تعریف کی کہ وہ بڑی اچھی قسم کے چاول ہیں۔ جب ہم جابہ گئے تو ان میں سے کچھ چاول وہاں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔لیکن میں نے دیکھا کہ وہ چاول ان سے بھی بہتر تھے۔ وہ پکنے کے بعد لمبے ہو گئے ہیں اور پھر الگ الگ رہے ہیں اور ٹوٹے بھی نہیں۔ یہی اچھے چاولوں کی علامت ہوتی ہے۔ بدوملہی کے دوست جو چاول لائے تھے وہ بھی پکانے کے بعد لمبے ہو جاتے ہیں اور الگ الگ رہتے ہیں لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ پکانے کے بعد کچھ کُھردرے سے ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اُس پلاؤ کے چاول ان چاولوں سے زیادہ اچھے تھے اور وہ پلاؤ بڑے اعلیٰ درجہ کا تھا۔اس پلاؤ کے اوپر بڑے اعلیٰ درجہ کا قورمہ بھی پڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ پلاؤ کے ساتھ ہی ایک پلیٹ میں میٹھا کھانا پڑا ہوا ہے جو کچھ فرنی سے اور کچھ حریرہ سے مشابہ ہے۔حریرہ وہ چیز ہے جس کو نشاستہ سے تیار کیا جاتا ہے۔اس میں میٹھا اور گھی ڈالتے ہیں۔ پھر اس میں پستے اور بادام کی ہوائیاں ڈالتے ہیں۔بعض دفعہ کشمش بھی ڈال لیتے ہیں اور دماغ کی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی زندگی میں بعض اوقات حریرہ استعمال فرمایا کرتے تھے تا کہ دماغ کو طاقت حاصل ہو۔ یہ جو پستہ وغیرہ کے باریک ٹکڑے ہوتے ہیں اور جن کو اُردو میں ہوائیاں کہتے ہیں ان کو حریرہ میں بھی ڈالتے ہیں اور زردہ میں بھی ڈالتے ہیں۔ چونکہ وہ اتنے باریک ہوتے ہیں کہ اگر زور سے ہوا چلے تو انہیں اُڑا کر لے جائے اس لیے انہیں ہوائیاں کہتے ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ اس میٹھے کھانے میں ہوائیاں تھیں یا نہیں لیکن وہ اعلیٰ درجہ کا حریرہ تھا جسے دیکھ کر کھانے کی رغبت ہوتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مہمان آ رہا ہے جس کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کھانا رکھوایا ہے۔ تب میں نے چاہا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملوں۔جس جگہ میز پڑی ہے اس کا چکر کاٹ کر میں چارپائی کے سرہانے کی طرف گیا جدھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا

چہرہ روشن تھا، داڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی اور نہایت خوشنما تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے۔ آخری عمر میں آپ مہندی میں خضاب ملا لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے بالوں میں کچھ سیاہی آ جاتی تھی۔ لیکن ابتدا میں آپ صرف مہندی لگایا کرتے تھے۔ یہ خضاب کا نسخہ میر حامد شاہ صاحب کسی سے سیکھ کر آئے تھے۔ وہی خضاب صحت کی حالت میں مَیں بھی لگایا کرتا تھا۔ لیکن آپؑ مہندی زیادہ ملایا کرتے تھے۔ اس لیے سیاہی کم ہوتی تھی اور سرخی زیادہ۔ لیکن میں مہندی کم ڈالا کرتا تھا اس لیے سیاہی زیادہ ہوتی تھی اور سُرخی کم۔ ابتدا میں حضرت صاحب صرف مہندی لگایا کرتے تھے۔ بہرحال آپ کی داڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی جو چمکتی تھی۔ میں نے جھک کر آپ کا چہرہ دیکھا۔ جب میں آپ کے قریب ہوا تو آپؑ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ ایک ہاتھ آپ نے میرے دائیں کلّے پر رکھ لیا اور دوسرا ہاتھ میرے بائیں کلّے پر رکھ لیا اور میرے سر کو جھکایا اور پیار سے میرے ہونٹوں کو یہ کہتے ہوئے بوسہ دیا کہ بیٹا! تم اِس طریق پر عمل کرو گے یا اُس پر؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے نہ اِس طریق سے غرض ہے اور نہ اُس طریق سے غرض ہے۔ مجھے تو حضورؑ کے ارشاد سے غرض ہے۔ حضورؑ جو ارشاد فرمائیں گے میں وہی کروں گا۔ مجھے اِس طریق سے یا اُس طریق سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آپؑ کے چہرہ پر رونق آ گئی ہے۔ پھر آپؑ نے خوشی سے کہا میں نے تمہیں ٹرنک کال کی تھی۔ میں نے کہا حضور! آپ نے ٹرنک کال کی ہو گی لیکن مجھے وہ نہیں ملی۔ میں تو مسجد مبارک کے اوپر تھا اور وہاں ٹیلیفون نہیں۔ بہرحال آپؑ کی ٹرنک کال مجھے نہیں ملی۔ میرے دل میں خود ہی خواہش پیدا ہوئی کہ میں حضوؑر کو دیکھوں اس لیے میں آ گیا۔ اس کے بعد آنکھ کھلی تو میرا ذہن اِس طرف گیا کہ معلوم ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے اگلے جہان میں بھی ٹرنک کال کا طریق جاری کیا ہوا ہے۔ جب اگلے جہان میں روحیں دنیا کے لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں تو فرشتے ٹیلیفون لگا دیتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ یہاں کی ٹرنک کال کانوں سے سُنی جاتی ہے اور وہاں کی ٹرنک کال دل سے سُنی جاتی ہے۔ اگلے جہان میں جب کسی روح کا دل چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنے کسی پیارے کو دیکھے یا کسی رشتہ دار سے ملے تو فرشتے اسے ٹیلیفون پر کھڑا کر دیتے ہیں اور اِدھر اُس کے رشتہ دار کو رغبت دلا دیتے ہیں اور جو کچھ وہ روح کہتی ہے خواب میں اُس کے سامنے آ جاتا ہے۔ تو گویا ٹرنک کال کا طریق وہاں بھی جاری ہے۔

اس کے بعد پھر غنودگی کی حالت طاری ہوئی اور فارسی کے کچھ شعر میری زبان پر جاری ہوئے۔ فارسی میں نے درسی طور پر نہیں پڑھی صرف مثنوی رومیؒ حضرت خلیفہ اوّل نے پڑھائی تھی اس لیے فارسی اشعار بہت کم زبان پر آتے ہیں لیکن عربی کے وہ اشعار جو پرانے شاعروں نے کہے تھے وہ زبان پر آ جاتے ہیں۔ بہر حال میں نے دیکھا کہ فارسی کے کچھ شعر میری زبان پر آ گئے ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہے۔ آخر سوچتے سوچتے میرے ذہن میں آیا کہ وہ شعر جو میری زبان پر جاری ہوئے تھے ان کے اندر آر پار تار جیسے کچھ الفاظ تھے۔ اس کے بعد میں نے سوچنا شروع کیا کہ کوئی شعر ایسے ہوں جو میں نے سنے ہوں اور جن میں ایسے الفاظ آتے ہوں۔ اس پر یکدم مجھے یاد آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فارسی کے دو شعر سنائے تھے اور وہی میری زبان پر جاری ہوئے تھے وہ شعر سرمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ

جانانِ مرا بمن بیارید ایں مُردہ تنم باُو سپارید
چوں بوسہ دہد بریں لبانم گر زندہ شوم عجب مدارید

اس میں بھی وہی بیار آر سپار کا وزن تھا۔ اس لیے اس وزن نے میری راہنمائی کی کہ وہ کونسے شعر ہیں جو میری زبان پر جاری ہوئے تھے۔ سرمد عشقِ الٰہی کی وجہ سے بعض ایسے الفاظ کہہ جاتے تھے جن کی وجہ سے علماء سمجھتے تھے کہ یہ بے دین ہے اور وہ کہتے تھے کہ اسے پھانسی دی جائے۔ چنانچہ عالمگیر بادشاہ نے ان کے فتووں کی وجہ سے سرمد کو پھانسی دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن درحقیقت ان کا عشق مجازی نہیں تھا بلکہ حقیقی تھا۔ جب سرمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا تو انہوں نے کہا:۔

جانانِ مرا بمن بیارید
ایں مُردہ تنم باُو سپارید

کہ جب میں مر جاؤں تو میرے محبوب کو میرے پاس لانا اور میرا مُردہ جسم اُس کے حوالے کر دینا۔

چوں بوسہ دہد بریں لبانم
گر زندہ شوم عجب مدارید

پھر اگر وہ میرے لبوں پر بوسہ دے اور میں زندہ ہو جاؤں تو اس پر تعجب نہ کرنا۔

لوگوں نے یہ قصّہ بنایا ہوا ہے کہ سرمد کو ایک لڑکے سے عشق تھا۔ چنانچہ پھانسی کے بعد وہ لڑکا لایا گیا۔ اس نے جب سرمد کے لبوں پر بوسہ دیا تو وہ زندہ ہو گئے۔ حالانکہ اُن کا عشق مذہبی رنگ کا تھا اور اُن کے اندر روحانی والہیت پائی جاتی تھی جس کی طرف ان شعروں میں اشارہ تھا۔

میں نے جو الٰہی تصرّف سے یہ شعر پڑھا تو اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میرے پاس لاؤ اور اگر وہ میرے ہونٹوں کو بوسہ دیں گے تو پھر ایک نئی زندگی مجھ میں پیدا ہو جائے گی اور ترقیٔ سلسلہ اور ترقیٔ اسلام کے ایسے سامان پیدا ہو جائیں گے کہ میرے جیسا مُردہ یا میرے کام جیسا مُردہ پھر زندہ ہو جائے گا اور ایسی شان سے زندہ ہوگا کہ لوگ تعجب کریں گے کہ ایسا مُردہ کس طرح زندہ ہو گیا۔ مگر یہ خدائی تقدیر ہوگی اس پر تعجب کرنا غلط ہوگا۔

پس اس کے معنے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو مجھے اسلام کی خدمت اور اس کی اشاعت کی اَور زیادہ توفیق ملنی شروع ہو جائے گی یا ممکن ہے اِس میں میری صحت کی طرف اشارہ ہو۔ دونوں باتیں ہوسکتی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے دینی خدمت کی زیادہ توفیق ملنی شروع ہو جائے اور اسلام کی اشاعت کے جو کام باقی ہیں وہ میرے ذریعہ یا میرے اتباع کے ذریعہ پورے ہو جائیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ظاہری صحت دے دے اور دین کے کام اچھی طرح ہونے لگ جائیں۔ اور یہ بھی اس خواب سے اشارہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادیان جانے کے سامان لوگوں کے لیے پیدا کر دے۔

بہرحال میں نے اس رؤیا میں اپنے آپ کو مسجد مبارک قادیان میں دیکھا ہے اور پھر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نے میرے سر کو جھکایا اور میرے ہونٹوں پر بوسہ دیا اور پھر یہ شعر مجھ پر نازل ہوئے۔

پس میں نے چاہا کہ اس خوشی میں مَیں دوسرے دوستوں کو بھی شریک کروں۔ اس لیے خطبہ میں مَیں نے اس رؤیا کو بیان کر دیا ہے۔ اپنے آپ کو مسجد مبارک قادیان میں دیکھنا اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنا وہی حضرت یعقوب علیہ السلام والی بات ہے کہ اگر تم مجھے پاگل قرار نہ دو تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے بھی اس رؤیا کے ذریعہ یوسفؑ کی خوشبو آئی ہے اور میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے جن کا ایک نام

یوسفؑ بھی ہے۔ بیشک کہنے والے کہیں گے کہ ان کا دماغ خراب ہوگیا ہے اور یہ ایسی خوابیں دیکھنے لگ گئے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے خدا پر یقین ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو باتیں اس کی طرف سے ظاہر کی جاتی ہیں وہ پوری ہوکر رہتی ہیں۔

دیکھو! قادیان سے نکلنے کے متعلق جو میری رؤیا تھی اس کے متعلق کون کہہ سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ لیکن پھر ویسا ہی ہوگیا۔ اسی طرح کثرت سے ایسی رؤیا ہوئیں جو پوری ہوئیں۔ روس کے متعلق رؤیا ہوئیں، انگلستان کے متعلق رؤیا ہوئیں، جرمنی کے متعلق رؤیا ہوئیں اور وہ پوری ہوئیں۔ پس بیشک کہنے والے ہمیں پاگل کہتے رہیں لیکن الٰہی منشا یہی ہے کہ وہ ہمارے لیے برکت کے سامان پیدا کرے اور جماعت سے اشاعتِ اسلام کا کام کرائے تا کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوں اور ہمیں بوسہ دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا اور آپ کا بوسہ دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے چُھوئے ہوئے نے (مسیح کے معنے یہی ہیں) کسی کو چُھوا تو تم یہ سمجھو کہ گویا خدا تعالیٰ نے ہی اسے چُھوا۔ دیکھو! بجلی جب کسی تار میں آ جاتی ہے تو کتنی روشنی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو چُھوئے تو اُس کا چُھونا آگے چلتا نہ چلا جائے۔ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چُھوا اور خدا تعالیٰ کا وہ ہاتھ اب تک تیرہ سو سال سے برکت دیتا چلا آ رہا ہے اور قیامت تک دیتا چلا جائے گا۔ اِسی طرح اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوا اور ان کے بوسہ دینے اور چھونے سے ہمارے اندر سینکڑوں اور ہزاروں سال تک برکت چلتی چلی جائے گی۔ یہی بات اس شعر میں بیان کی گئی ہے کہ:۔

گر زندہ شوم عجب مدارید

اگر میں ان کے بوسہ سے زندہ ہو جاؤں تو لوگو! اِس پر تعجب نہ کرنا۔ پس اس رؤیا کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام دنیا میں پھر زندہ ہونے والا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی یہی غرض تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہو جائیں۔ اور میری زبان پر یہ جاری ہونا کہ "گر زندہ شوم عجب مدارید" بتاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوبارہ زندہ ہونے والے ہیں اور ان کے ذریعہ اسلام کا نور پھر زندہ ہو جائے گا۔ بے شک لوگ

اسے پاگلوں والی بڑ کہیں گے اور کہیں گے کہ ایک کھوئی ہوئی چیز انہیں کیسے مل جائے گی؟ ایک مُردہ کیسے زندہ ہو جائے گا؟ لیکن

گر زندہ شوم عجب مدارید

اگر خدا تعالیٰ اس شخص کو جس پر اُس نے یہ کلام نازل کیا ہے یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زندہ کر دے تو دنیا اِس پر تعجب نہ کرے۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور خدا تعالیٰ جس بات کا فیصلہ کر لیتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے"۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

"بارش اور سردی کی وجہ سے میری طبیعت خراب رہی ہے۔ ہم جابہ گئے تو اگرچہ وہاں سردی زیادہ تھی مگر دھوپ نکلی رہی جس کی وجہ سے باوجود سردی زیادہ ہونے کے طبیعت اچھی رہی۔ یہاں آئے تو پھر بادل آ گئے جس کی وجہ سے طبیعت میں ضعف اور کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال وہ موسم قریب آ رہا ہے جب بادل ہٹ جاتے ہیں۔ اس لیے اُمید ہے کہ تغیر وتبدل کے ماتحت روشنی اور نور کا موسم آ جائے گا۔ اِس کمزوری کی وجہ سے باوجود اِس ارادہ کے کہ میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھوں گا آج میں نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے اور طبیعت میں کمزوری محسوس ہوتی ہے لیکن زیادہ اثر بادلوں اور موسم کا ہی معلوم ہوتا ہے"۔ (الفضل 24 جنوری 1957ء)

1: یوسف: 95

4

# ایک اَور مبارک رؤیا

اللہ تعالیٰ کی برکات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے
کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں

(فرمودہ 25 جنوری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے پچھلے جمعہ میں اپنی ایک رؤیا سنائی تھی اور بر سبیل تذکرہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی اس کے ساتھ ملا کر بیان کی تھی۔ اس کے بعد شمس صاحب نے تذکرہ میں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام نکال کر بھیجا جس میں اُسی آیت کا ذکر آتا ہے جو میں نے پڑھی تھی اور اُس کے آگے یہ بھی ذکر ہے کہ اس کے بعد قادیان جانا ہوگا۔1 اِسی طرح بعض اَور لوگوں کو بھی اس کے بعد رؤیا ہوئی ہیں۔

ایک ہی مضمون کے متعلق اتنی جلدی جلدی رؤیا مجھے کم ہوتی ہیں۔ لیکن غالباً بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات کو میں نے پھر دیکھا کہ میں قادیان میں ہوں۔ مگر اس دفعہ میں نے اپنے آپ کو مسجد مبارک کی چھت پر نہیں دیکھا بلکہ مسجد مبارک کے مسقّف حصہ میں دیکھا ہے۔ میں جب اس کے اندر گھسا تو مجھے یوں معلوم ہوا جیسے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم خطبہ پڑھ رہے ہیں مگر میں نے

مسجد جس شکل میں دیکھی ہے وہ وہ تھی جو اَب ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے وقت میں مسجد کی یہ شکل نہیں تھی بلکہ صرف اُتنا ہی حصہ تھا جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا ہوا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب 1905ء میں فوت ہوئے تھے اور 1907ء میں اس مسجد کی توسیع ہوئی تھی۔ یہ توسیع میر ناصر نواب صاحب نے کی تھی اور اس پر انجمن کا اور میر ناصر نواب صاحب کا جھگڑا بھی ہوا تھا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی جس کو ہمیشہ پیغامی اِس بات کی دلیل میں پیش کیا کرتے ہیں کہ انجمن ہی خلیفہ ہے۔ تو وہ حصہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد بنا ہے۔ لیکن میں نے اس وقت دیکھا کہ وہ حصہ بھی مسجد میں شامل ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کھڑے تھے اور غالباً خطبہ دے رہے تھے۔ اُن کا منہ مشرق کی طرف تھا۔ میں جب مسجد کے اندر گُھسا تو میرے ساتھ ایک دو ساتھی اَور بھی تھے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے مسجد میں گنجائش کم ہے اور آدمی زیادہ ہیں۔ انہوں نے جب ہمیں آتے ہوئے دیکھا تو کہا لوگو! بارش ہو رہی ہے ذرا سمٹ جاؤ اور رستہ دے دو۔ میں گزر کر اپنے ساتھیوں سمیت اُس کوٹھڑی میں گُھس گیا جس میں پہلے مولوی محمد علی صاحب رہا کرتے تھے اور بعد میں مولوی محمد اسماعیل صاحب اس میں رہتے رہے ہیں۔ اور پھر سیڑھی پر چڑھ کر گول کمرہ کی چھت پر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مکان ہے جس میں امۃ الحی مرحومہ رہا کرتی تھیں۔ اس کی کھڑکی باہر چوک کی طرف کھلتی ہے۔ اگر اس میں کھڑے ہو جائیں تو مسجد مبارک کے آگے کا چوک اور وہ سیڑھیاں جو نئی بنی ہیں اور وہ دکانیں جو مرزا نظام الدین صاحب کی ہوتی تھیں وہ سب نظر آتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت اس کھڑکی کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ بتانا چاہتی ہے کہ ہم پردہ دار عورتیں یہاں بیٹھی ہیں۔ اس وقت بارش ہو رہی ہے اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں مگر بارش کی وجہ سے چونکہ کیچڑ ہے ہم نماز پڑھ نہیں سکتے۔ اور اُس جگہ جو چھت ہے وہ بالوں والی نہیں ہے بلکہ لوہے کی سلاخوں کی ہے جس میں سے پانی گر سکتا ہے۔ تب میں نے کسی چیز کا سہارا لے کر جو پاس کی چھت پر لوگ بیٹھے تھے ان سے کہا کہ پاس کے کمرہ میں عورتوں سے کہہ دو کہ پردہ کر لیں تا کہ ہم کمرہ میں نماز پڑھ سکیں کیونکہ باہر بارش کی وجہ سے کیچڑ ہے۔ پھر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا منشا تھا کہ اس جگہ مکان کو وسیع کیا جائے اور کچھ اَور چھت ڈال لی جائے تا کہ نمازی اس میں آ سکیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

غرض اس دفعہ میں نے اپنے آپ کو مسجد مبارک کے نچلے حصہ میں دیکھا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں دیکھا بلکہ مولوی عبدالکریم صاحب کو دیکھا ہے کہ وہ کھڑے ہیں اور میں قیاس کرتا ہوں کہ وہ خطبہ پڑھ رہے ہیں اور مشرق کی طرف ان کا منہ ہے۔ پھر میں کوٹھڑی میں گھس کے گول کمرہ کی چھت پر چڑھ گیا اور وہاں جا کر میں نے اپنے ساتھیوں کے ذریعہ سے عورتوں سے کہلوایا کہ پردہ کرلو ہم لوگ اندر نماز پڑھانا چاہتے ہیں۔

یہ جو مسجد کی تنگی دیکھی ہے یہ بھی بتاتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو قادیان میں احمدیوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہی مسجد مبارک جو اِس وقت وہاں کے لوگوں کے لیے بعض دفعہ جلسہ کے لیے بھی کافی ہو جاتی ہے عام نماز کے لیے بھی ناکافی ہو گی کیونکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے بہت ہجوم کو دیکھ کر کہا لوگو! سمٹ جاؤ، رستہ چھوڑ دو کیونکہ باہر بارش ہو رہی ہے۔ غرض اس رؤیا میں بھی قادیان جانے کا ذکر ہے۔ گو زیادہ تفصیل نہیں۔ پہلی رؤیا میں زیادہ تفصیل تھی۔ مگر بہرحال یہ بھی ایک مبارک رؤیا ہے اور مسجد مبارک کا دیکھنا بھی اچھا ہے۔

پھر کئی احمدیوں نے بھی جو قادیان سے آئے ہیں بتایا ہے کہ وہاں بھی بہت سے لوگوں نے اس قسم کے نظارے دیکھے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک دوست کے متعلق بتایا کہ انہوں نے خواب دیکھی ہے کہ کسی نے کہا ہے کہ خلیفۃ المسیح مسجد اقصیٰ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگ اُن کو دیکھنے کے لیے وہاں جا رہے ہیں۔

اِسی طرح ایک اور دوست کا سیالکوٹ سے خط آیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ نے اعلان کیا ہے کہ کشمیر کے لیے اپنے آپ کو والنٹیئرز کے طور پر پیش کرو۔ بہرحال یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ مناسب راستہ کونسا ہوگا جس سے ہمیں قادیان جانا ہوگا۔ مگر ایک رؤیا مجھے پچھلے سال ہوئی تھی جس سے پتا لگتا ہے کہ امرتسر کا رستہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت اماں جان ہیں۔ حضرت اماں جان ایک زیور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھا رہی ہیں اور کہتی ہیں یہ محمود نے میرے لیے بنوایا ہے اور ایک آدمی آج کل پتا لینے کے لیے کہ کیا حالات ہیں روزانہ امرتسر آتا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ محمود کو میری طرف سے کہہ دینا (حالانکہ میں بھی وہاں ہوں

لیکن آپ مخاطب حضرت اماں جان سے ہوتے ہیں ) کہ جب تم کو لے جائے تو اچھی گاڑی میں لے کر جائے۔ عام معمولی گاڑی میں لے کر نہ جائے۔

یہ رؤیا اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جانا امرتسر کی طرف سے ہوگا۔ لیکن رستے اصل چیز نہیں۔ اصل چیز تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ان علاقوں کو آپس میں ملا دے اور مسلمان عزت اور احترام کے ساتھ وہاں جائیں۔ ہمارا ظاہری طور پر بھی ہمیشہ یہی خیال رہا ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے اپنے مارے جانے سے پہلے میرے پاس لاہور میں اپنا ایک نمائندہ بھیجا تھا اور وہ مس مردولا سارا بائی2 تھیں۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ گاندھی جی کہتے ہیں کہ آپ کیوں چلے گئے۔ ہم تو آپ کو اپنے علاقہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا میں نے تو پنڈت نہرو صاحب سے مل کر بھی واضح کیا تھا کہ اس علاقہ میں امن قائم ہو تو ہم رہنے کو تیار ہیں لیکن وہ امن قائم نہیں کر سکے۔ انہوں نے کہا گاندھی جی کہتے ہیں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم امن قائم کر سکیں۔ وقت آیا تو وہ بیچارے آپ ہی مارے گئے۔ میں نے کہا میں آنے کو تیار ہوں مگر قیدی کے طور پر نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ سارے مسلمانوں کو اجازت ہو اور سب مسلمانوں سے کہو کہ وہ آزادی سے اُسی طرح رہیں گے جیسے انگریزوں کے زمانہ میں رہتے تھے اور پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کوئی باؤنڈری نہیں ہوگی۔ ہر مسلمان جو اَب پاکستان میں ہے وہ اپنی جائیداد کو وہاں جا کر سنبھال سکے گا اور وہاں امن سے رہ سکے گا۔ میں ایک تبلیغی جماعت کا امام ہوں میں وہاں قید میں نہیں رہ سکتا۔ میں صرف اِسی طرح آنے کو تیار ہوں کہ سب مسلمانوں کو کھلی اجازت ہو کہ وہ جائیں اور امرتسر میں، گورداسپور میں، ہوشیارپور میں، فیروزپور میں، لدھیانہ میں، جالندھر میں اور انبالہ میں آزادی سے اپنی جائیدادوں پر قبضہ کر لیں۔ اگر آپ یہ آزادی دے دیں تو پھر بے شک میں اس پر غور کر سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگیں یہ تو ابھی مشکل ہے۔ ہندو بڑا مخالف ہے۔ میں نے کہا ہندو بڑا مخالف ہے تو ہوتا رہے میں قیدی کے طور پر نہیں آ سکتا۔ میں تو جب آؤں گا ایسی شکل میں ہی آؤں گا کہ سارے مسلمان اُدھر آ سکیں اور ہر شخص آزادانہ طور پر وہاں رہ سکے اور سمجھے کہ یہ ملک میرا ہے۔ یہ کہ مسلمانوں کو غلام کے طور پر رکھا جائے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور ایسی صورت میں مَیں مسلمانوں کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ وہ جائیں اور نہ میں خود جا سکتا ہوں۔ اب تو خود مس مردولا سارا بائی نہرو جی کی زیرِ عتاب ہیں بلکہ میں

نے سنا ہے کہ انہیں نظر بند کر دیا گیا ہے مگر انہیں گاندھی جی نے میرے پاس بھیجا تھا۔ پس ظاہر میں بھی ہم لوگوں کو ہمیشہ یہی احساس رہا ہے کہ اگر ہم جائیں تو آزادانہ طور پر جائیں اور سارے مسلمانوں کے لیے رستہ کھلا ہو۔ صرف چند آدمیوں کا چلے جانا اور اُن کا قیدی کے طور پر رہنا اور ہندوؤں کی ٹھوکریں کھانا یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ مسلمان جائے تو ایسے رنگ میں جائے کہ اُسے آزادی نصیب ہو۔ پھر جب سارے مسلمان جائیں گے تو چونکہ ہم بھی اُن کے ساتھ ہیں اس لیے ہم بھی جائیں گے۔ لیکن اگر اس رنگ میں کوئی شخص ہمارے سامنے پیشکش کرے کہ چند آدمی وہاں چلے جائیں اور رہیں تو یہ غلامی ہے اور اس غلامی کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ایسا رستہ کھولے جس میں سب مسلمان آزادی کے ساتھ اس ملک میں جا کر رہ سکیں۔

جہاں تک میرا عقیدہ ہے میں اِس بات کا قائل ہوں کہ ہم اس قسم کی کوئی قید ہندوؤں پر بھی نہیں لگائیں گے۔ فرض کرو اگر خدا تعالیٰ کے مدّ نظر یہ ہو کہ وہ فاتح کے طور پر مسلمانوں کو اُدھر لے جائے تب بھی اگر کوئی مجھ سے پوچھے گا تو میں یہی کہوں گا کہ وہی حق جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ہندوؤں کو بھی دو اور سکھوں کو بھی دو۔ اگر تم ہندوؤں اور سکھوں میں فرق کرتے ہو تو تم سچے مسلمان نہیں۔ کیونکہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم اور غیر مسلم میں سیاست میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔

پس جہاں یہ درست ہے کہ اگر ہم جائیں گے تو اسی صورت میں جا سکتے ہیں جب باقی مسلمان بھی جائیں وہاں یہ بھی صحیح ہے کہ اگر ہم باقی مسلمانوں کے ساتھ جائیں تو خواہ فاتحانہ رنگ میں جائیں ہمارا معاملہ ہندوؤں اور سکھوں سے بھی ایسا ہی ہوگا جیسے مسلمانوں سے ہوگا۔ ہم اُن کو بھی پوری آزادی دیں گے اور نہیں پورے حقوق دیں گے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی امتیاز سیاست میں مسلم اور غیر مسلم میں روا نہیں رکھا۔ اور نہ عجمی اور عرب میں رکھا تھا بلکہ سب کو برابر حقوق دیئے تھے۔ وہی طریق ہمارا ہوگا۔ دوسرے مسلمانوں میں تو ابھی یہ احساس نہیں پایا جاتا۔ لیکن اُمید ہے کہ آہستہ آہستہ ان میں بھی یہ احساس پیدا ہو جائے گا اور جب یہ احساس اُن میں پیدا ہو جائے گا کہ وہ ساری قوموں سے انصاف کریں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ ان کے لیے برکت کے سامان بھی پیدا کر دے گا اور وہ باتیں جو آج ناممکن نظر آتی ہیں وہ اُس وقت ممکن ہو جائیں گی۔ تنگدلی کو دیکھ کر

خدا تعالیٰ کی برکتیں بھی رُک جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس کے ایسے بندے زمین پر ہوں جو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں، انصاف کرنے والے ہوں،، رحم دل ہوں اور مساواتِ نسلی اور سیاسی اور مذہبی کے قائل ہوں۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ دوسرے ملک کے لوگوں یا دوسری نسل کے لوگوں یا دوسری قوم کے لوگوں کو مار ڈالا جائے یا انہیں تباہ کر دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وہی محبوب ہیں جو کہیں کہ سب کو برابر رکھو اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ترقیات کے بڑے رستے کھلے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تنگدلی ہوتی ہے کہ انسان کہے کہ میں فلاں کو حق دیتا ہوں اور فلاں کو نہیں دیتا۔ ترقی کے اتنے رستے کھلے ہیں کہ اس قسم کی تنگدلی دکھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

دیکھو! پاکستان میں لوگ تنگدلی برتتے ہیں اور دوسروں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ لیکن امریکہ میں جہاں لوگ ایک دوسرے کو آگے بڑھنے دیتے ہیں باوجود اِس کے کہ وہاں کی آبادی اِس ملک سے زیادہ ہے پھر بھی وہاں اتنے رستے ترقیات کے کھلے ہیں کہ اُن کا ادنیٰ سے ادنیٰ امیر بھی ہمارے بڑے سے بڑے امیر سے بھی بڑا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تنگدلی چھوڑ دی ہے۔ وسیع الحوصلگی اختیار کر لی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اُن کو حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے چھوٹے بڑے کیے جا رہے ہیں اور بڑے اَور بھی بڑے کیے جا رہے ہیں۔ اگر مسلمان بھی اس سبق کو سیکھ لیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کریں گے اور ان کی ترقی کے لیے بھی اُسی طرح کوشش کریں گے جس طرح مسلمانوں کی ترقی کے لیے وہ کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی برکتوں کے سامان پیدا کرے گا کہ جو بڑائیاں اور عزتیں ان کو آج خواب میں بھی نصیب نہیں ہوتیں وہ سچ مچ اُن کو مل جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے قدم کو اِتنا اونچا کر دے گا کہ دیکھنے والی دنیا کو اُن کے پیروں کو دیکھنے کے لیے بھی اپنی گردنیں اِس طرح اٹھانی پڑیں گی کہ ان کی پگڑیاں گر جائیں گی۔ خدا تعالیٰ جب کسی کو دیتا ہے تو اسی طرح دیتا ہے۔ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اِسی طرح دیا تھا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی اِسی طرح دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی اسی طرح دیا تھا۔ اگر اِس وقت مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی برکات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ اِسی صورت میں ان کو

دے گا کہ وہ وسیع الحوصلگی اختیار کریں۔ غیر قوموں کے آگے محبت کا ہاتھ بڑھائیں اور اُن کو کہیں کہ آؤ اور جو عظمتیں ہم کو حاصل ہیں اُن میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔

اب تو یہ حالت ہے کہ مجھے پڑھ کے شرم آئی کہ مرکزی وزیر تجارت ابوالمنصور احمد جو بنگال کے رہنے والے ہیں اُن کے علاقہ میں کوئی خاص شہد ہوتا ہے وہ نئی دہلی گئے تو اپنے ساتھ اُس شہد کے دو مٹکے بھارت کے صدر راجندر پرشاد اور وزیر اعظم پنڈت نہرو کو دینے کے لیے بھی لے گئے۔ اِتنی سی بات پر یہاں اخباروں میں شور پڑ گیا کہ ابوالمنصور احمد اتنا بے حیا ہے کہ وہ ان کو تحفہ دینے کے لیے شہد لے گیا۔ اُس نے واپس آ کر بڑی دلچسپ تقریر کی اور کہا میں صدر راجندر پرشاد اور وزیر اعظم پنڈت نہرو کے لیے شہد تو لے گیا تھا لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنی تنگدلی کی وجہ سے میرے اس شہد پر اتنی تنقید کی کہ وہاں جاتے جاتے شہد کی مٹھاس ہی ختم ہوگئی۔ مطلب یہ کہ یہاں اس طرح نیش زنی کی گئی کہ اس نیش زنی کے بعد ان کو شہد زہر معلوم ہوا ہوگا میٹھا معلوم نہیں ہوا ہوگا۔ تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تنگدلی چھوڑ دیں اور اپنے دامن کو سب کے لیے وسیع کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بھی ہمارے لیے وسیع ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اتنی بڑائیاں ہیں کہ ان بڑائیوں کو ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں میں تقسیم کر کے بھی ہمارا حصہ اتنا زیادہ بچ جاتا ہے کہ جس حصہ کے برابر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی نہ ملا ہو۔

دیکھو! خدا تعالیٰ جنت کا مالک ہے اور خدا تعالیٰ اس دنیا کا بھی مالک ہے۔ اور جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کو بھی جو جنت ملے گی وہ اتنی بڑی ہوگی کہ اُس کا پھیلاؤ زمین و آسمان کے پھیلاؤ جیسا ہوگا۔3 اب کیا خدا تعالیٰ کو اگلے جہان میں ہی طاقت حاصل ہے اِس جہان میں حاصل نہیں؟ جس خدا نے اگلے جہان میں ایسی جنت بنائی ہے وہ یقیناً اِس دنیا میں بھی ایسی جنت بنا سکتا ہے اور ہر مسلمان کو اتنا بڑا حصہ دے سکتا ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کو دینے کے بعد بھی اس کا حصہ اتنا زیادہ ہو کہ زمین و آسمان کا پھیلاؤ بھی اس سے چھوٹا رہ جائے۔ پس اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور اُسی سے مانگو۔

بہت سے مسلمانوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اِس وجہ سے مایوس ہیں کہ ہماری آبادی بہت تھوڑی ہے اور ہمارے پاس روپیہ نہیں۔ ہندوستان کے پاس بہت روپیہ ہے اور اس کی آبادی

بھی بہت ہے۔ حالانکہ اگر ہم خدا تعالیٰ سے تعلق رکھیں تو آبادی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ کے دینے کے طریق یہی ہوتے ہیں کہ کبھی بچے زیادہ دے دیتا ہے اور کبھی دوسروں کے بچے مار ڈالتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی آتا ہے کہ اُن کے زمانہ میں فرعونیوں کے پلوٹھے مارے گئے۔4 تو خدا تعالیٰ میں یہ بھی طاقت ہے کہ ایک ایک پاکستانی کے ہاں اتنے بچے پیدا ہو جائیں کہ وہ گھبرایا پھرے کہ ان کو کھلاؤں کہاں سے۔ اور خدا تعالیٰ میں یہ بھی طاقت ہے کہ وہ ہندوستان کی آبادی کو کم کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ کو یہ دونوں طاقتیں حاصل ہیں۔ وہ اگر چاہے تو کسی کو زیادہ بچے دے دے اور اگر چاہے تو کسی کے بچے مار دے۔ اس لیے ہماری آٹھ کروڑ کی آبادی اَسّی کروڑ بھی بن سکتی ہے اور ہندوستان کی پینتالیس کروڑ کی آبادی پانچ کروڑ یا اڑھائی کروڑ بلکہ پانچ لاکھ بھی بن سکتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لے گا خدا تعالیٰ اُس کی مدد کرنی شروع کر دے گا۔ اگر ہندوستانی خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لیں گے تو اُن کی چیزوں میں برکت پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر پاکستانی خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لیں گے تو پاکستان کی ہر چیز میں برکت پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور یہ چھوٹا سا ملک اتنی بڑی طاقت پکڑ لے گا کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اِس سے لرزیں گی۔ نہرو جی تو اس بات پر خوش ہیں کہ روس کا وزیراعظم اور سیکرٹری ہمارے پاس آئے ہیں لیکن تمہارے لیے اس سے بڑی گنجائش باقی ہے۔ تمہارے لیے یہ گنجائش باقی ہے کہ خدا تعالیٰ اور اُس کا جبریل تمہارے پاس آ جائیں۔ اب تم بتاؤ کہ روس کے کمانڈر انچیف اور اس کے سیکرٹری کی خدا تعالیٰ اور اُس کے جبریل کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو نہرو جی کی خوشی کتنی حقیر ہو جاتی ہے۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ روس کے کمانڈر انچیف اور کمیونسٹ پارٹی کے چیف سیکرٹری اُن کے ہاں آئے لیکن ہر پاکستانی اس اُمید سے پُر ہے کہ کسی دن خدا تعالیٰ چاہے گا تو خدا اور جبریل اُس کے گھر آ جائیں گے۔ اور جس دن خدا اور اس کا جبریل اس کے گھر آئے اُس دن روس کے کمانڈر انچیف اور کمیونسٹ پارٹی کے چیف سیکرٹری کو بھاگتے ہوئے رستہ بھی نہیں ملے گا بلکہ وہ اپنی جوتیاں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ اور جبریل کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ترقیات کا ایک بہت بڑا رستہ کھلا رکھا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِس دنیا میں پیدا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کے ساتھ وہ وفاداری کی

کہ خداتعالیٰ نے اُن سے وعدہ کیا کہ اب آئندہ خداتعالیٰ اوراس کے جبریل کا تعلق اُنہی لوگوں سے ہوگا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلق رکھنے والے ہوں گے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سچا تعلق پیدا کرلے گا اُس کا خداتعالیٰ سے پکا تعلق ہو جائے گا۔ اور جب اُس کا خداتعالیٰ سے پکّا تعلق ہو جائے تو خداتعالیٰ اور جبریل ہمیشہ مسلمانوں کے گھر میں اُتریں گے وہ کسی غیر مسلم کے گھر میں نہیں اُتریں گے"۔

(الفضل یکم فروری 1957ء)

---

1: تذکرہ صفحہ 657 ایڈیشن 2004ء

2: مردولا سارا بائی:(MIRDULA SARABHAI)(1911 تا 1974ء) احمد آباد انڈیا میں پیدا ہوئیں۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کی سرگرم رکن تھیں۔

3: سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید:22)

4: خروج باب 12 آیت 29، 30

5

# رؤیا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مومن اپنے توکّل اور اُمید کو بڑھائے اور یقین رکھے کہ خدا ضرور کچھ ظاہر کرے گا

تعبیر الرؤیا بڑا نازک اور اہم علم ہے۔
رؤیا کی حقیقی تعبیر اس کے پورا ہونے پر ہی ظاہر ہوتی ہے

(فرمودہ یکم فروری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے پچھلے خطبہ میں کہا تھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ گزشتہ ہفتہ میں قریب قریب وقت میں مجھے ایک ہی مضمون کے متعلق دو دفعہ رؤیا ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اس ہفتہ میں مَیں نے پھر دیکھا کہ میں قادیان میں ہوں۔ لیکن اِس دفعہ میں نے اپنے آپ کو مسجد مبارک میں نہیں دیکھا بلکہ اُس صحن میں دیکھا ہے جس میں پارٹیشن کے وقت اُمِّ ناصر رہا کرتی تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وفات کے قریب عرصہ میں گرمیوں میں وہاں سویا کرتے تھے۔ اس صحن میں ایک دروازہ کھلتا ہے جو نیچے ڈیوڑھی سے آتا ہے جو اُس گلی کے ساتھ ملتی ہے جو میاں بشیر احمد صاحب کے مکان کے پہلو میں گزرتی تھی۔ ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پرانا مکان تھا، دوسری طرف

میاں بشیر احمد صاحب والا مکان تھا اور بیچ میں سے گلی آتی تھی اور اس کا رستہ مسجد مبارک کے نیچے سے ہوتا تھا۔ پھر وہ گلی مرزا سلطان احمد صاحب والے مکان کی طرف چلی جاتی تھی اور رستہ میں اُس کے دائیں طرف ڈیوڑھی آتی تھی۔ اس کے اندر داخل ہونے کے بعد سیڑھیاں آتی تھیں جن کے اوپر ہمارے گھر میں راستہ ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان سیڑھیوں میں کچھ حرکت ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہیں جو ملنے آئے ہیں۔ اِس پر میں نے جا کر کُنڈی کھولی۔ کُنڈی کھولنے پر ایک ہاتھ آگے نکلا جیسے کوئی مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اُس شخص کی شکل تو نہیں دیکھی لیکن ہاتھ سے میں یہ سمجھا کہ یہ چودھری رحمت خان صاحب کا ہاتھ ہے۔ چودھری رحمت خان صاحب ایک مخلص احمدی نوجوان ہیں (اب تو شاید وہ نوجوان نہیں رہے بلکہ اُدھیڑ عمر کے ہوں گے ) گجرات میں رہتے ہیں۔ ان کے بھائی چودھری غلام رسول صاحب یہاں اسکول میں ماسٹر ہیں۔ 1922ء میں جو میں نے درس دیا تھا اس میں وہ بڑے شوق کے ساتھ قادیان آ کر شامل ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں برابر سنتا رہا ہوں کہ انہوں نے اس درس سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی سروس کے دوران میں انہیں جہاں جہاں بھی جانے کا موقع ملا وہ درس دیا کرتے تھے اور لوگوں کو قرآن کریم کے مضامین سے واقف کیا کرتے تھے۔ بہر حال میں نے رؤیا میں سمجھا کہ یہ ہاتھ چودھری رحمت خان صاحب کا ہے۔ میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا میں کتنی ہی دیر سے آپ کی تلاش کر رہا تھا آج آپ کو پکڑا ہے۔ اور پھر اس خیال سے کہ انہیں علمی ذوق ہے اور قرآن کریم کے مضامین سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور درس دیتے رہے ہیں میں نے کہا اندر آ جاؤ تا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے متعلق باتیں کریں۔ چنانچہ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کو اندر کھینچ کر لے آیا۔ اُس وقت چند اَور آدمی بھی اس صحن میں ہیں لیکن اُس وقت وہ مجھے نظر نہیں آتے۔ بعد میں اُن میں سے بعض آدمی مجھے نظر آئے۔ بہر حال میں ان کو لے کر صحن میں آ گیا اور میں نے اُن کو اپنے پہلو میں کھڑا کر لیا اور کہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو کتابیں ہیں ان میں سے چشمہ معرفت میں بہت لطیف مضامین ہیں اور وہ مجھے بہت پسند ہے۔ اُس وقت میں نے دیکھا کہ سامنے ڈاکٹر شاہ نواز صاحب بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اِس سال جلسہ سالانہ پر تقریر بھی کی تھی۔ ڈاکٹر شاہ نواز صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کو کوئی کتاب نہیں پہنچتی۔ میں نے کہا براہین احمدیہ

اپنی جگہ پر اچھی کتاب ہے اور بعض اَور کتابیں بھی ہیں جن میں اپنی جگہ پر بڑے اعلیٰ درجے کے مضامین ہیں۔ چنانچہ اُس وقت میرے ذہن میں ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' بھی آتی ہے لیکن ''چشمہ معرفت'' کی یہ خوبی ہے کہ اس میں بہت سے مضامین چند سطروں میں آ جاتے ہیں اور چند چند سطروں کے بعد مضمون بدلتا چلا جاتا ہے۔ پس ''براہین احمدیہ'' اپنی جگہ پر اعلیٰ ہے اور بعض اَور کتابیں اپنی جگہ پر اعلیٰ ہیں۔ مگر ان سب میں لمبے لمبے مضامین آتے ہیں لیکن ''چشمہ معرفت'' میں بہت سے مضامین کی تشریح آ جاتی ہے اور چند سطروں میں آتی ہے۔ اس لیے میں نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ اپنے رنگ میں وہ اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اِس رؤیا میں بھی میں نے اپنے آپ کو قادیان میں دیکھا اور یہ بھی اتنی جلدی دیکھا کہ ابھی پچھلے ہفتہ میں مَیں نے ایک رؤیا سنائی تھی کہ میں مسجد مبارک میں پھر رہا ہوں اور مولوی عبد الکریم صاحب خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ اتنا تواتر جو خوابوں میں ہو رہا ہے اِس کی بناء پر خیال آتا ہے کہ الٰہی منشاء کے مطابق آسمان پر کوئی تحریک ہو رہی ہے۔ مگر ایک بات ہے جو میں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رؤیا کے متعلق بہت سے لوگوں کا نقطہ نظر جداگانہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ جب کوئی رؤیا سنتے ہیں تو ساتھ ہی اُس رؤیا کی بناء پر وقت کی تعیین بھی کر دیتے ہیں اور تفصیل کی بھی تعیین کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رؤیا سنتے ہیں تو پھر بھی ان کی مایوسی دور نہیں ہوتی اور وہ کہتے ہیں رؤیا تعبیر طلب ہوتی ہے معلوم نہیں اس کا کیا مطلب ہوگا۔ یہ دونوں نقطہ نگاہ اپنی اپنی جگہ پر غلط ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رؤیا کا اصل مقصد یہ نہیں ہوا کرتا کہ لوگ تفصیل یا وقت کی تعیین کر لیں بلکہ رؤیا کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی اُمید اور توکل بڑھا لیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ رؤیا تعبیر طلب ہوتی ہیں مگر آخر کچھ تعبیر تو ان کی ہوتی ہے۔ تعبیر کے تو محض یہ معنے ہیں کہ جن الفاظ میں رؤیا دکھائی گئی ہے ممکن ہے ان میں وہ رؤیا پوری نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کچھ بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ دیکھو! جب مکہ والوں کی تکلیفیں بڑھ گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپؐ نے ایک ایسی جگہ کی طرف ہجرت کی ہے جو کھجوروں اور چشموں والی ہے۔ آپؐ نے رؤیا کے ظاہری الفاظ کے مطابق یہ تعبیر کی کہ آپؐ کو یمامہ یا ھجر کی طرف ہجرت کرنی پڑے گی۔ 1 مگر جب ہجرت ہوئی تو مدینہ ہوئی جو خود کھجوروں کی جگہ ہے۔ لیکن ہجرت سے پہلے آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں نے رؤیا

سے یہ سمجھا تھا کہ ہم یمامہ یا ھجر کی طرف ہجرت کریں گے۔ لیکن جو تعبیر ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ مدینہ کی طرف آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ اب یہ تو نہیں کہ کوئی بھی ہجرت نہیں ہوئی۔ اگر ہجرت یمامہ یا ھجر کی طرف نہیں ہوئی تو مدینہ کی طرف تو ہوگئی۔

پس وہ لوگ جو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ رؤیا چونکہ تعبیر طلب ہوتی ہیں اس لیے ہمیں کسی ردِّعمل کی ضرورت نہیں غلطی پر ہیں۔ تعبیر طلب کے معنے یہ ہیں کہ رؤیا کی تعبیر تو ضرور ہوتی ہے اور وہ پوری ہوتی ہے لیکن جو ظاہر میں شکل دکھائی جاتی ہے اس میں وہ اَور ہوتی ہے۔ اب ہمیں نہیں پتا کہ وقت پر اللہ تعالیٰ کیا شکل دکھائے۔ لیکن یہ تو پتا ہے کہ ضرور کچھ دکھائے گا۔ پس ان متواتر رؤیا ہونے کے یہ معنے نہیں کہ رؤیا میں جو چیز دکھائی گئی ہے بعینہٖ اسی شکل میں پوری ہوگی۔ بعض دفعہ رؤیا بعینہٖ اسی شکل میں پوری ہوتی ہے جس میں وہ دکھائی جاتی ہے اور بعض دفعہ کسی اَور شکل میں پوری ہوتی ہے جو بعض دفعہ ایک تسلسل کے ماتحت ہوتی ہے جس کے مطابق تعبیر نامہ والے اپنی کتابوں میں تعبیریں لکھ دیتے ہیں۔ تعبیر نامہ والوں نے یہی کیا ہے کہ مختلف لوگوں کی خوابیں انہوں نے جمع کیں اور پھر پوچھا کہ تمہاری خواب کس طرح پوری ہوئی تھی؟ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ایک کثیر تعداد نے یہ خواب دیکھی تھی اور پھر اِس رنگ میں پوری ہوئی تو انہوں نے لکھ لیا کہ اس کی یہ تعبیر ہے۔ مثلاً گنّا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے گنّا دیکھا۔ دوسرے شخص کو تلاش کیا۔ اُس نے بھی کہا میں نے گنّا دیکھا۔ تیسرے کو تلاش کیا۔ اُس نے بھی کہا میں نے گنّا دیکھا۔ اِس طرح انہوں نے پچاس ساٹھ آدمی جمع کر لیے۔ جب پچاس ساٹھ آدمیوں کی خوابیں معلوم ہوگئیں تو پھر انہوں نے اُن سے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کہا ہم کو غم پہنچا تھا۔ اِس پر انہوں نے لکھ لیا کہ اگر کوئی خواب میں گنّا دیکھے تو اُسے غم پہنچتا ہے۔ یا مثلاً خواب میں بلی دیکھنا ہے۔ انہوں نے بہت سے ایسے آدمی جمع کیے جنہوں نے خواب میں بلی دیکھی تھی اور پھر اُن سے دریافت کیا کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ تو انہوں نے بتایا ہم بیمار ہوگئے تھے۔ اِس پر انہوں نے تعبیر الرؤیا میں لکھ لیا کہ اگر کوئی خواب میں بلی دیکھے تو بیماری آتی ہے۔ اِسی طرح چنا ہے۔ انہیں پچاس، ساٹھ سو آدمی خواب میں چنا دیکھنے والے ملے تو پوچھا اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ تو انہوں نے بتایا ہمیں کچھ غم پہنچا تھا۔ اِس پر انہوں نے لکھ لیا کہ اگر کوئی خواب میں چنا دیکھے تو اسے غم پہنچتا ہے۔ پھر انہیں خواب میں بادام اور کشمش دیکھنے والے ملے اور انہوں نے کہا ہم نے خواب میں

بادام اور کشمش دیکھے ہیں تو انہوں نے دریافت کیا کہ بادام اور کشمش دیکھنے کا نتیجہ کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کہا بعد میں ہمیں کوئی خوشی پہنچی تھی۔ اِس پر انہوں نے لکھ لیا کہ اگر کوئی خواب میں بادام اور کشمش دیکھے تو اُسے خوشی پہنچتی ہے۔ تو بعض رؤیا ایسی ہوتی ہیں جن کی تعبیر تسلسل کے قاعدہ کے ماتحت ہوتی ہے۔ یعنی مسلسل لوگوں کو ایسی خوابیں آئی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس ان کا جو تجربہ ہوتا ہے اس کو لے کر معبّرین اپنی کتابوں میں درج کر لیتے ہیں۔ مگر بعض ایسی رؤیا ہیں کہ جن کو فہم الٰہی سے حل کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب کی تعبیر بیان کی وہ تعبیر الرؤیا کی کسی کتاب میں نہیں نکلے گی۔ گو قرآن شریف کو دیکھ کر تعبیر الرؤیا والوں نے بھی اسے لکھ لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تو قرآن کریم نہیں تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فہمِ الٰہی سے اس کی تعبیر کی اور وہ پوری ہو گئی۔

تو رؤیا کا جو علم ہے وہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ نہ تو عام طور پر رؤیا کے وہ لفظ پورے ہوتے ہیں جو انسان دیکھتا ہے اور نہ وقت اور تفصیل کی تعیین ہوتی ہے لیکن ہوتا کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ اور بعد میں پتا لگ جاتا ہے کہ اس کا کیا مقصد تھا۔ گویا رؤیا پوری ہو کر اپنی حقیقی تعبیر کرتی ہے۔ یا جو پہلے لوگوں کی رؤیا ہیں انہیں نقل کر کے معبّرین نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ اگر اس قسم کی رؤیا پوری ہو کر معبّرین نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ اگر اس قسم کی رؤیا پہلے لوگوں کو نہیں ہوئیں تو تعبیر الرؤیا میں ان کے متعلق کچھ نہیں نکلے گا۔ تعبیر الرؤیا کی کتابیں اس پر خاموش ہوں گی۔ لیکن مومن یہ ضرور سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو چیز دکھائی ہے وہ میرے ایمان کی زیادتی کے لیے دکھائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی فضول کام نہیں کرتا۔ قرآن کریم سے پتا لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ عبث کام نہیں کرتا2 اور جب وہ کوئی عبث کام نہیں کرتا تو جب وہ کسی کو کوئی رؤیا دکھاتا ہے تو اس کی کچھ نہ کچھ ضرور تعبیر ہوتی ہے۔

پس مومن کو اس رؤیا سے اپنے توکل کو بڑھانا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی خبر خوشی پر دلالت کرتی ہے یعنی ایسے مضمون پر دلالت کرتی ہے جس سے خوشی پہنچتی ہے تو وہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خوشی پہنچائے گا۔ اور اگر کسی ایسے مضمون پر دلالت کرتی ہے جو غم کا موجب ہے تو پھر وہ یہ سمجھ لے کہ اگرچہ تعبیر الرؤیا سے اس کی تعبیر کا پتا نہیں لگا لیکن مجھے کوئی ایسا امر پہنچنے والا ہے جو میرے لیے غم کا موجب ہوگا۔ لیکن قادیان کا دیکھنا ہر احمدی کے لیے خوشی کا

موجب ہے۔اب یہ کہ ہم قادیان کب دیکھیں گے اور آیا اسی کوٹھے پر جا کے دیکھیں گے یا کسی باہر کے علاقہ میں دیکھیں گے یہ ساری باتیں تفصیل طلب ہیں۔ ان کے متعلق تعیین کر لینا درست نہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی رؤیا کو نظر انداز کر دینا بھی غلط ہے۔ کیونکہ رؤیا جب دکھائی جاتی ہے تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہ ایمان اور توکل بڑھانے کے لیے ہوتی ہے۔مگر چاہیے کہ مومن وقت اور تفصیل کے پیچھے نہ پڑے۔ ہاں! یہ یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے غیب سے کوئی خوشخبری ظاہر کرنے والا ہے۔ جب مومن ایسا یقین پیدا کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ۔3 جیسا بندہ میرے متعلق گمان کرتا ہے میں بھی اس سے ویسا ہی سلوک کرتا ہوں۔ وہ جب خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور کہتا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دکھائی ہے اس لیے وہ میرے لیے ضرور خوشخبری پیدا کرے گا تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے اور اس کے لیے خوشخبری کے سامان پیدا کرتا ہے۔

اس رؤیا میں جو نام ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔ کیونکہ معبّرین نے لکھا ہے کہ ناموں کے ساتھ بھی تعبیر کا تعلق ہوتا ہے۔ اس رؤیا میں جو آدمی مجھے دکھائے گئے ہیں اُن میں سے ایک نام رحمت خاں ہے اور پھر وہ چودھری ہیں۔ چودھری کا لفظ ہمارے ملک میں اعزاز کے لیے بولا جاتا ہے۔ پس چودھری رحمت خاں کے معنے ہوئے کہ بڑی رحمت۔ دوسرا نام شاہ نواز ہے اور شاہ نواز کے معنے ہیں کہ جس کی خدا تعالیٰ نے قدر کی۔ کیونکہ نوازنے کے معنے ہوتے ہیں کہ اُس کی قدر کی اور اُس کا رتبہ بڑھایا۔ ہمارا شاہ تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔ پس شاہ نواز کے معنے ہوئے ایسا وجود جسے خدا تعالیٰ نے پسند کر لیا اور جس کو خدا تعالیٰ پسند کرے اگر اُس کو دیکھا جائے گا تو اِس سے لازماً خوشی اور فرحت ہی پہنچے گی۔ اور دوسری طرف رحمت بھی نظر آئے گی۔ تو اس میں بھی خوشی ہوگی۔ چنانچہ رؤیا میں مَیں نے چودھری رحمت خاں صاحب کا پنجہ پکڑا اور کہا میں آپ کی دیر سے تلاش کر رہا تھا۔ اس میں گویا وہی مضمون آ گیا جو اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ4 میں آتا ہے۔ یعنی مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم مجھے دیوانہ قرار نہ دو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسفؑ کی تلاش تھی۔ اور میں نے بھی رؤیا میں چودھری رحمت خاں صاحب سے یہی کہا کہ میں دیر سے آپ کی تلاش کر رہا تھا۔ آج میں نے آپ کو پکڑ لیا ہے۔ چنانچہ اس پر میں نے اُن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور

انہیں اندر لے گیا۔ ہمیں بھی رحمتِ الٰہی کی ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔ مگر جب سے ہجرت ہوئی ہے ہمیں قادیان کی بھی تلاش رہتی ہے۔ پس خواب میں یہ کہنا کہ مجھے رحمت خاں کی دیر سے تلاش تھی اور پھر اپنے آپ کو قادیان میں دیکھنا بتاتا ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی جس کا قادیان سے تعلق ہے اس کو میں نے پکڑ لیا ہے۔ پھر ''چشمہ معرفت'' کے الفاظ بھی بڑے اچھے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے معرفت اور ایمان کو بڑھائے گا اور عرفان کو ترقی دے گا۔ اور یہ صحیح بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی ایسے رستے کھول دے کہ جس سے احمدیوں کو قادیان جانے اور دیکھنے کا موقع نصیب ہو جائے تو اِس سے ان کی معرفت بھی بڑھ جائے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوابوں اور بعد میں آنے والے بھائیوں اور میری خوابوں پر بھی ان کا یقین بڑھے گا کہ دیکھو! خدا تعالیٰ نے جو خبر دی تھی اس نے اُسے پورا کر دیا۔

باقی رہا وقت اور تفصیل کی تعیین یہ ہمارا کام نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا تو ایک رات میں ہی تھا کہ آپؐ نے ہجرت کی ہے مگر وہ ہجرت ایک عرصہ کے بعد جاکے ہوئی تھی۔ پس ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات کب ہو۔ مگر یہ چیز ضرور نظر آتی ہے کہ جس دن سے یہ رؤیا ہوئی ہیں اُسی دن سے روزانہ دنیا کی سیاسیات میں ایسے تغیر ہو رہے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے معاملہ قریب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً اس کے بعد کشمیر کا معاملہ یو۔این۔او میں پیش ہوا۔ اور یو۔این۔او نے پاکستان کی تائید میں فیصلہ کیا اور اب وہ معاملہ دوبارہ پیش ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ویسٹ پاکستان کی تمام پارٹیوں نے متفقہ طور پر ریزولیوشن پاس کیا اور یو۔این۔او پر زور دیا کہ آپ لوگوں کو فوری طور پر کشمیر کے معاملہ کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور کشمیر کا معاملہ اور گورداسپور کا معاملہ دونوں ملے ہوئے ہیں۔ پھر بعض اخباروں نے لکھا کہ کشمیر کے متعلق تو پنڈت نہرو اَور پالیسی استعمال کر رہے ہیں لیکن دوسری ریاستیں جو اسلامی تھیں جیسے جونا گڑھ اور حیدرآباد وغیرہ ان کے متعلق ان کی پالیسی اَور ہے۔

اِسی طرح آج ہی میں نے پڑھا ایک اخبار نے لکھا ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چین ہندوستان کے ساتھ ہے لیکن تبت میں چین اپنا رسوخ بڑھا رہا ہے اور اس کی وجہ سے ہندوستان کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہونے لازمی ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ چو این لائی نے اپنی ایک تقریر میں کہا ہے کہ پنڈت نہرو خیر سگالی کے دورہ پر جو امریکہ گئے تھے جنرل آئزن ہاور نے

اس کا بہت بُرا بدلہ دیا ہے اور پنڈت نہرو نے صلح کی طرف جو قدم اٹھایا تھا کشمیر میں پھر رائے شماری ہی کے متعلق قرارداد پیش کر کے امریکہ نے اُسے ٹھکرا دیا ہے۔ مگر چواین لائی صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ وہ ابھی تھوڑے دن ہوئے پاکستان ہو کر گئے ہیں اور پاکستان میں وہ بھی گُڈ وِل (GOOD WILL) مشن پر آئے تھے۔ یہاں اُن کی بڑی عزت ہوئی۔ تمام پاکستان میں اُن کی پارٹیاں ہوئیں، بڑے بڑے نعرے لگے، بڑے بڑے جلوس نکلے مگر انہوں نے واپس جا کر اس کا نہایت بُرا بدلہ دیا۔ امریکہ پر جو انہوں نے اعتراض کیا ہے کہ پنڈت نہرو وہاں گئے تھے لیکن آئزن ہاور نے اُن کی قدر نہ کی۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ چواین لائی صاحب آپ بھی پاکستان آئے تھے تو پاکستان نے آپ کی بڑی قدر کی لیکن آپ نے اس عزت کی جو اُس نے آپ کی کی قدر نہ کی۔ پاکستان نے آپ کے اعزاز میں بہت کچھ کیا، بہت سے جلوس نکالے لیکن آپ نے اس کی بے قدری کی۔ اور یہاں تو اس کی تعریفیں کرتے رہے لیکن اِس ملک سے باہر گئے تو کہہ دیا کہ کشمیر کے معاملہ میں ہندوستان سے بڑی بے انصافی ہوئی ہے۔ یہ ایک سیاسی چال ہے جو آپ نے چلی ہے اور اگر آپ کو سیاسی چال چلنے کا حق حاصل ہے تو جنرل آئزن ہاور کو کیوں یہ حق حاصل نہیں؟ یو۔این۔او کو کیوں یہ حق حاصل نہیں؟ اگر آپ ایک ملک کی دعوتیں کھا کر اور اس میں جلوس نکلوا کر اور اس کے تعریفی نعرے سننے کے بعد اپنے ملک میں واپس جا کر ایک ایسی بات کہہ سکتے ہیں جو اُس کی دل شکنی کا موجب ہو تو کیا وجہ ہے کہ جنرل آئزن ہاور یہ بات نہیں کر سکتا؟ کیا وجہ ہے کہ یو۔این۔او یہ بات نہیں کہہ سکتی جو کچھ آپ کر سکتے ہیں؟ وہ وہ بھی کر سکتے ہیں۔ جو کچھ آپ نے کہا تھا وہی کچھ انہوں نے کہا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ آپ نے بھی اپنے دورہ کا نام گُڈ وِل مشن رکھا اور یہاں پاکستان کی تعریفیں کیں۔ اور پھر اِس ملک سے باہر جا کر اِس کی مذمت کی اور کشمیر کا معاملہ جو اِس کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے اِس میں ہندوستان کی تائید کی اور جنرل آئزن ہاور کو گالیاں دیں کہ اس نے پنڈت نہرو کے امریکہ جانے کی قدر نہیں کی۔ مگر یہ ساری بات ایک سیاسی چال ہے اور سیاسیات کے لحاظ سے ایسا ہو جاتا ہے دین کے لحاظ سے ایسا نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنے فعل سے صرف یہی ثابت کیا ہے کہ آپ دیندار نہیں ہیں محض سیاسی آدمی ہیں۔ جنرل آئزن ہاور نے بھی یہ دعوٰی کبھی نہیں کیا کہ وہ دیندار ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ میں سیاسی آدمی

ہوں۔تو جو سیاسی چال آپ نے چلی وہی آئزن ہاور نے چلی۔اگر یہ چیز آپ کے لیے جائز تھی تو جنرل آئزن ہاور کے لیے کیوں جائز نہیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ یہی کام آپ کے لیے تو نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے لیکن آئزن ہاور اگر وہی کام کرے، یو۔این۔او وہی کام کرے تو وہ بہت بُرا ہے۔

تو یہ سیاسی چالیں ہیں مگر ان سے پتا لگتا ہے کہ خدا واقعات کو دھکے دے رہا ہے۔وہ دھکے دے دے کے ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ جن سے قوموں میں آپس میں بگاڑ پیدا ہو۔اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ دھکا نہ ہوتا تو اِس وقت بڑے بڑے سمجھدار لوگ جو سیاسی طور پر اپنی زبانوں کو سنبھال کر رکھنے کے عادی ہیں اُن کے مونہوں سے یکدم ایسی باتیں کیوں نکلنی شروع ہو جاتیں؟ ہندوستان کے لیڈر ہیں تو متواتر اُن کے مونہوں سے ایسی باتیں نکلی ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان کی بین الاقوامی شہرت کو نقصان پہنچا ہے۔پنڈت نہرو کلکتہ جاتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ بالکل حل ہو چکا ہے، دلّی میں تقریر کرتے ہیں تو کہتے ہیں اگر کشمیر پاکستان کی طرف گیا تو ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کی خیر نہیں۔یہ فقرہ جہاں بھی یورپ میں پڑھا گیا وہاں نفرت کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا پنڈت نہرو ہندوؤں کو اشتعال دلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو مارو۔

تو یہ چیزیں جو پے در پے ظاہر ہو رہی ہیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں حرکت پیدا کر رہا ہے۔اس نے جبریل کو کوئی اشارہ فرمایا ہے اور اس نے دنیا میں اس اشارہ کے ماتحت حرکتیں پیدا کرنے کا حکم دے دیا ہے۔اب پنڈت نہرو جیسا آدمی بھی بے بس ہے اور اس کی ہوشیاری ختم ہو جاتی ہے اور وہ عقل کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔چواین لائی جیسا ہوشیار آدمی بھی بے بس ہو جاتا ہے اور اُس کی عقل ماری جاتی ہے۔غرض دنیا کے جتنے سیاستدان ہیں وہ اپنی سیاستیں بھولنے لگ جاتے ہیں۔یہ عقلمند لوگوں کا بھولنا بتاتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھلوایا جا رہا ہے۔اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہوتا تو اتنے سمجھدار لوگ ایسی بیوقوفی کی باتیں کیوں کرتے؟ آخر پچھلے پانچ چھ سال سے وہ اپنی زبان روکے ہوئے تھے۔اب کیا وجہ ہے کہ وہی زبان ان کی چل پڑی؟ جو زبان پہلے انہوں نے روکی ہوئی تھی وہ اب بھی روک سکتے تھے۔مگر اَب معلوم ہوتا ہے کہ خدائی منشاء تھا کہ نہ روکیں۔بلکہ وہ بولیں تا کہ ان کے الفاظ غیر ملکوں میں جا کر اُن کی ہمدردی اُن سے

چھین لیں۔ چنانچہ رات ہی کو یو۔این۔او میں فلپائن کے نمائندہ کی جو سلامتی کونسل کے صدر بھی ہیں ایک تقریر شائع ہوئی ہے اس میں انہوں نے کہا ہے کشمیر کے مسئلہ کو پنڈت نہرو صرف ہندوستان اور پاکستان کا مسئلہ نہ سمجھے۔ کشمیر کا مسئلہ صرف ہندوستان اور پاکستان کا ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کا مسئلہ ہے۔ اور چونکہ اس سے ہمارا امن بھی قائم نہیں رہتا اس لیے فلپائن الگ نہیں رہ سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی حرکت ہوئی اور کشمیر کو ہندوستان نے اپنے ساتھ ملایا تو فلپائن یہ سمجھے گا کہ یہ ہم پر حملہ ہے کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے جو کسی ایک قوم کا مسئلہ نہیں۔ اور پھر یہ تقریر اتنے اہم موقع پر انہوں نے کی۔ جب اُن سے سوال کیا گیا کہ ہنگری میں روس کی دخل اندازی اسرائیل کا معاملہ اور کشمیر کا جھگڑا یہ سب یو۔این۔او میں پیش ہیں۔ ان میں سے زیادہ اہمیت کس کو حاصل ہے؟ انہوں نے کہا ان میں سب سے زیادہ اہمیت کشمیر کے مسئلہ کو حاصل ہے کیونکہ اس کا اثر ساری دنیا پر پڑے گا۔ اور چونکہ اس کا اثر فلپائن پر بھی پڑے گا، اس لیے فلپائن اور اس کے اردگرد کے ملک کشمیر کے معاملہ میں چُپ کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔ اب لازماً دنیا کی حکومتوں کو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کریں گی تو ساری دنیا میں ایسی آگ لگے گی کہ اس کا بجھانا ان کی طاقت سے باہر ہوگا۔

غرض اللہ تعالیٰ متواتر اِن لوگوں کے مونہوں سے جو باتیں نکلوا رہا ہے ان سے پتا لگتا ہے کہ الٰہی تدبیر کام کر رہی ہے اور وہ دنیا کو دھکیل دھکیل کر کسی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ کہ اس کا آخری نتیجہ کس شکل میں نکلے گا؟ یہ ابھی غیب میں ہے۔ خوابیں ایک حد تک غیب سے پردہ اٹھاتی ہیں کُلی طور پر پردہ نہیں اٹھاتیں۔ ہاں! شاذ طور پر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وہ کُلّی طور پر غیب سے پردہ اُٹھا دیتی ہیں۔ جیسے ایک دفعہ مجھے رؤیا ہوئی تھی کہ سٹالن کو خون کی قَے آئی ہے اور معاً بعد اُسے خون کی قَے آئی۔ اور پھر مجھے یہ رؤیا ہوئی تھی کہ لیبر پارٹی انگلستان میں جیت جائے گی اور اسے ماریسن کے ماتحت ایسی فتح نصیب ہوگی کہ اسے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب انگلستان گئے اور وہاں انہوں نے مسٹر ایٹلی (Attlee) سے جو اُن دنوں لیبر پارٹی کے لیڈر تھے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا تم تو کہتے ہو کہ ہمیں بڑی شاندار فتح نصیب ہوگی لیکن جو اِس وقت پوزیشن ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم برابر بھی رہ جائیں تو سمجھیں گے بڑی بات ہے۔ لیکن اس کے بعد

لیبر پارٹی کو ایسی فتح ہوئی کہ نوے فیصدی لیبر آئے اور دس فیصدی کنزرویٹو۔ تو ایسا بھی بعض دفعہ ہوجاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں! یہ ضرور ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو رؤیا دکھائی جاتی ہے اُس کا مفہوم ضرور پورا ہوجاتا ہے۔ باقی جو تعبیریں ہوتی ہیں وہ اپنے وقت پر جاکر پوری ہوتی ہیں''۔ (الفضل 12 فروری 1957ء)

---

1: صحیح بخاری کتاب التعبیر باب اذا رَأی بَقَرًا تُنْحَرُ

2: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (المومنون:116)

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران :192)

3: صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالیٰ وَ یُحَذِّرُکُم اللّٰہ نَفْسَہٗ..''

4: یوسف:95

6

# دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ کشمیر کے مسلمانوں کو اپنے منشا کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق دے

کشمیر کے متعلق صلح کرانے کی پیشکش کرنے والے ممالک
ہرگز پاکستان کے ساتھ خیر خواہی نہیں کر رہے

(فرمودہ 8 فروری 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی نبی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے کام میں رکاوٹیں ڈالتا ہے تا کہ وہ کامیاب نہ ہو اور فساد لمبا ہوتا چلا جائے۔1 گو قرآن کریم میں نبی کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن نبی کے اتباع بھی اسی میں شامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیطان کی اصل غرض صرف نبی کی مخالفت کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں نیکی اور امن قائم نہ ہو۔ چونکہ نبیوں کے ذریعہ دنیا میں نیکی اور امن قائم ہوتا ہے اس لیے وہ نبیوں کا دشمن ہوتا ہے۔ ورنہ جو بھی نیکی اور امن کے قیام کی کوشش کرے وہ اسے بُرا لگتا ہے اور وہ اُسی کے رستہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ پچھلے دنوں سے جہاں الٰہی تدبیر اس بات کے لیے ظاہر ہو رہی ہے کہ دنیا میں امن کا قیام ہو اور صلح کی صورت پیدا ہو وہاں بعض لوگوں نے بعض دوسرے لوگوں میں ایسی تحریکیں شروع کر دی ہیں کہ جن سے وہ امن اور نیکی کے قائم ہونے میں روک بنیں۔ مثلاً پچھلے دنوں میں نے پڑھا کہ شام یہ ارادہ کر رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو یہ پیشکش کرے کہ ہم کشمیر کا فیصلہ کرا دیتے ہیں۔ اور آج میں نے پڑھا ہے کہ سیلون کے وزیراعظم بندرانائکے نے کہا ہے کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ پاکستان اور ہندوستان کو پیشکش کروں کہ کشمیر کے بارہ میں ہماری موجودگی میں اور ہمارے ذریعہ سے صلح ہو جائے۔ یہ خبریں بتاتی ہیں کہ شیطان نے لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ بیشک اِس میں ذریعہ تو آدمی ہی بنے ہیں جیسا کہ ہمیشہ سے آدمی ہی اس کا ذریعہ بنتے چلے آئے ہیں۔ شیطان خود ظاہری طور پر دنیا میں نہیں آتا بلکہ وہ ہمیشہ بعض آدمیوں کو چُن لیتا ہے۔ چنانچہ اِس وقت بھی اُس نے بعض آدمی چن لیے ہیں۔ کسی جگہ اُس نے ہندوستان کے ایمبیسیڈر کو چُن لیا ہوگا کہ وہ شام کے پریذیڈنٹ سے کہے کہ آپ کوشش کریں کہ کسی طرح ہمارے اور پاکستان کے درمیان صلح ہو جائے۔ لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اگر واقع میں ان کے دلوں میں پاکستان کی خیرخواہی ہے تو وہ نو سال تک کہاں سوئے رہے۔ 1947ء میں کشمیر کا جھگڑا کھڑا ہوا تھا اور اب 1957ء شروع ہے۔ گویا اس جھگڑے پر 9 سال گزر چکے ہیں۔ 9 سال کی خاموشی کے بعد آج صلح کی پیشکش کیوں ہو رہی ہے؟ اور پھر یہ پیشکش اُس وقت ہو رہی ہے جب یو۔ این۔ او نے کشمیر کے متعلق قدم اٹھایا ہے۔ جب یو۔ این۔ اِو نے ایسا قدم اٹھایا ہے جس کے ذریعہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو حقِ خودارادیت مل جائے تو اُسی وقت دو ممبروں نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ہم پاکستان اور ہندوستان میں صلح کرا دیتے ہیں۔ ہمارے ملک کے سیاستدانوں کو اس کے متعلق سوچنا چاہیے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ دھوکا میں نہ آ جائیں۔ ہم کوئی سیاسی جماعت نہیں صرف مذہبی لوگ ہیں لیکن چونکہ ہم بھی پاکستانی ہیں اس لیے ہمارا حق ہے کہ ہم بھی اپنی رائے ظاہر کریں۔ اگر ہماری رائے دوسرے لوگوں کی سمجھ میں آ جائے گی تو وہ اسے اختیار کر لیں گے اور اس طرح اس میں زور پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر ہماری رائے دوسرے لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی اور ہماری جماعت دعاؤں میں لگی رہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے سیاستدانوں کے دلوں میں ایسی تحریک پیدا ہو گی کہ وہ اس قسم کی چالاکیوں میں

نہیں آئیں گے۔

آخر یہ موٹی بات ہے کہ شام نیا پیدا نہیں ہوا۔ شام پاکستان کے بننے سے سینکڑوں سال پہلے سے موجود ہے۔ کم از کم اس کی حکومت پاکستان بننے سے کئی سال پہلے سے قائم شدہ ہے۔ سیلون کی حکومت بھی پاکستان بننے سے پہلے سے قائم ہے۔ لیکن کشمیر کا جھگڑا 1947ء سے چلا آرہا تھا اور یہ دونوں حکومتیں خاموش رہیں۔ اب ان کے دلوں میں یہ تحریک کیسے پیدا ہوئی کہ یہ نیک کام ہے۔ چلو! ہم کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان صلح کرا دیں۔ جب یو۔این۔او نے یہ قدم اٹھایا کہ کشمیر کا جھگڑا طے ہو اور پاکستان نے تحریک کی کہ وہ اپنی فوج بھیج کر کشمیر کے لوگوں سے ووٹ لیں اور ووٹ لے کر یہ فیصلہ کریں کہ کشمیر کے لوگ کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ آیا وہ پاکستان کی طرف جانا چاہتے ہیں یا ہندوستان کی طرف جانا چاہتے ہیں؟ تو معاً سیلون کے وزیراعظم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ چلو! ہم صلح کرا دیتے ہیں اور سیریا کے پریذیڈنٹ کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ ہم صلح کرا دیتے ہیں۔ یہ امر صاف طور پر بتاتا ہے کہ یہ تحریک کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو پاکستان کے خیر خواہ نہیں۔ ہم ان پر الزام نہیں لگاتے۔ بندرانائکے کے متعلق جہاں تک ہمارا علم ہے وہ اچھے آدمی ہیں۔ اسی طرح شکری القوتلی <u>2</u> کے متعلق جہاں تک ہمارا علم ہے وہ اچھے آدمی ہیں لیکن اچھے آدمیوں کو بھی گمراہ کرنے والے گمراہ کر لیتے ہیں۔ پھر عین اِس وقت جبکہ یو۔این۔او قدم اُٹھا رہی ہے اور جب پاکستان نے ایسی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے کہ اس کی مثال دنیا میں اَور کہیں نہیں ملتی ان ملکوں کے چوٹی کے لیڈروں کا صلح کرانے کا ارادہ کرنا پاکستان کی خیر خواہی پر دلالت نہیں کرتا۔ پنڈت نہرو تو کشمیر پر قبضہ کیے بیٹھے ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود پاکستان نے یہ نہیں کہا کہ ہم لڑائی کے ذریعہ کشمیر واپس لیتے ہیں بلکہ اس نے یہ کہا ہے کہ یو۔این۔او اپنی فوجیں کشمیر میں بھیجے اور ان فوجوں کے ذریعہ رائے شماری کرائے۔ اس رائے شماری کے نتیجہ میں کشمیر کے لوگ جس طرف جانا چاہیں جائیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کشمیر ہمیں ملے اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان کو ملے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ کشمیریوں کی اکثریت جو چاہتی ہے وہی ہو۔ تو یہ ایسی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ رائے ہے کہ سیاسی دنیا میں ایسی مثال بہت کم ملتی ہے۔ پس ہمارے سیاستدانوں کو اس بات کے متعلق خوب غور کر لینا چاہیے اور سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی دھوکا کھا جائیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہماری جماعت مذہبی جماعت ہے۔ ہمارا اِن باتوں سے اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں کہ ہم ان کے متعلق اپنا خیال ظاہر کر دیں۔ میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی جو میں نے کہہ دی ہے۔ اگر ملک کی سیاسی پارٹیوں کو نظر آئے کہ اس کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلانی چاہیے تو میں اُنہیں کہتا ہوں کہ وہ اس موقع کو ضائع نہ کریں اور گورنمنٹ کو توجہ دلائیں کہ وہ دھوکا میں نہ آئے۔ خدا تعالیٰ نے جس طرف قدم چلا دیا ہے وہ اُسی پر قائم رہے کیونکہ اس میں مستقبل کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ ہمیں ہمارے اقدام میں ناکامی ہوئی تو بعد میں ان حکومتوں کی امداد پر غور کر لیا جائے گا۔ لیکن جب تک یو۔این۔او کوئی فیصلہ نہیں کر لیتی ہمیں اپنی موجودہ کوشش میں لگے رہنا چاہیے۔ اگر ہمیں ناکامی ہوئی اور پھر یہ حکومتیں صلح کرانے کے لیے آ گے آئیں تو ہم سمجھیں گے کہ ان کے دلوں میں ہماری خیرخواہی تھی اور ہمیں یقین ہو جائے گا کہ یہ حق پر ہیں۔ لیکن اِس وقت جبکہ یو۔این۔او فیصلہ کر رہی ہے ان قوموں کا صلح کرانے کا ارادہ ظاہر کرنا صاف بتاتا ہے کہ ان کا مقصود صلح کرانا نہیں بلکہ درحقیقت ان کا مقصود پاکستان کو گرانا ہے۔ باقی جہاں تک ہماری جماعت کا تعلق ہے میں یہی کہتا ہوں کہ ہماری کوشش اور سعی صرف دعاؤں تک ہی محدود ہے۔ ہمارے ملک کی ایک بڑی لطیف مثال ہے کہ مُلّاں دی دَوڑ مسیتے۔ یعنی مُلّاں کو اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ دوڑ کر مسجد میں گُھس جاتا ہے۔ یہ بات بڑی سچی ہے۔ مسجد سے زیادہ امن اَور کہاں ہوگا؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد اقصیٰ کے متعلق الہام ہوا کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا 3 اور قرآن کریم میں خانہ کعبہ کے متعلق بھی یہی آتا ہے کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا 4 بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ساری مساجد ہی امن والی ہوتی ہیں۔ پس یہ بالکل سچی بات ہے جو اس مثال میں بیان کی گئی ہے لیکن ''مُلّاں'' کی جگہ ''مومن'' کے الفاظ رکھ لینے چاہییں۔ یعنی مصیبت کے وقت ہر مومن کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے اور اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ دعائیں کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ کیونکہ وہ دعائیں سنتا اور انہیں قبول کرتا ہے۔

پس ہماری جماعت کے دوستوں کو دعائیں کرنی چاہییں کہ کشمیر کے قریباً نصف کروڑ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے منشا کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق دے۔ اور ایسے سامان پیدا کرے کہ یہ لوگ جبری غلامی میں نہ رہیں بلکہ اپنی مرضی سے جس ملک کے ساتھ

چاہیں مل جائیں۔ اور اگر کوئی تحریک اس بات میں روک بنتی ہو تو خدا تعالیٰ اسے کامیاب نہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمارے اہلِ مملکت کو بھی ایسی سمجھ عطا فرمائے کہ وہ وقت پر ہوشیار ہو جائیں اور دیکھیں کہ کون شخص انہیں سیدھے رستہ سے ہٹا رہا ہے۔ اور ہمیشہ وہ طریق اختیار کریں جو پاکستان کی عزت اور سرفرازی کا بھی موجب ہو اور کشمیر کی عزت اور سرفرازی کا بھی موجب ہو۔ ہم کسی کے بدخواہ نہیں۔ ہم ہندوستان کے لیے بھی بددُعا نہیں کرتے۔ ہاں پاکستان اور کشمیر کے لیے دعائیں ضرور کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کا سر اونچا کرے۔ اگر کوئی شخص پاکستان کے سر اونچا ہونے میں یا کشمیر کے سر اونچا ہونے میں اپنی ذلّت اور اپنا ناک کٹتا دیکھتا ہے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے ورنہ ہم کسی کے خلاف بددعا نہیں کرتے۔ ہم تو اپنے خیرخواہوں اور دوستوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کا سر اونچا کرے اور اپنے ملک کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر اونچا کرے۔ کشمیری بھی ہمارے بھائی ہیں اور چونکہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس لیے کشمیر بھی ہمیں بہت پیارا ہے۔ پھر کشمیر ہمیں اس لیے بھی پیارا ہے کہ وہاں قریباً اَسّی ہزار احمدی ہیں۔ اور بعض ایسے علاقے جن کی رائے کے مطابق کشمیر یا ہندوستان میں جا سکتا ہے یا پاکستان میں جا سکتا ہے ان میں احمدیوں کی اکثریت ہے۔ پس اِن دونوں وجوہ سے یعنی اس لحاظ سے بھی کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ جس علاقہ کے ووٹ کشمیر کے ہندوستان یا پاکستان میں جانے کے متعلق فیصلہ کریں گے وہاں احمدیوں کی اکثریت ہے ہمیں کشمیر بہت پیارا ہے۔ اگر وہ علاقہ یہ فیصلہ کر دے کہ ہم پاکستان کی طرف جانا چاہتے ہیں تو کشمیر اور ہندوستان کا تعلق کٹ جاتا ہے کیونکہ وہی علاقہ کشمیر اور ہندوستان کو آپس میں ملاتا ہے۔

پس ہمیں دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کشمیری بھائیوں کی مدد کرے۔ آخر کشمیر وہ ہے جس میں مسیح اوّل دفن ہیں اور مسیحِ ثانی کی بڑی بھاری جماعت وہاں موجود ہے۔ گویا دونوں مسیحوں کا وہاں قبضہ ہے۔ پہلے مسیحؑ کا جسم وہاں دفن ہے اور دوسرے مسیح کی روح وہاں دفن ہے یعنی احمدی وہاں رہتے ہیں۔ پس کشمیر دونوں مسیحوں کا ہے۔ پہلے مسیحؑ کا اس طرح کہ اس کا جسم وہاں دفن ہے۔ وہ مسیح اب عیسائیوں کا تو رہا نہیں کیونکہ عیسائیوں نے تو اسے خدا بنا لیا ہے اور اگر اس کا جسم وہاں دفن ہے تو وہ انسان ہے خدا نہیں۔ پس پہلے مسیحؑ کے لحاظ سے لو تو، اور دوسرے مسیحؑ کے لحاظ سے لو تو کشمیر مسلمانوں کا بنتا ہے۔ وہ نہ عیسائیوں کا بنتا ہے اور نہ ہندوؤں کا بنتا ہے کیونکہ مسیح اول نہ ہندو

تھے اور نہ عیسائی تھے اور مسیحؑ ثانی بھی نہ ہندو تھے اور نہ عیسائی تھے بلکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور اسلام کی عزت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث کیا تھا۔ پس جس ملک میں دو مسیحوںؑ کا دخل ہے وہ ملک بہر حال مسلمانوں کا ہے اور مسلمانوں کو ہی ملنا چاہیے۔ اس لیے ہمیں دعائیں کرتے رہنا چاہیے۔

دیکھو! اس میں ہماری کتنی ذلّت ہے کہ مسیحؑ اوّل جس کو ہم خدا تعالیٰ کا ایک نبی مانتے ہیں اُس کا مقدس روضہ ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ پھر اس میں بھی ہماری کتنی ذلّت ہے کہ مسیحؑ ثانی جس کو ہم اسلام کا سچا خادم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلام سمجھتے ہیں اور اِس زمانہ کا مصلح سمجھتے ہیں اُس کی جماعت کی بڑی تعداد جو اپنے ملک میں اہم پوزیشن رکھتی ہے ہندوؤں کی طرف چلی جائے۔ کشمیر کی ساری آبادی جموں کو ملا کر چالیس لاکھ کی ہے۔ صرف کشمیر کی آبادی بائیس لاکھ کی ہے۔ ممکن ہے اب فرق ہو گیا ہو۔ اِس بائیس لاکھ میں سے اگر اَسّی ہزار احمدی ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ قریباً 1/22 فیصدی احمدی ہیں اور اتنی بڑی اکثریت احمدیوں کی اَور کسی ملک میں نہیں۔ پس اَسّی ہزار بھائیوں کا حقِ خود ارادیت سے محروم ہو جانا بہت بڑے صدمہ کی بات ہے۔ ہمیں ہر وقت خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے مستقبل کے متعلق خود فیصلہ کرنے کی توفیق بخشے۔ اور جس طرح کہتے ہیں ''جہاں کی مٹی تھی وہیں آ لگی'' وہ جہاں کی مٹی ہیں وہیں آ لگیں اور ان کے رستہ میں کوئی منصوبہ اور کوئی سازش روک نہ بنے''۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

''نماز جمعہ کے بعد میں بعض جنازے پڑھاؤں گا۔ ایک جنازہ توبی صاحبہ چاہ بھاگو والا ضلع ملتان کا ہے۔ اطلاع دینے والے نے لکھا ہے کہ مرحومہ نیک سیرت اور مخلص خاتون تھیں۔

دوسرا جنازہ والدہ صاحبہ شیخ عبدالحق صاحب ایگزیکٹو انجنیئر کراچی کا ہے۔ مرحومہ صحابیہ اور موصیہ تھیں۔

تیسرا جنازہ حکیم عبدالرحمان صاحب تاندلیانوالہ کا ہے جو فضل دین صاحب عرف عبداللہ کے لڑکے تھے۔ فضل دین صاحب لنگرخانہ قادیان میں باورچی تھے اور اس سے پہلے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائی تھے۔

میں یہ سب جنازے پڑھاؤں گا۔ دوست میرے ساتھ نماز جنازہ میں شریک ہوں''۔

(الفضل 23 فروری 1957ء)

---

1: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (الحج:53)

2: **شکری القوتلی**:(SHUKRI AL-QUWATLI)(1891ء-1967ء) شام کے پہلے صدر تھے۔ آپ شام کی جدوجہد آزادی میں شامل اہم شخصیات میں سے تھے۔(وکی پیڈیا آزاد دائرہ معارف زیر عنوان ''شکری القوتلی'')

3: تذکرۃ صفحہ 426۔ الہام 9/اپریل 1904ء ایڈیشن چہارم 2004ء

4: آل عمران:98

7

# اپنے فرض کی اہمیت کو محسوس کرو
# تا تم اللہ تعالیٰ کی برکتیں حاصل کر سکو

تمہارے قلوب میں لوگوں کی اتنی ہمدردی ہونی چاہیے کہ ہر شخص تمہیں اپنا سچا خیر خواہ سمجھے

(فرمودہ 15 فروری 1957ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''مکہ مکرمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے گئے تھے جن سے صرف نسلی ترقی کے ذریعہ دو ہزار سال کے عرصہ میں تین لاکھ افراد عرب میں پھیل گئے تھے۔ ہمارے احمدی جو یہاں سندھ میں رہائش رکھتے ہیں وہ ساری اسٹیٹوں وغیرہ کو ملا کر اِس وقت دس ہزار کے قریب ہیں اور ہمیں یہاں آئے ہوئے قریباً پچاس سال ہو گئے ہیں۔ اگر دو ہزار سال کے عرصہ کو تقسیم کر کے دیکھا جائے اور اس میں سے اُتنی کمی کر دی جائے جتنے عرصہ میں ان کی تعداد ہماری تعداد کے قریب پہنچی تھی تو معلوم ہوتا ہے کہ سو سال میں وہ پندرہ ہزار اور قریباً 67 سال میں دس ہزار ہوئے تھے اور اُن کی یہ ترقی صرف نسل کے ذریعہ ہوئی تھی لیکن ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے اور مذہبی جماعتیں

صرف نسلی طور پر ہی نہیں بڑھتیں بلکہ تبلیغ سے بھی بڑھتی ہیں۔ چونکہ اِس وقت ہمارے یہاں دس ہزار آدمی ہیں اس لیے اگر دس ہزار آدمی ایک ایک آدمی کو بھی سلسلہ میں داخل کرے تو اگلے سال ان کی تعداد بیس ہزار ہو جائے گی۔ اُس سے اگلے سال چالیس ہزار ہو جائے گی۔ اُس سے اگلے سال اَسّی ہزار ہو جائے گی اور اس طرح دس سال میں پینتیس لاکھ بیس ہزار تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی جو سندھ کی آدھی آبادی ہے اور یہ ترقی صرف تبلیغ کے ذریعہ ہوگی۔ نسل کے ذریعہ ان کی جو ترقی ہوگی وہ اس سے علیحدہ ہوگی۔ اور اگر ہر احمدی ایک ایک نہیں بلکہ دو دو آدمیوں کو سلسلہ میں داخل کرے تو ان کی تعداد دس ہزار سے تیس ہزار ہو جائے گی، دوسرے سال نوے ہزار ہو جائے گی، تیسرے سال دو لاکھ ستّر ہزار ہو جائے گی، چوتھے سال آٹھ لاکھ دس ہزار ہو جائے گی، پانچویں سال چوبیس لاکھ تیس ہزار ہو جائے گی، چھٹے سال بہتّر لاکھ نوے ہزار ہو جائے گی اور ساتویں سال دو کروڑ اٹھارہ لاکھ ستّر ہزار ہو جائے گی جو سندھ کی آبادی سے تین گُنا سے بھی زیادہ ہے۔ اگر گزشتہ سالوں میں بھی جماعت کے تمام دوست اِس رنگ میں اپنی کوشش جاری رکھتے اور ہر سال دو دو افراد کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کرتے تو سارے سندھ میں اس وقت احمدی ہی احمدی ہوتے۔ بلکہ اگر وہ ہر سال صرف ایک ایک احمدی کرتے تب بھی ان کی تعداد گزشتہ سالوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے اِتنی بڑھ جاتی کہ صرف سندھ ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کی آبادی کے برابر ان کی تعداد پہنچ جاتی۔

درحقیقت اپنے آپ کو دُگنا کرتے چلے جانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے مشہور ہے کہ جس شخص نے شطرنج کی کھیل ایجاد کی تھی اُس نے یہ کھیل بادشاہ کو بھی دکھائی۔ بادشاہ کو یہ کھیل بڑی پسند آئی اور اس نے کہا کہ تم نسخہ بیچ ڈالو اور دس ہزار روپیہ انعام کے طور پر لے لو۔ وہ اچھا حساب دان آدمی تھا کہنے لگا حضور! میں دس ہزار روپیہ لینے کے لیے تیار نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کے ایک خانہ میں ایک کوڑی رکھوائیں، دوسرے خانہ میں دو کوڑیاں رکھوائیں، تیسرے خانہ میں چار کوڑیاں رکھوائیں، چوتھے خانہ میں آٹھ کوڑیاں رکھوائیں، پانچویں خانہ میں سولہ کوڑیاں رکھوائیں اور اس طرح آخر تک دُگنا کرتے چلے جائیں اور پھر جو کچھ بنے مجھے انعام کے طور پر دے دیں۔ شطرنج کے کُل چونسٹھ خانے ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا میں نے تو سمجھا تھا کہ تم بڑے عقل مند ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم جاہل آدمی ہو کہ دس ہزار روپیہ لینے کی بجائے مجھ سے کوڑیاں مانگتے ہو۔ وہ کہنے لگا حضور! مجھے تو یہی چاہیے۔

اس نے وزیرِ خزانہ کو بلایا اور کہا کہ کوڑیوں سے شروع کرو اور ہر اگلے خانہ میں دگنی کوڑیاں رکھتے جاؤ اور پھر جتنی رقم بنے وہ اسے انعام کے طور پر دے دو۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد ہی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا حضور! ہمارا سارا خزانہ ختم ہو گیا ہے اور ابھی اس کے کئی خانے خالی پڑے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو پہلے خانہ میں اس نے ایک کوڑی رکھی، دوسرے خانہ میں دو کوڑیاں ہوئیں، تیسرے خانہ میں چار کوڑیاں، چوتھے خانہ میں آٹھ کوڑیاں، پانچویں خانہ میں سولہ کوڑیاں، چھٹے خانہ میں بتّیس کوڑیاں، ساتویں خانہ میں چونسٹھ کوڑیاں۔ پرانے زمانہ میں چار پیسے کا ایک گنڈہ آیا کرتا تھا جس میں چونسٹھ کوڑیاں ہوتی تھیں۔ اس لیے ساتویں خانہ میں ہم ایک آنہ رکھ لیتے ہیں۔ اب آٹھویں خانہ میں دو آنے ہوئے، نویں خانہ میں چار آنے ہوئے، دسویں خانہ میں آٹھ آنے، گیارھویں میں ایک روپیہ، بارھویں خانہ میں دو روپے، تیرھویں خانہ میں چار روپے، چودھویں خانہ میں آٹھ روپے، پندرھویں خانہ میں سولہ روپے، سولہویں خانہ میں بتّیس روپے، سترہویں خانہ میں چونسٹھ روپے، اٹھارہویں خانہ میں ایک سو اٹھائیس روپے، انیسویں خانہ میں دو سو چھپن روپے، بیسویں خانہ میں پانچ سو بارہ روپے، اکیسویں خانہ میں ایک ہزار چوبیس روپے، بائیسویں خانہ میں دو ہزار اڑتالیس روپے، تیئسویں خانہ میں چار ہزار چھیانوے روپے، چوبیسویں خانہ میں آٹھ ہزار ایک سو بانوے روپے، پچیسویں خانہ میں سولہ ہزار تین سو چوراسی روپے، چھبیسویں خانہ میں بتّیس ہزار سات سو اَڑسٹھ روپے، ستائیسویں خانہ میں پینسٹھ ہزار پانچ سو چھتّیس روپے، اٹھائیسویں خانہ میں ایک لاکھ اکتیس ہزار بہتّر روپے، انتیسویں خانہ میں دو لاکھ باسٹھ ہزار ایک سو چوالیس روپے، تیسویں خانہ میں پانچ لاکھ چوبیس ہزار دو سا اٹھاسی روپے، اکتیسویں خانہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتّر روپے، بتیسویں خانہ میں بیس لاکھ ستانوے ہزار ایک سو باون روپے، تینتیسویں خانہ میں اکتالیس لاکھ چورانوے ہزار تین سو چار روپے، چونتیسویں خانہ میں تراسی لاکھ اٹھاسی ہزار چھ سو آٹھ روپے، پینتیسویں خانہ میں ایک کروڑ ستاسٹھ لاکھ ستتّر ہزار دو سو سولہ روپے، چھتیسویں خانہ میں تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتّیس روپے، سینتیسویں خانہ میں چھ کروڑ اکہتّر لاکھ آٹھ ہزار آٹھ سو چونسٹھ روپے، اُڑتیسویں خانہ میں تیرہ کروڑ بیالیس لاکھ سترہ ہزار سات سو اٹھائیس روپے، انتالیسویں خانہ میں چھبیس کروڑ چوراسی لاکھ پینتیس ہزار چار سو چھپّن روپے، چالیسویں خانہ میں ترپّن کروڑ اڑسٹھ لاکھ ستّر ہزار نو سو بارہ روپے اور اکتالیسویں

خانہ میں ایک ارب سات کروڑ سینتیس لاکھ اکتالیس ہزار آٹھ سو چوبیس روپے اور ابھی تیئیس خانے باقی رہتے ہیں۔ ہم نے ایک دفعہ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ چونسٹھویں خانہ میں نو پدم اکہتّر کھرب ننانوے ارب تک رقم پہنچ جاتی ہے اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ امریکہ جو بڑا دولتمند ملک ہے وہ بھی اتنا روپیہ ادا نہیں کر سکتا۔

تو اگر ہر احمدی کوشش کرتا اور سال بھر میں ایک ایک شخص کو ہی احمدی بنانے کی کوشش کرتا تو چند سال کے اندر اندر سارا سندھ احمدی ہو جاتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ دوستوں کے اندر وہ تڑپ نہیں پائی جاتی جو ان کے اندر پائی جانی چاہیے۔ بے شک نسلی بڑھوتی بھی ایک قابلِ قدر چیز ہے اور اس کے ذریعہ بھی قومیں دنیا میں ترقی کیا کرتی ہیں۔ مگر وہ ترقی اس طرح نہیں ہوتی جس طرح تبلیغ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ نسلی ترقی کے لیے کہیں بیس سال میں لڑکا جوان ہوگا اور اُس کی شادی ہوگی اور پھر اُس کے ہاں اولاد پیدا ہوگی لیکن روحانی بڑھوتی کے لیے بیس سال کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر سال بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آپ لوگوں کے ہاں اگر ہر سال بھی ایک ایک بچہ پیدا ہو تب بھی وہ آگے بچہ رہنے کے قابل تب ہوگا جب کم سے کم پندرہ سال کا ہوگا۔ اور پھر اُس کا بچہ تب بچہ پیدا کر سکے گا جب وہ بھی پندرہ سال کی عمر کو پہنچے گا۔ گویا تیس سال میں نسلی طور پر ایک سے تین بنتے ہیں۔ لیکن اگر ہر شخص ایک ایک دو دو احمدی بناتا چلا جائے تو تیس سال میں سارے سندھ اور سارے مغربی پاکستان کے برابر احمدی ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ جو احساس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پایا جاتا تھا کہ انہیں ایک وادیٔ غیرِ ذِی زَرع میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ذکر کریں اور اُس کے خانہ کعبہ کی خدمت بجا لائیں وہ احساس ہماری جماعت کے دوستوں میں نظر نہیں آتا۔ بے شک ہم اِس علاقہ کو وادیٔ غیرِ ذِی زَرع نہیں کہہ سکتے کیونکہ زراعت کے لحاظ سے یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے لیکن اِسے غیر آباد ضرور کہہ سکتے ہیں۔ وادیٔ غیرِ ذِی زَرع مکہ کی وادی تھی جہاں گھانس کی ایک پتی تک بھی نہیں ہوتی تھی مگر اِس کے باوجود نسلِ اسماعیلؑ نے اپنے فرض کو سمجھا اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ تک اُن کی تین لاکھ تعداد ہو گئی اور اب تیرہ سو سال میں وہاں کی آبادی ایک کروڑ تک پہنچ چکی ہے بلکہ شاید کچھ زیادہ ہی ہو۔ تو نسلی لحاظ سے بھی بے شک ترقی ہوتی ہے لیکن جو ترقی مذہبی اور روحانی رنگ میں ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد صرف نسلی لحاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تین لاکھ تک پہنچی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو روحانی نسل چلی اس کی تعداد آج ایک ارب سے بھی زیادہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بھی تبلیغ پر زور دیتی اور ہر شخص ایک سے دو اور دو سے چار ہونے کی کوشش کرتا تو ساری دنیا پر آج مسلمان ہی مسلمان ہوتے اور ہر لحاظ سے انہیں غلبہ و اقتدار حاصل ہوتا۔ تم بھی اگر صحیح طریق پر کام کرو گے اور تبلیغ کو وسیع کرتے چلے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بڑھوتی بخشے گا اور تمہیں ترقی عطا کرے گا لیکن اگر غفلت سے کام لو گے تو تم وہ برکتیں حاصل نہیں کرسکو گے جو سچے خدمت گزاروں کو حاصل ہوا کرتی ہیں۔ خدا کے لیے اپنے رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کو چھوڑ دینا کوئی معمولی قربانی نہیں ہوتی۔ اِسی طرح خواہ کوئی ایک آنہ فی روپیہ چندہ دے رہا ہو تب بھی یہ ایک بڑی قربانی ہے۔ گاندھی جی نے ایک دفعہ حساب لگا کر بتایا تھا کہ ہندوستان میں ایک فرد کی فی سال صرف چھ پیسے آمد ہے لیکن ہماری جماعت کو اگر تم دس لاکھ سمجھ لو تب بھی بارہ لاکھ روپیہ سالانہ تو صرف صدر انجمن احمدیہ کا چندہ ہوتا ہے اور تحریک جدید کا چندہ ملا کر سترہ اٹھارہ لاکھ روپیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ بجائے چھ پیسے کے ہر احمدی ڈیڑھ روپیہ سے پونے دو روپیہ تک دے رہا ہے۔ گویا جماعت میں داخل ہو کر انہیں رشتہ داروں کو بھی چھوڑنا پڑا اور مالی لحاظ سے بھی بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ اگر ان قربانیوں کے باوجود کوئی شخص سُستی سے کام لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کرتا تو اس سے زیادہ بدقسمت اَور کون ہوسکتا ہے۔ اس کو تو چاہیے کہ وہ ایسے طور پر اپنی زندگی بسر کرے اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت میں اس سرگرمی اور جوش سے حصہ لے کہ وہ سمجھے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو میری زندگی میں کوئی مزا نہیں رہے گا۔

1935ء میں ہم نے یہاں زمینیں خریدی تھیں اور اب 1956ء گزر چکا ہے۔ گویا ہمیں یہاں آئے ہوئے اکیس سال ہو چکے ہیں اور بعض اس سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ چنانچہ بعض صحابی ایسے ہیں جو اڑتالیس اڑتالیس سال سے یہاں رہائش رکھتے ہیں۔ اگر وہ سارے کے سارے اپنے فرض کو ادا کرتے تو اَب تک سندھ میں ہماری جماعت کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہوتی۔ اور اگر ہر سال پہلے سال سے دُگنا ہونے کی کوشش کرتے تو اکیس سالوں میں وہ کئی ارب تک پہنچ جاتے۔ پس دوستوں کو اپنے اس فرض کی اہمیت کا احساس کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد

کیا گیا ہے اور اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کو جنہیں حق بات پہنچانا کسی فساد اور لڑائی کا موجب نہیں ہوسکتا حق پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آخر ہر رشتہ دار کا اپنے رشتہ دار پر اور ہر دوست کا اپنے دوست پر اور ہر بھائی کا اپنے بھائی پر حق ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہوسکتی جو یہ کہے کہ میرا خاوند خواہ جہنم میں چلا جائے مجھے اُس کی کوئی پروا نہیں اور نہ کوئی خاوند ایسا ہوسکتا ہے جو کہے کہ خواہ میری بیوی جہنم میں چلی جائے مجھے اس کی پروا نہیں۔ پس خاوند کا اپنی بیوی کو یا بیوی کا اپنے خاوند کو حق بات پہنچانا تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اپنے فرض کو ادا کرنا ہے۔ اِسی طرح بھائی کا اپنے بھائی کو حق پہنچانا تبلیغ نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ بھائی کا اپنے بھائی کو حق پہنچانا اس کا فرض ہے۔ اِسی طرح دوست کا اپنے دوست کو حق پہنچانا تبلیغ نہیں بلکہ اُس کا فرض ہے اور اگر وہ اپنے اِس فرض کو ادا نہیں کرتا تو وہ دوست نہیں بلکہ دشمن سمجھا جائے گا اور اُس کا دوست بھی اُسے اپنا خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ قرار دے گا کہ اُس نے اُسے سچائی سے محروم رکھا۔ اگر اِس رنگ میں ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو اور ہر دوست اپنے دوست کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے حق پہنچائے تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہوسکتا جس کے چار چار، پانچ پانچ دوست نہ ہوں اور پھر اُن دوستوں کے آگے چار چار، پانچ پانچ دوست نہ ہوں۔ اگر ایک شخص اپنے دوستوں کے پاس جاتا اور انہیں صداقت سے آگاہ کرتا ہے اور وہ اس صداقت کو آگے اپنے دوستوں تک پہنچاتے ہیں تو تھوڑے دنوں میں ہی احمدیت کی آواز لاکھوں افراد تک پہنچ سکتی ہے۔

دنیا میں عام طور پر انسان دوسروں کے حالات کا اندازہ اپنے حالات سے کیا کرتا ہے اور جس حالت میں وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اُسی حالت میں وہ ساری دنیا کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ کوئی نائی تھا جسے کسی امیر آدمی نے خوش ہو کر دو ہزار اشرفی انعام دے دی۔ وہ مہینہ بھر میں مشکل سے آٹھ دس روپے کمایا کرتا تھا۔ اسے یکدم جو تیس ہزار روپیہ مل گیا تو اُس کا دماغ خراب ہو گیا۔ وہ جہاں بھی جاتا تھیلی اپنے ساتھ لیے پھرتا۔ چونکہ امیروں کا نائی تھا اُسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ کوئی اُسے اُٹھا لے گا اس لیے وہ بے دھڑک اُسے اپنے ساتھ رکھتا۔ اور جب لوگ اس سے پوچھتے کہ بتاؤ شہر کا کیا حال ہے؟ تو کہتا حضور! کوئی کمبخت ایسا نہیں ہوگا جس کے پاس تیس ہزار روپیہ بھی نہ ہو۔ ایک دن انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے مذاق کے طور پر اُس کی تھیلی اُٹھا لی۔ تھیلی کے گم ہو جانے سے

اُس کا بُرا حال ہو گیا اور بھوکا مرنے لگا۔ ایک دن وہ کسی امیر کی حجامت بنانے لگا تو اس نے پوچھا بتاؤ! شہر کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا حضور! شہر کا کیا پوچھتے ہیں؟ سب بھوکے مرتے ہیں۔ اس پر جس شخص نے تھیلی چھپائی تھی اس نے تھیلی لا کر اس کے سامنے رکھ دی اور کہا تم سارے شہر کو بھوکا نہ مارو اپنی تھیلی واپس لے لو۔

تو حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اوپر ہی دوسرے کا قیاس کیا کرتا ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنے دوستوں پر حُسنِ ظنی ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ ان دوستوں کے بھی آگے ایسے دوست ہو سکتے ہیں جن پر انہیں حُسنِ ظنی ہو۔ اور اگر اس کے چار پانچ مخلص دوست ہیں تو اُن کے بھی چار چار، پانچ پانچ مخلص دوست ہو سکتے ہیں۔ اگر اِس ذریعہ کو ہی اختیار کر لیا جائے اور ہر شخص اپنے پانچ دوستوں تک حق پہنچائے اور ان پانچ دوستوں میں سے ہر شخص اپنے پانچ پانچ دوستوں کے پاس جائے اور انہیں صداقت سے روشناس کرے اور پھر وہ پچیس آدمی آگے اَور پانچ پانچ دوستوں کا انتخاب کریں اور انہیں سچائی سے آگاہ کریں تو ایک آدمی صرف تین واسطوں میں سَوا سَو آدمیوں تک اپنے خیالات پہنچا سکتا ہے۔ ہمارا اِس وقت یہاں دس ہزار آدمی ہے۔ اگر دس ہزار آدمی اِسی طریق پر کوشش کرے تو سال بھر میں یہاں کی جماعت ساڑھے بارہ لاکھ تک پہنچ سکتی ہے اور اس سے اگلے سال ساڑھے بارہ کروڑ بن سکتی ہے۔ مگر یہ طریق اِسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب تمہارے دل میں لوگوں کی اتنی ہمدردی ہو کہ ہر شخص جو تمہارے محلّہ کا یا تمہارے علاقہ کا یا تمہاری تحصیل کا یا تمہارے ضلع کا ہو وہ تمہیں اپنا دوست اور یارِ غار سمجھے۔ اور اُس کا دل اِس یقین سے پُر ہو کہ تم اس کے سچے خیر خواہ ہو۔ اگر تم اس کے دل میں یہ یقین پیدا کر دو تو حق پہنچانے پر کسی لڑائی جھگڑے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ خود تمہارے پاس آئے گا اور کہے گا کہ مجھے اپنے سلسلہ کے حالات بتاؤ۔ اور تمہارا اُسے سلسلہ کے حالات بتانا اسے تبلیغ کرنا نہیں ہوگا بلکہ اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ بلکہ اگر تم اُسے حق نہیں پہنچاؤ گے تو وہ تم پر ناراض ہوگا کہ تم میرے اچھے دوست ہو کہ مجھے حق بھی نہیں پہنچاتے اور اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے ہو۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ تبلیغ سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی نہیں جو یہ کہے کہ حق ادا کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر تم نے کسی کے سو روپے دینے ہوں اور تم وہ روپے دینے

کے لیے اُس کے پاس جاؤ تو کیا یہ فساد سمجھا جائے گا یا اسے حق کا ادا کرنا قرار دیا جائے؟ اِسی طرح اگر دوسرا شخص تمہارا سچا دوست ہے اور وہ حق کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ تم سے لڑائی کرے وہ تمہارا ممنون ہوگا کہ تم نے اسے حق پہنچایا۔ جس طرح وہ شخص جس کے تم نے سَو روپے دینے ہوں جب تم اُس کے سَو روپے ادا کرنے کے لیے اُس کے پاس جاؤ تو وہ تمہارا ممنون ہوتا ہے۔ پس صحیح طور پر اپنی ذمہ داری ادا کرو اور اپنی تعداد کو بڑھانے کی کوشش کرو۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جب پہلے پہل یہاں ہمارے دوست آئے تو اُس وقت وہ صرف تین چار سَو تھے مگر اَب میر پور خاص تک ان کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ اور اگر وہ ہمت کریں تو اگلے چند سالوں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنے حق ادا کرنے اور اپنے فرائض کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ (الفضل 26 فروری 1957ء)

8

# قرآنی دعائیں اپنے اندر بڑی بھاری برکات رکھتی ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو

اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور سمجھ لو کہ تمہیں جو بھی برکت اور کامیابی حاصل ہوئی ہے
خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوئی ہے

(فرمودہ 15 مارچ 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔1

اس کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم کی تمام دعائیں اپنے اندر بڑی بھاری حکمتیں رکھتی ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس اجازت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر کہ انسان اپنی ضرورتوں کو اپنی زبان میں اور اپنے طور پر بھی خدا تعالیٰ سے مانگ سکتا ہے قرآن کریم کی دعاؤں سے غافل ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کریم کی دعائیں خواہ ہماری وقتی ضرورتوں کو بعض اوقات پورا نہیں کر سکتیں (گو یہ بھی پوری طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا)۔

لیکن ان کی برکت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً ایک شخص ملازم ہے وہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! میری ترقی ہو جائے۔ یا اللہ! میری ترقی کی راہ میں جو دشمن روک بنے ہوئے ہیں اُن کو تُو ناکام کر دے۔ یا اللہ! میرے بیٹا نہیں ہوتا تُو مجھے بیٹا عطا فرما۔ میری شادی نہیں ہوتی تُو میرے لیے شادی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ میری تجارت گھاٹے میں ہے اس میں ترقی دے دے۔ تو ایسی وقتی ضرورتیں بے شک آتی رہتی ہیں لیکن جو دائمی ضرورتیں ہیں جن کا کسی خاص انسان سے تعلق نہیں بلکہ اُس کی آئندہ نسلوں سے بھی تعلق نہیں وہ قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی جو دعا میں نے اِس وقت پڑھی ہے اُس میں بھی انسان کی دائمی ضرورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اگر ہدایت مل گئی تو آئندہ ہمارے گمراہ ہونے کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہماری اولاد کے گمراہ ہونے کی کوئی صورت ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ انسانی دماغ اِس قسم کا ہے کہ وہ مختلف حالات میں ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ کبھی وہ اخلاص میں ترقی کر جاتا ہے اور کبھی وہ اتنا گر جاتا ہے کہ حیرت آتی ہے کہ کسی زمانہ میں یہ شخص ایسے دعوے کرتا تھا اور اب یہ اتنا کمزور ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتبِ وحی کی مثال ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا مقرب ہو گیا تھا کہ آپؐ اس سے اپنی وحی لکھوایا کرتے تھے۔ لیکن ایک موقع پر قرآن کریم کی عبارت کے ساتھ جو اُس کو القا ہوا اور اُس کی زبان سے کچھ فقرے نکل گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی لکھ لو یہی وحی ہے تو وہ مرتد ہو گیا<u>2</u> اور اُس نے سمجھ لیا کہ آپ نے میرے لکھانے سے ہی وحی لکھ دی ہے، ضرور یہ انسانی کلام ہے۔ اُس نے یہ نہ سمجھا کہ زبان پر جو فقرہ جاری ہوا تھا وہ قرآن کریم کی وجہ سے ہوا تھا۔ قرآنی عبارت ایسی ہے کہ وہ اگلے فقرے آپ ہی آپ انسان کے منہ سے نکلوا دیتی ہے۔ شاعروں کو دیکھ لو کہ داد دینے والے بعض دفعہ ایسی اچھی داد دیتے ہیں کہ شاعر نے ابھی آدھا مصرعہ پڑھا ہوتا ہے کہ وہ اگلا آدھا مصرعہ خود پڑھ دیتے ہیں۔ اب اگر شعر کی وجہ سے کوئی انسان مصرعہ کا اگلا حصہ پڑھ سکتا ہے تو قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کا کلام ہے اس کی وجہ سے کیوں کوئی انسان اگلا فقرہ نہیں پڑھ سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی نے بھی قرآنی عبارت سے متأثر ہو کر اگلا فقرہ پڑھ دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وحی ہے اسے لکھ لو۔ اِس پر اُس نے خیال کر لیا کہ قرآن کریم انسانی کلام ہے الٰہی کلام نہیں اور وہ مرتد ہو گیا۔

اب دیکھو! یہ شخص ایک زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا مقرب تھا کہ آپؐ اس سے وحی لکھوایا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں وہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور قرآن کریم کا منکر ہو گیا۔ جب اتنے پایہ کا آدمی مرتد ہوسکتا ہے تو دوسرے انسان کا کیا اعتبار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو صحابہؓ تھے اُن پر آپؐ کتنا اعتماد کرتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی اُن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ 3 کہا ہے۔ مگر اُن کی اولاد اور اُن کے شاگرد آجکل دنیا میں موجود ہیں۔ ان کے ہاتھ میں اسلام کا کتنا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اسلام کا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ اگر ان کی اولاد اخلاص کے ساتھ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ پڑھتی رہتی اور اِس بات پر مغرور نہ ہوتی کہ ہم کسی صحابی، کسی بزرگ کی اولاد ہیں اور ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تو شاید اُن کی دعاؤں کی وجہ سے خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی ہدایت آج تک موجود رہتی اور اب بھی ہم اس سے فائدہ اٹھاتے۔ مگر اس تیرہ سَو سال کے عرصہ میں کئی نسلیں ایسی آئیں جو مغرور ہو گئیں۔ جنہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ ہم ایسے پایہ کے لوگ ہیں کہ ہمارے پاس گمراہی نہیں آسکتی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ شیطان ہر وقت تاڑ میں رہتا ہے۔ اور کبھی دائیں سے کبھی بائیں سے کبھی آگے سے اور کبھی پیچھے سے انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اِسی غفلت کی وجہ سے لوگ رہ گئے اور اِن کی اولادیں بھی ماری گئیں۔ اگر وہ ہوشیار رہتے اور شیطان کی چالاکیوں سے باخبر رہتے تو اپنے لیے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے اور یہ مانتے کہ ہدایت دینا یا ہدایت پر قائم رکھنا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ ہدایت پانا خدا کا کام نہیں۔ ہدایت پر رہنا بھی انسان کا کام نہیں ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ہی ایسا کرے تو ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا تو ہم ہدایت پر قائم رہیں گے اور اگر خدا تعالیٰ ہماری مدد نہیں کرے گا تو ہم ہدایت پر قائم نہیں رہیں گے۔ اگر وہ اس طرح دعائیں کرتے رہتے تو دنیا میں اسلام کی وہ خراب حالت نہ ہوتی جو آج نظر آتی ہے۔

اِسی طرح ہماری جماعت میں بعض مخلص دوست جب دیکھتے ہیں کہ ہم اپنی آمدنی کا دسواں حصہ چندہ میں دے دیتے ہیں اور اس کا نام وصیت رکھتے ہیں یا دسواں حصہ جائداد کا چندہ میں

دے دیتے ہیں یا بعض لڑکے جوش میں آ کر اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر دیتے ہیں یا بعض والدین اپنے بچوں کو وقف کر دیتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم اس راستہ سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ کل ہی ایک باپ کا خط آیا ہے کہ میرے ہاں بیٹا ہوا ہے اور میں نے اسے پہلے ہفتہ میں ہی وقف کر دیا ہے۔ مگر ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں کہ بعض واقفین وقف سے بھاگ گئے اور بعض مرتد ہو گئے اور بعض واقفین اب بھی چٹھیاں لکھتے رہتے ہیں کہ انہیں وقف سے فارغ کر دیا جائے۔ غرض نہ والدین کا کیا ہوا وقف کام آتا ہے اور نہ ان کا کیا ہوا وقف کام آتا ہے۔ اگر وہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ والی دعا کرتے رہتے تو شاید وہ وقف پر قائم رہتے اور ماں باپ کا ارادہ پورا ہو جاتا۔ مگر انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم بڑے قابل آدمی ہیں۔ ہم اپنی وقف کی روح کو ہمیشہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ ہم اپنے ماں باپ کے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ غلط تھا۔ شیطان نے اُن کے دماغ پر ایسی غفلت طاری کی کہ ایک وقت آیا کہ وہ اپنے وقف کو بھول گئے اور اپنے والدین کے وقف کو بھی بھول گئے اور نشوز اور نافرمانی کا طریق اختیار کر لیا۔ پس ہمیشہ یہ دعا کرتے رہو کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ اے خدا! ہدایت تو ہمیں نصیب ہو گئی ہے لیکن ہم خالی ہدایت نہیں چاہتے بلکہ ہم دائمی ہدایت چاہتے ہیں۔ ہم اپنے دل پر ایمان کا عارضی غلبہ نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دل کبھی بھی ایمان سے نہ پھرے۔ تا کہ ہم اور ہماری اولادیں تجھ سے چمٹی رہیں اور تُو ہم سے چمٹا رہے اور تجھ کو دیکھ کر شیطان بھاگے اور ہمارے قریب نہ آئے۔

پس دائمی ہدایت کے حصول کا اصل ذریعہ یہی ہے جو رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ تم اس نکتہ کو یاد رکھو اور ہمیشہ اس طریق پر دعا کیا کرو۔ پھر اگر تمہارے اندر کمزوریاں بھی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ ان کو دور فرما دے گا۔ بے شک ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب میں نے اپنی زندگی وقف کی تھی یا جب نیا نیا احمدی ہوا تھا تو اُس وقت میں نے بڑے اخلاص کے ساتھ قدم اُٹھایا تھا۔ پھر وہ اخلاص ضائع کیوں ہو گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اُس وقت تم نے اخلاص سے

کام لیا مگر اس کے بعد جو تم پر حالت آئی خدا تعالیٰ اُس کو بھی تو دیکھتا تھا۔ جب بعد میں تم بگڑ گئے تو خدا تعالیٰ نے بھی تمہیں چھوڑ دیا۔ لیکن اگر تم دعا کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس موجودہ حالت کو دیکھ کر دوبارہ فضل نازل کر دے گا۔ اور جب اس کے بعد تم اس دعا کی تکرار کرتے رہو گے تو فضل کی تکرار بھی ہوتی رہے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر دفعہ کا فضل تمہیں ایمان پر اَور زیادہ مستحکم کر دے گا۔ اور اگر پھر کچھ کمزوریٔ نفس کی حالت پیدا ہوگی تو پھر دعاؤں کی وجہ سے اس کا فضل نازل ہوگا اور انسان اَور زیادہ ایمان پر مستحکم ہو جائے گا اور اس طرح قیامت تک ہدایت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

پس تم خدا تعالیٰ سے دعاؤں میں خصوصاً قرآنی دعائیں مانگنے میں کبھی سُستی نہ کرو کیونکہ ان کے اندر بڑی بھاری برکات ہیں اور ان میں ایسے ایسے مضامین بیان کیے گئے ہیں جو بعض دفعہ انسان کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتے۔ مثلاً ایک مومن جب خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اُسے خدا تعالیٰ پر اِتنا یقین ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں کہتا کہ اے خدا! تُو مجھے مرتد نہ کیجئیو بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں مرتد ہو ہی نہیں سکتا میں بڑا پکّا مومن ہوں۔ لیکن قرآن کریم کہتا ہے وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔4 تُو ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دیجیو۔ یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ یہ کہے کہ اے اللہ! میں مسلمان تو ہو گیا ہوں مگر تُو میرا انجام بھی بخیر کیجئیو۔ میں مروں بھی تو نیکوں میں مروں۔ یہ نہ ہو کہ مجھ پر ایسی حالت طاری ہو کہ میں مرتے وقت گمراہ ہو جاؤں بلکہ میرے مرنے کی جو ساعت ہے اُس وقت بھی تیرا فضل ایسا نازل ہو کہ تیرے فرشتے مجھ پر نازل ہوں اور میرا دل ایمان سے پُر ہو۔ اب دیکھو! کیا کوئی مومن ایسی دعا خود اپنے ذہن سے تجویز کر سکتا ہے؟ یہ دعا خدا تعالیٰ ہی سکھا سکتا ہے جو دلوں کو جانتا ہے۔ ورنہ انسان تو یہ کہتا کہ میں یہ کیسے کہوں کہ یا اللہ! مجھے بے ایمان کر کے نہ ماریو۔ میں بے ایمان ہو ہی کیسے سکتا ہوں۔ میں تو اتنا پختہ ایمان والا ہوں کہ میں سچائی کو بالکل نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر مجھے آروں سے بھی چیر دیا جائے تب بھی میں سچائی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ سمجھتا تو یہی ہے مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ آروں سے چِیرا جانا تو الگ رہا بعض اوقات وہ سوئی کی چُبھن بھی برداشت نہیں کر سکتا اور ایمان کو چھوڑ جاتا ہے اور بے ایمانی پر قدم مار دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ دُعا کرتا رہے تو اُس کا حرج بھی کوئی نہیں۔ اگر اس کا ایمان واقع میں اتنا پکا ہے کہ وہ کبھی نہیں بدل سکتا تب بھی اگر خدا تعالیٰ کی مدد آئے گی تو اُس کا ایمان اَور زیادہ پکا ہوگا کمزور تو نہیں ہوگا۔ پس انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ میرا ایمان بڑا مضبوط ہے میں ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔

خدا تعالیٰ کی مدد آئے گی تو اُس کا ایمان اَور زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔ اور اگر اُس کا ایمان اَور زیادہ مضبوط ہو جائے تو اِس میں اُس کا کیا نقصان ہے۔ اِس میں تو اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔

پس دعائیں کرو اور اپنے نفس پر غرور مت کرو۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور سمجھ لو کہ تمہیں جو کچھ برکت حاصل ہے خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مدد کرے تو یہ برکت قیامت تک جا سکتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ کرے تو ہمارے ایمان کی موجودہ حالت میں بھی وہ برکت ضائع ہو سکتی ہے کیونکہ ایمان کی حالت خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم رہتی ہے ہماری کوششوں سے قائم نہیں رہتی"۔

(الفضل 13/اکتوبر 1965ء)

---

1: آل عمران:9

2: معالم التنزيل فی تفسير القرآن (تفسير بغوی) سورة الانعام آيت 94 لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كما خلقناكم.....

3: التوبة: 100

4: آل عمران:194

# 9

## لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

### اگر انسان حقیقی مومن بن جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ایمان کی تازگی کے سامان پیدا کرتا رہتا ہے

(فرمودہ 22 مارچ 1957ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 1 یعنی ہم نے ایسی آیتیں اتاری ہیں جو حقیقتِ حال کو کھول کر رکھ دیتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیتے ہیں وہ انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایسی باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو زیادہ تر غیب میں ہوتی ہیں۔ اس لیے وہی مذہب انسان کو فائدہ دے سکتا ہے اور وہی مذہب انسان کو ہدایت دے سکتا ہے جس میں آیاتِ بیّنات ہوں۔ یعنی ایسے نشان ہوں جو کہ غیب کو کھول کر رکھ دیں اور چُھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دیں۔ اگر غیب غیب ہی رہے اور چُھپی ہوئی بات ظاہر نہ ہو تو پھر مذہب نے کیا فائدہ دیا؟ جہاں تک غیب کی باتوں کا سوال ہے سارے لوگوں کے لیے وہ غیب ہی غیب ہے۔ مذہب ظاہر ہوتا یا نہ ہوتا وہ غیب ہی ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید غیب میں تھی۔ اگر مذہب نہ آتا تب بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید غیب میں ہی رہتی۔ مذہب کا فائدہ تو تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو غیب سے

نکال کر ظاہر میں ہمارے سامنے رکھ دے۔ اگر وہ ایسا کر دے تب تو وہ مذہب ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ ایک بے فائدہ چیز ہے کہ جس کے آنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور جس کے نہ آنے سے ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو کس طرح پورا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں میں سے ایک ہندہ بھی تھی۔ وہ اتنی شدید دشمن تھی کہ جنگِ اُحد کے موقع پر لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر بھڑکاتی تھی کہ جاؤ اور اسلامی لشکر پر حملہ کرو اور جب ایک خطرناک موقع مسلمانوں کے لیے آیا تو اس نے کہا جو آدمی حضرت حمزہؓ کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان سے اسے عداوت تھی کلیجہ نکال کر میرے پاس لے آئے۔ اِسی طرح ان کے کان کاٹ کر لے آئے تو میں اسے انعام دوں گی۔ لوگوں میں یہ غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ اس نے کلیجہ چبایا تھا۔ کسی صحیح سند سے اس کا ثبوت معلوم نہیں ہوتا۔ درحقیقت اس نے انعام مقرر کیا تھا کہ جو شخص ان کا کلیجہ نکال کر لائے اور کان کاٹ کر لائے تو میں اس کو انعام دوں گی۔ گویا یہ ثبوت ہوگا اس بات کا کہ وہ واقع میں مارے گئے ہیں۔ جنگ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کے چچا کی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے تو طبعی طور پر آپؐ کے دل میں جوش آیا اور آپ نے فرمایا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کروں گا۔ جب انہوں نے ابتدا کر دی ہے اور مسلمان شہداء کے ساتھ اِس قسم کا سلوک کیا ہے تو میں بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ تمہیں اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔2

اب دیکھو! اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا حکمت والا تھا۔ ہندہ بے شک لڑائی کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں سے تھی جو مردوں کو لڑائی کے لیے اُکساتی تھی مگر اُس کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جو بعد میں اسلامی لڑائیوں میں مارے گئے یا مارے جانے کے قریب پہنچے۔ اگر ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جو ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ کیا تھا تو بعد میں جو نشانات ظاہر ہوئے وہ کیسے ظاہر ہوتے۔ مثلاً انہی لوگوں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ بھی تھا۔ انہی لوگوں میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے۔ انہی لوگوں میں عمروؓ بن عاص بھی تھے۔ فرض کرو یہ سب لوگ مارے جاتے اور ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ کیا تھا تو بعد میں ان لوگوں

نے جو قربانیاں کیں اوران کی وجہ سے جو عزت اسلام کو پہنچی وہ کیسے پہنچتی ؟ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ آپ کو مستقبل کا علم نہیں ہمیں مستقبل کا علم ہے۔ جن لوگوں پر آپ کو اس وقت غصہ آ رہا ہے ان میں سے بعض مستقبل میں اسلام کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ کی مثال ہی لے لو۔ وہ ابوجہل کے بیٹے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ ایک فرشتہ انگوروں کا ایک خوشہ آپؐ کے پاس لایا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ خوشہ کس کے لیے لائے ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں یہ خوشہ ابوجہل کے لیے لایا ہوں۔ آپ گھبرا گئے اور اِسی گھبراہٹ میں آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے کہا خدا تعالیٰ کا رسول اور خدا تعالیٰ کا دشمن کیا ایک ہی صف میں کھڑے ہیں کہ اس کے لیے بھی جنت سے انگوروں کا خوشہ آ رہا ہے اور اس کے لیے بھی جنت سے انگوروں کا خوشہ آ رہا ہے۔ جب بعد میں عکرمہ مسلمان ہوا تو آپ نے فرمایا اب میری خواب کی تعبیر مجھ پر کھل گئی ہے۔ ابوجہل سے مُراد اُس کا بیٹا عکرمہؓ تھا جو اسلام لایا۔3 پھر عکرمہؓ اپنے اسلام میں اتنا ترقی کر گیا کہ جب بعد میں عیسائیوں سے جنگیں ہوئیں تو ایک موقع پر بہت سے صحابہؓ شہید ہو گئے۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ یکدم دشمن کے قلبِ لشکر پر حملہ کیا جائے تا کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ جو لوگ اس غرض کے لیے چُنے گئے ان میں عکرمہؓ بھی تھے۔ آپ نے اس کام کے لیے اپنا نام پیش کیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جس طرح عقاب چڑیا پر جھپٹا مارتا ہے اِسی طرح یہ لوگ دشمن پر حملہ کر کے قلبِ لشکر میں پہنچ گئے لیکن دشمن کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ لوگ صرف ساٹھ تھے۔ دشمن کا لشکر دس ہزار کا تھا۔ اس لیے یہ لوگ قلبِ لشکر میں تو پہنچ گئے اور جرنیل مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ دس ہزار تلواروں میں سے گزر رہے تھے اس لیے زخمی ہو کر گر گئے۔ جب جنگ کے بعد مسلمان ان لوگوں کی خبر لینے کے لیے گئے تو انہوں نے ان میں سے آٹھ دس زخمیوں کو میدانِ جنگ میں پڑے پایا۔ باقی شاید دشمن کے دھکیلنے کی وجہ سے اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ بہرحال مسلمانوں نے ان میں سے آٹھ دس آدمی زخمی ہونے کی صورت میں میدانِ جنگ میں پڑے دیکھے۔ مُلک گرم تھا اور شاید وقت بھی گرمی کا تھا اور پھر دس ہزار آدمیوں میں سے رستہ نکالنے اور تلواریں مارتے چلے جانے سے ان کے جسموں سے پسینہ بھی نکلا جس کی وجہ سے انہیں پیاس بڑی شدت سے لگی ہوئی تھی، زبانیں اُن کی باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ پانی کے لیے تڑپ

رہے تھے۔ایک مسلمان سپاہی نے عکرمہؓ کو پہچان لیا اور پانی کی چھاگل لے کران کے پاس گیا اور کہا آپ کو پیاس لگی ہوئی ہے پانی پی لیں۔عکرمہؓ نے اُس کے ہاتھ سے چھاگل لے لی اور اُس سے پانی پینے لگے لیکن دوسری طرف نگاہ ڈالی تو دوسرے مسلمان بھی پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے۔انہوں نے پانی کا کوئی قطرہ پیے بغیر چھاگل اُس مسلمان سپاہی کو واپس کر دی اور کہا وہ دیکھو! دوسرے مسلمان پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں اُن لوگوں نے اسلام کے لیے مجھ سے زیادہ خدمت کی ہے اور اس کے لیے قربانیاں کی ہیں اس لیے وہ لوگ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمان سپاہی دوسرے زخمی مسلمان کے پاس گیا اور اُس سے پانی کے لیے کہا مگر اُس نے بھی انکار کر دیا اور کہا دوسرے زخمی مسلمان کو پانی پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ وہ اگلے مسلمان کے پاس گیا لیکن اُس نے بھی انکار کر دیا اور دوسرے مسلمان کو پانی پلانے کے لیے کہا۔الغرض وہ مسلمان سپاہی چھاگل لے کران میں سے ہر ایک کے پاس گیا لیکن ان میں سے ہر ایک نے پہلے دوسرے کو پانی پلانے کے لیے کہا۔ جب وہ آخری مسلمان کے پاس پہنچا تو وہ مر چکا تھا۔ پھر وہ عکرمہؓ کی طرف واپس لَوٹا تو ان کی جان بھی نکل چکی تھی۔4

تو دیکھو! یہ کتنی بڑی قربانی تھی جو عکرمہؓ نے کی۔ یہ دیکھنے والوں کے لیے ایک نشان تھا۔ جب مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ سنا ہوگا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انگوروں کا ایک خوشہ لایا ہے اور میں نے دریافت کیا کہ یہ خوشہ کس کے لیے ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہ ابوجہل کے لیے ہے جس کی وجہ سے میں گھبرا گیا اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے کہا کیا خدا تعالیٰ کا دشمن اور اس کا رسول برابر ہو سکتے ہیں؟ اور بعد میں انہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہوگا کہ کس طرح عکرمہؓ نے خطرناک حالات میں اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ وہ پانی کے ایک قطرہ کے لیے تڑپتے ہوئے فوت ہو گئے لیکن پانی کو اس لیے نہیں چُھوا کہ جب تک میرے دوسرے مسلمان بھائی سیر نہ ہو جائیں میں پانی نہیں پیوں گا۔ تو ان کا ایمان کس طرح بڑھا ہوگا اور انہوں نے کہا ہوگا کہ اوّل تو عکرمہؓ کا اسلام لانا ہی ناممکن تھا۔ پھر اس کا اسلام لانے کے بعد اتنی بڑی قربانی کرنا ناممکن تھا مگر خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رؤیا دکھایا تھا اس نے وہ پورا کر کے دکھا دیا اور یہ واقعہ آیاتِ بیّنات میں سے تھا جسے دیکھ کر مسلمانوں کے ایمان خدا تعالیٰ پر اور اسلام

کی سچائی پر اَور زیادہ پختہ ہو گئے۔

چونکہ لوگ تاریخ کے واقعات نہیں پڑھتے اس لیے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے بعض واقعات کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ یہ تو بہتوں کو پتا ہے کہ کس طرح عکرمہؓ نے پیاس کی وجہ سے تڑپتے ہوئے جان دے دی اور کہا کہ جب تک اس کے ساتھی سیر نہ ہولیں وہ پانی نہیں پی سکتے۔ پھر ابوجہل کے واقعات کا بھی ان کو علم ہے مگر اس بات کا بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ خود عکرمہؓ کے دل میں ایمان لانے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتنا بُغض تھا اور ایمان لانے کے بعد وہ آپ کی محبت میں اس طرح بدلے کہ آپ کی ذات تو الگ رہی وہ آپ کے صحابہؓ کی خاطر قربانی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

تاریخ میں آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ نے فرمایا مسلمانوں کے ان بڑے بڑے دشمنوں کو جو انہیں تکلیف دیتے تھے گرفتار کیا جائے اور قتل کیا جائے انہیں لوگوں میں عکرمہ بھی تھے۔ فتح مکہ کے بعد عکرمہ جان بچانے کے لئے حبشہ کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی بیوی دل سے مسلمان ہو چکی تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! میرا خاوند عکرمہ اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور حبشہ کی طرف چلا گیا ہے۔ یَارَسُولَ اللّٰہ! کیا یہ اچھا ہے کہ آپ کے چچا کا بیٹا آپ کے ماتحت رہے یا یہ اچھا ہے کہ وہ غیروں کی حکومت میں رہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ بھاگا کیوں ہے؟ ہم نے تو اُسے ملک سے باہر نہیں نکالا۔ عکرمہ کی بیوی نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! وہ جانتا تھا کہ آپ نے چند ایسے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں کو دکھ دیا کرتے تھے اور چونکہ وہ بھی مسلمانوں کو دکھ دیا کرتا تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں رہا تو مارا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا تو کوئی ارادہ نہیں تھا کہ اُسے قتل کیا جائے۔ اُس نے مکہ سے بھاگ کر چلے جانے کی غلطی کی ہے۔ عکرمہ کی بیوی نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! اب اس کے واپس آنے کی اَور تو کوئی صورت نہیں یہی ہوسکتا ہے کہ میں بندرگاہ پر خود جاؤں اور اُس کو سمجھا کر واپس لاؤں۔ کیا آپ مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! میری طرف سے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ عکرمہؓ کی بیوی نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! آپ جانتے ہیں کہ وہ ابوجہل کا بیٹا ہے اور ابوجہل اپنی قوم کا سردار تھا۔ ابھی اسلام کی سچائی کا اسے علم نہیں۔ اس نے صرف یہی نشان دیکھا ہے کہ آپؐ فاتح

ہو گئے ہیں اور مکہ والوں پر غالب آ گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ جان کے خوف کے مارے مکہ سے بھاگ گیا ہے۔ یَارَسُولَ اللّٰہ! میں بندرگاہ پر جا کر اُس کو واپس آنے کے لیے کہوں گی لیکن اگر اُس نے یہ کہا کہ میں نے اسلام کو کبھی بھی قبول نہیں کرنا۔ ہاں! اگر اس کی حقانیت میرے دل پر ظاہر ہو گئی تو میں اسے قبول کر لوں گا اس سے پہلے میں قبول نہیں کروں گا تو یَارَسُولَ اللّٰہ! پھر کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا اسے کہہ دینا کہ اگر وہ اسلام قبول نہ بھی کرے پھر بھی ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کرے تو کرے ہم اُس پر کوئی جبر نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ بندرگاہ پر گئی۔ جہاز چلنے ہی والا تھا اور اس طرح عکرمہؓ عرب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار تھے کہ پراگندہ سر اور پریشان بیوی اُن کے پاس پہنچی اور کہا اے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) تُو مجھے یہ بتا کہ اپنی قوم کے آدمی کی غلامی میں رہنا اچھا ہوتا ہے یا کسی غیر کی غلامی میں؟ عکرمہؓ نے کہا اپنی قوم کے کسی شخص کی غلامی میں رہنا بہرحال بہتر ہے۔ اس پر اُن کی بیوی نے کہا پھر تُو حبشہ کو چلا ہے۔ حبشہ والے تو غیر ہیں اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں اور ہم قوم ہیں۔ پھر اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمہارے ہم مذہب نہیں تو حبشہ والوں کا مذہب بھی تو اَور ہے۔ تُو کیوں اپنے ملک میں واپس نہیں چلا جاتا؟ عکرمہؓ نے کہا بیوی! میں تو اس لیے بھاگا ہوں کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مجھے مار ڈالنا تھا۔ بیوی نے کہا یہ بات غلط ہے اور تمہاری بدظنی ہے۔ میں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مل کر آئی ہوں اور آپؐ نے کہا ہے کہ میرا عکرمہ کو مارنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ بے شک اپنے ملک میں واپس آ جائے۔ پھر اُسے جو شُبہ تھا وہی ہوا۔ عکرمہؓ نے کہا بیوی! میں واپس تو چلا جاؤں لیکن وہ مجھے مسلمان ہونے پر مجبور کریں گے اور میں نے اسلام قبول نہیں کرنا۔ ہاں! اسلام کی صداقت میرے دل پر واضح ہو گئی تو مجھے اس کے قبول کرنے میں کوئی عُذر نہیں ہو گا۔ لیکن اُس وقت تک کہ اسلام کی صداقت مجھ پر واضح ہو جائے میں اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہوں گا۔ اگر وہ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں تو میں واپس آ جاؤں گا ورنہ نہیں۔ بیوی نے کہا میں یہ بات بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کر آئی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس پر کوئی جبر نہیں کریں گے۔ وہ جس مذہب پر چاہے قائم رہے ہم اُسے ہرگز اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کریں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ وہ اپنا مذہب ترک کر دے اور اس کے ساتھ محبت کا

سلوک کریں گے۔عکرمہ کو اپنی بیوی کی باتوں کی وجہ سے اطمینان ہو گیا اور وہ مکہ واپس آ گیا۔ مکہ واپس آ کر عکرمہ نے اپنی بیوی سے کہا مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے چل۔ چنانچہ وہ انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے گئی۔ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا اے محمد! (ابھی رسول اللہ کہنے کی انہیں توفیق نہیں ملی تھی) میری بیوی میرے پاس گئی تھی اور کہتی تھی کہ آپ نے کہا ہے عکرمہ بے شک واپس آ جائے ہم اُسے قتل نہیں کریں گے اور نہ اس کے کسی قصور پر گرفت کریں گے کیا یہ سچ ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! تمہاری بیوی سچ کہتی ہے۔عکرمہ نے پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں نے اسے کہا تھا کہ میں واپس تو چلا جاؤں مگر وہ مجھے مسلمان ہونے کے لیے مجبور کریں گے اور میں ابھی اسلام کی صداقت کا قائل نہیں۔ اس لیے میں اسلام کے قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں۔اگر انہوں نے ایسا کیا اور میں نے اسلام قبول نہ کیا تو پھر مجھے دوبارہ بھاگنا پڑے گا۔تو میری بیوی نے کہا تھا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بات کر آئی ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ بے شک جس مذہب پر چاہے رہے ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ میں نے یہی کہا تھا۔ عکرمہؓ نے کہا پھر میں بے شک مشرک رہوں اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہوں آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔تم بے شک اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہو ہم تمہیں مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہیں کریں گے، تمہیں پوری آزادی دیں گے اور تمہارے ساتھ حُسنِ سلوک کریں گے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عکرمہؓ کے دل میں اسلام کی صداقت آئی۔ جب اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ حوصلہ دیکھا تو اس نے سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے رسول کے سوا ایسی بات کوئی نہیں کہہ سکتا اور بے اختیار ہو کر کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور پھر شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی حیا کی حالت کو دیکھ کر اُن کے دل کی تسلی کے لیے فرمایا۔عکرمہؓ! ہم نے تمہیں صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس سے زائد یہ بات بھی ہے کہ ہم تمہیں بڑے بڑے انعامات دیں گے۔عکرمہؓ نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! مجھے انعاموں کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ

میرے گناہ بخش دے۔ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ میں نے جو آپؐ کی دشمنیاں کی ہیں وہ مجھے معاف کر دے۔ اس پر آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی 5۔

اب دیکھو! عکرمہ اتنا سخت بغیض دشمنِ اسلام تھا لیکن اس کے باوجود وہ اسلام لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے لیے نہیں، حضرت ابوبکرؓ کے لیے نہیں، حضرت عمرؓ کے لیے نہیں بلکہ معمولی مسلمانوں کے لیے جنہوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں شہادت حاصل کی تھی۔ اُس نے اتنی بڑی قربانی کی کہ وہ پیاس کی وجہ سے تڑپتے ہوئے مر گیا لیکن اُس نے یہ برداشت نہ کیا کہ اس کے منہ میں پانی کا قطرہ پڑ جائے اور اُس کے مسلمان بھائی پیاس کی وجہ سے تڑپتے رہیں۔ اب یہ کتنا بڑا نشان تھا اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کا رؤیا سنا تھا کہ ابوجہل کے لیے جنت سے انگوروں کا ایک خوشہ آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں اُس وقت تو سخت گھبرا گیا کہ خدا تعالیٰ کا رسول اور اُس کا دشمن دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب عکرمہؓ مسلمان ہوا تو اس رؤیا کی تعبیر سمجھ میں آ گئی اور معلوم ہوا کہ اس سے مُراد عکرمہؓ تھا۔ درحقیقت عکرمہؓ اُس زمانہ میں اپنے دلی بُغض کے لحاظ سے ابوجہل کا مثیل تھا۔ اس لیے آپؐ نے جو یہ دیکھا کہ ابوجہل کے لیے جنت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے تو یہ ٹھیک تھا۔ عکرمہؓ ابوجہل کا مثیل تھا اس لیے رؤیا میں اسے ابوجہل ہی کہا گیا۔ پھر وہ اسلام لایا اور اسلام کے لیے اِس قدر قربانیاں کیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ اب جس شخص نے یہ نشان دیکھا اُس کے دل میں کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ انہی نشانات کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ۔ ہم نے قرآن کریم کے ذریعہ ایسے نشانات نازل کر دیئے ہیں جو خدا تعالیٰ کو ننگا کر کے انسان کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ غیروں کے لیے تو خدا تعالیٰ ایک پوشیدہ چیز ہے مگر مسلمانوں کے لیے وہ پوشیدہ چیز نہیں۔ کیونکہ وہ نشانات کے ذریعہ سے ان کے سامنے کھل کر آ جاتا ہے۔

دوسری مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں حضرت عمروؓ بن عاص کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابتدائی صحابہؓ میں سے تھے اور اپنے باپ سے بہت پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر سے باہر نکلیں اور کوئی بات کریں تو اُسے لکھ لیں

اور ان کو لکھنا آتا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے مگر بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا میں قرآن کریم لکھواتا ہوں اس لیے ایسا نہ ہو کہ کوئی لکھی ہوئی چیز دیکھ کر لوگوں کو یہ شُبہ پیدا ہو کہ وہ بھی قرآن کریم کا ہی حصہ ہے۔ جب ان کے والد عمروؓ بن عاص فوت ہونے لگے تو یہ ان کی خبر لینے کے لیے گئے۔ موت کے وقت اُن کی حالت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔ کبھی آپ اِدھر کروٹ بدلتے اور کبھی اُدھر کروٹ لیتے اور کہتے یا اللہ! مجھے معاف کر۔ مجھے معلوم نہیں میں نے کیا کیا گناہ کیے ہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا باپ! آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ آپ کا انجام تو اچھا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی اور اب تک اسلام پر قائم رکھا۔ پھر آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص کہنے لگے میرے بیٹے! تم ٹھیک کہتے ہو خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی لیکن کاش! میں اُسی وقت مارا جاتا اور مجھے شہادت نصیب ہو جاتی۔ میرے بیٹے! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں لڑائیاں ہوئیں اور میں ان میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے حصہ لیتا رہا۔ مجھے پتا نہیں کہ ان لڑائیوں میں مجھ سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں۔ اس خیال کے آنے پر مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے کہ معلوم نہیں خدا تعالیٰ مجھے معاف بھی کرے گا یا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا میرے بیٹے! جب میں اسلام کا دشمن تھا تو میری دشمنی کا یہ حال تھا کہ اگر مجھے پتا لگتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سامنے گلی میں آ رہے ہیں تو میں اپنی آنکھیں بند کر لیتا تا مجھے **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** آپ کی منحوس شکل نظر نہ آئے۔ اور اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کے رشتہ دار ہیں اُن کا حلیہ کیا ہے؟ تو میں آپ کا حلیہ نہیں بتا سکتا تھا۔ کیونکہ جب ان کی شکل سامنے آتی تھی میں آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ پھر جب میں ایمان لایا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا ایمان بخشا کہ آپؐ کی محبت اور رُعب کی وجہ سے میں آپؐ کے چہرہ پر نظر نہیں ڈالتا تھا بلکہ آپؐ کے سامنے میں ہمیشہ اپنی آنکھیں بند رکھتا۔ میں خیال کرتا تھا کہ آپ اتنے معزّز اور اتنے اعلیٰ مقام پر ہیں کہ میرے جیسے ذلیل آدمی کو آپؐ کا چہرہ دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔ اے میرے بیٹے! کفر کی حالت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے سامنے آئے اور ایمان کی حالت میں بھی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے سامنے آئے لیکن اگر اب بھی مجھ سے کوئی پوچھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلیہ کیا ہے تو میں نہیں بتا سکتا6 کیونکہ کفر میں بُغض کی وجہ سے میں نے آپؐ کی شکل نہیں دیکھی اور ایمان میں محبت اور رُعب کی وجہ سے میں نے آپؐ کی شکل نہیں دیکھی۔

اب دیکھو! عاص جیسے شدید دشمنِ اسلام کا بیٹا جو ایمان لانے سے پہلے خود بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سخت بُغض رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان لانے کی سعادت بخشی اور اسے ایسا مقام دیا کہ اس نے اسلام کے لیے بڑی بڑی جنگیں لڑیں اور مصر کو اسلام کے لیے فتح کیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید سے مل کر جنگِ اُحد کے موقع پر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زخمی ہو کر دوسرے زخمیوں پر گر گئے تھے اور مسلمانوں کو شُبہ ہو گیا تھا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ ایسے شدید دشمنِ اسلام کو خدا تعالیٰ نے ایمان نصیب کیا۔ تو یہ کتنی بڑی بات تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے سمیٹتے چلے آ رہے ہیں7 یعنی ان بڑے بڑے کافروں کی اولادیں مسلمان ہو رہی ہیں۔ مسلمان جب پڑھتے ہوں گے کہ اسلام کے شدید دشمنوں ولید اور عاص کی اولاد اسلام کی گود میں آ گئی اور ان کے بیٹوں نے اسلام لانے کے بعد بڑی بڑی قربانیاں کیں تو ان کا ایمان کس قدر بڑھتا ہو گا۔

پھر میں نے ہندہ کا واقعہ سنایا تھا۔ اس کے بُغض کی یہ کیفیت تھی کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکلوایا اور آپ کے کان کٹوائے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے جن لوگوں کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں ہندہ بھی شامل تھی کیونکہ اُس نے بھی کئی مسلمانوں کو قتل کروایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ہندہ بھی پکڑی جائے اور قتل کی جائے۔ آپؐ نے سات آٹھ آدمی بتائے تھے کہ اُن سب کو پکڑ لیا جائے اور قتل کیا جائے۔ ان میں آپ نے ہندہ کا نام بھی لیا تھا۔ جب عورتوں کی بیعت کا وقت آیا اور آپ نے بیعت لینی شروع کی تو ہندہ بھی منہ چھپائے ان میں جا بیٹھی اور بیعت میں شامل ہو گئی۔ جب قرآنی ہدایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ اقرار لیا کہ ہم چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، جھوٹ نہیں بولیں گی، شرک نہیں کریں گی تو اِس آخری فقرہ پر کہ ہم شرک نہیں کریں

گی ہندہ بول اُٹھی کہ یَـارَسُـوْلَ اللّٰہ! آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا ہم اب بھی شرک کریں گی؟ ہم مکہ والے متحد ہو کر آپ کے مقابلہ پر آئے۔ سارا عرب ہمارے ساتھ تھا اور آپؐ اکیلے تھے۔ ہم نے آپ کے ساتھ لڑائی کی۔ آپؐ نے کہا خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور وہ میری مدد کرے گا اور ہم نے کہا آپ کا خدا جھوٹا ہے وہ آپ کی مدد نہیں کرے گا۔ ہمارے بُت آپ کے خدا سے زیادہ طاقتور ہیں وہ آپ کے خلاف ہماری مدد کریں گے۔ لیکن ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ باوجود اس دعویٰ کے ہم ہار گئے اور آپ جیتے۔ اگر ہمارے بُتوں میں کوئی طاقت ہوتی تو ہم جیت نہ جاتے۔ باوجود اِس کے کہ انسانی طاقت ہمارے ساتھ تھی، قوم ہمارے ساتھ تھی، عرب کے تمام سردار ہمارے ساتھ تھے، تجربہ کار جرنیل ہمارے ساتھ تھے، اگر ہمارے بُت کمزور بھی ہوتے تب بھی ہمارے پاس اتنی طاقت تھی کہ ہم آپ کو شکست دے دیتے لیکن ہم ہارے۔ اس سے صرف یہی پتا نہیں لگتا کہ ہمارے بُتوں میں کوئی طاقت نہیں تھی بلکہ یہ بھی پتا لگتا ہے کہ آپؐ کے خدا میں طاقت تھی اور اس نے ایک اکیلے اور کمزور آدمی کو ہمارے سروں پر لا کے بٹھا دیا۔ اب ہم شرک کیسے کر سکتے ہیں؟ اب تو یہ بات ہم پر واضح ہو گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ۔ ہم نے ایسے نشانات ظاہر کیے ہیں کہ جو حقیقتِ حال کو کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ اب دیکھو! فتح مکہ ہندہ جیسی ظالم عورت کی آنکھیں کھولنے کا موجب ہو گئی اور اس طرح اس کو نظر آ گیا کہ خدا تعالیٰ اور اسلام کی سچائی میں کوئی شُبہ نہیں۔ جب ہندہ کی آواز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنی تو آخر یہ لوگ آپؐ کے رشتہ دار تھے اور آپؐ اُن کی آوازیں پہچانتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہندہ! ہندہ دوپٹا اوڑھے عورتوں میں چُھپی ہوئی بیٹھی تھی اور سمجھتی تھی کہ مجھے کون دیکھتا ہے۔ جب آپؐ نے ہندہ کہا تو اس نے سمجھا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تو تمہارے متعلق اعلان کیا تھا کہ جہاں پکڑی جاؤ قتل کی جاؤ۔ اب تُو یہاں بیٹھی ہے؟ اس لیے اب تمہیں پکڑا جائے گا۔ وہ جھٹ بول پڑی کہ یَـارَسُـوْلَ اللّٰہ! میں اب آپ کی حکومت سے باہر نکل چکی ہوں۔ اب میں مسلمان ہو گئی ہوں اور مسلمان پر نہ آپ کا قبضہ ہے اور نہ کسی اَور کا قبضہ ہے۔ بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کا قبضہ ہے اور خدا تعالیٰ نے اسلام لانے پر میرے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اب میں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور مسلمان ہو گئی ہوں اس لیے اَب آپ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے فرمایا ہندہ! تُو ٹھیک کہتی ہے۔ واقع میں اب میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اسلام نے تمہارے سارے پچھلے گناہوں کو

معاف کر دیا ہے۔8

جیسے ہندہ کے لیے فتح مکہ آیاتِ مبیّنات میں سے تھی۔ اِسی طرح اس کی یہ گفتگو ہمارے لیے آیاتِ مبیّنات میں سے ہے کہ ایسی شدید دشمنِ اسلام عورت کو خدا تعالیٰ نے ہدایت دے دی اور اُس کا دل کھل گیا۔ اور پھر ایسا دل کھلا کہ وہ بعد میں عیسائیوں کے مقابلہ میں لڑی جانے والی جنگوں میں شامل ہوئی۔ اس کا ایک لڑکا یزید9 جو حضرت معاویہؓ سے بڑا تھا اور نہایت مخلص تھا اور اس کا خاوند ابوسفیان جو اسلام لانے سے پہلے اسلام کا شدید دشمن تھا دونوں عیسائیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے ایک جنگ میں شامل ہوئے۔ عیسائیوں کا لشکر بہت بڑا تھا اور مسلمانوں کی تعداد اس کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ اس جنگ میں ایک موقع پر اسلامی لشکر پیچھے کو بھاگا۔ بھاگنے والوں میں ابوسفیان اور ان کے بیٹے یزید بھی تھے۔ پیچھے عورتیں کھڑی تھیں۔ اگر اُس وقت مسلمانوں کے قدم نہ جمتے تو مدینہ تک دشمن کے راستہ میں کوئی روک نہیں تھی۔ عیسائی لشکر آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ہندہ نے مسلمان سپاہیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے عورتوں کو جمع کیا اور کہا مردوں کے پاؤں اُکھڑ گئے ہیں۔ آؤ! اب ہم اسلام کے لیے لڑائی کریں۔ انہوں نے کہا ہم کیا کر سکتی ہیں؟ ہمارے پاس کیا سامان ہے؟ ہندہ نے کہا سامان تو نہیں ہے لیکن ایک چیز ہے۔ خیموں کی چوبیں اتار لو اور ہاتھ میں لے لو۔ مسلمان سپاہی جو دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں اُن کے اونٹوں کو ان چوبوں سے مارو اور کہو بے شرمو! تم کافروں سے بھاگ رہے ہو؟ چنانچہ عورتوں نے چوبیں اُتار لیں اور ہندہ نے بھی ایک چوب اتار لی اور سب عورتوں کو ساتھ لے کر بھاگتے ہوئے اسلامی لشکر کے آگے کھڑی ہوگئی۔ سب سے آگے اُس کا خاوند ابوسفیان اور اُس کا بیٹا یزید تھے۔ عورتوں نے اُن کے اونٹوں کے مونہوں پر چوبیں ماریں اور کہا بے شرمو! تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم کافروں کے مقابلہ میں شکست کھا کر پیچھے بھاگے چلے آ رہے ہو؟ اس موقع پر ہندہ نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے کہا جب تُو کافر تھا تو بہادری کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر تُو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر پر حملہ کرنے جایا کرتا تھا۔ اب تُو مسلمان ہو گیا ہے اور اسلام کی خاطر تمہیں جنگ لڑنی پڑی ہے تو تُو عیسائیوں کو پیٹھ دکھا رہا ہے اور بھاگ رہا ہے۔ تمہیں ایسا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ اِس کا ابوسفیان پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے اپنے بیٹے کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا بیٹا! عورتوں کے سونٹے عیسائیوں کی تلواروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ چلو! واپس لَوٹو۔ اس کے نتیجہ میں

چاہے ہم مر جائیں یا جیئیں اس کی پروانہیں۔ بہر حال ہمیں ان عورتوں کے سونٹے کھانا مناسب نہیں۔ ہم ان کے طعنے نہیں برداشت کر سکتے۔ عیسائیوں کی تلواریں کھانا ان سے سہل امر ہے۔ چنانچہ وہ دونوں واپس لَوٹے۔ اِسی طرح اسلامی لشکر بھی واپس لوٹا اور بعد میں مسلمانوں کو عیسائیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی۔

یہ تھی وہ ہندہ جو ایک وقت میں اسلام کی اتنی شدید دشمن تھی کہ وہ شعر پڑھ پڑھ کر کُفّار کو مسلمانوں سے جنگ کے لیے اُکساتی تھی۔ فتح مکہ کے بعد اس کے قتل کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ اسے گرفتار کیا جاتا وہ عورتوں میں چھپ کر بیعت میں شامل ہوگئی۔ کیا اس کے متعلق اس وقت کوئی انسان یہ خیال کر سکتا تھا کہ کسی وقت یہ عورت اسلام کے لیے قربانی کرے گی؟ لیکن وہی ہندہ جو اسلام کی شدید دشمن تھی اسلام لانے کے بعد اسلامی فتوحات میں حصہ دار بن گئی۔

غرض تاریخِ اسلامی کا ایک ایک واقعہ پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ کے مطابق ایک ایسا نشان ہے جس نے حقیقتِ حال کو کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر اسلام میں داخل ہونا کوئی بوجھ نہیں کیونکہ دوسرے لوگوں کے لیے ان کے مذہب غیب ہیں لیکن تمہارا مذہب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی غیبی طاقتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی اَور مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔

پھر دیکھ لو! یہ نمونہ آج تک چلا آ رہا ہے۔ اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ کے ذریعہ اسلام کی روشنی کو ثابت کرتے رہے۔ ابتدائی زمانہ میں حضرت جنید بغدادیؒ تھے، سید عبدالقادر جیلانیؒ تھے، شبلیؒ تھے اور ابراہیم ادھمؒ تھے، ابن تیمیہؒ تھے، ابن قیمؒ تھے، امام غزالیؒ تھے اور ان کے علاوہ کئی اَور بزرگ تھے۔ پھر آخری زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ ہوئے، خواجہ باقی باللہؒ ہوئے، معین الدین چشتیؒ ہوئے، نظام الدین اولیاءؒ ہوئے، قطب الدین بختیار کاکیؒ ہوئے، فرید الدین شکر گنجؒ پاک پٹن والے ہوئے۔ یہ سب لوگ خدا تعالیٰ کا قُرب پا کر آیاتِ بینات کا مقام حاصل کر گئے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو دیکھ کر لوگ اپنا ایمان تازہ کرتے تھے۔ جب ان کا نور دُھندلا ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے اندر پیدا کیا اور ان کا وجود ہمارے لیے آیاتِ بینات بن گیا۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھا

اُس کو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی نظر آ گئی اور کوئی چیز اس کو اسلام سے ہٹانے والی نہ رہی۔

ہمارے منشی اروڑے خاں صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک پرانے صحابی تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کپورتھلہ آنے کے لیے لکھا اور کہا آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں تو یہاں کے رہنے والے بھی آپ کی زیارت کریں اور آپ کی باتیں سنیں۔ منشی صاحب سنایا کرتے تھے کہ ایک دن میں ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کپورتھلہ میں ایک شخص تھا جو کسی مجسٹریٹ کا کلرک تھا اور احمدیت کا بڑا دشمن تھا۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یکّہ پر سے اُترتے ہوئے دیکھ لیا تو بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا منشی صاحب آپ یہاں بیٹھے ہیں اور آپ کا پیر اڈے پر یکّہ پر سے اُتر رہا ہے۔ منشی صاحب سنایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کپورتھلہ آنے کی درخواست تو کی تھی اور آپ نے میری اس درخواست کو قبول فرما کر کپورتھلہ آنے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر میرا خیال تھا کہ آپ کو کپورتھلہ آنے کی فرصت ہی کہاں مل سکتی ہے۔ اس لیے جب اُس کلرک نے مجھے آپ کی آمد کی اطلاع دی تو مجھے اُس کی بات پر یقین نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ یہ مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ چنانچہ مجھے اس پر سخت غصہ آیا۔ میں نے غصہ میں اپنی جوتیاں تو دکان پر چھوڑیں اور ننگے پاؤں اس شخص کے پیچھے بھاگا اور اس کو مغلّظ گالیاں دیتے ہوئے کہا خبیث! تُو جھوٹ بولتا ہے، تُو مخول کرتا ہے اور میرا دل دُکھاتا ہے۔ وہ میرے آگے بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اس نے ذرا ٹھہر کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ تم مجھے گالیاں دیتے رہو گے اور مرزا صاحب کسی اَور گھر میں چلے جائیں گے۔ چنانچہ میں اڈے کی طرف گیا تو آپ تشریف لا رہے تھے۔

انہی منشی صاحب کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب کپورتھلہ گئے۔ لوگ آپ کو ان کے پاس لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب تقریر کرنے لگے۔ تقریر میں انہوں نے بہت سی دلیلیں دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹے ہیں۔ منشی صاحب بہت کم تعلیم والے تھے۔ وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ مولوی صاحب! ابھی تو

شروع رات ہے اگر آپ ساری رات بھی دلیلیں دیتے رہیں تو اُن کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں نے حضرت مرزا صاحب کو نہیں چھوڑنا۔ کیونکہ میں نے کتابیں پڑھ کر انہیں نہیں مانا۔ بلکہ انہیں دیکھ کر اُن پر ایمان لایا ہوں آپ ساری رات کیا سارا سال بھی دلیلیں دیتے رہیں اور ساری دلیلیں دے لیں میں نے ان کی شکل دیکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ منہ جو میں نے دیکھا ہے جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ میرے دل اور میری آنکھوں نے اس مبارک شکل کو دیکھ کر یقین کرلیا ہے کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ جس شخص کی سچائی کو میرا دل مان چکا ہے، جس شخص کی سچائی کو میری آنکھیں مان چکی ہیں آپ کی باتیں مجھے اس سے ہٹا نہیں سکتیں۔ آپ کہیں تو میں ساری رات یہاں بیٹھتا ہوں بلکہ سارا سال یہاں بیٹھتا ہوں۔ اگر آپ میرے ایمان کو ذرا سا بھی ڈگمگا لیں تو آپ سچے اور میں جھوٹا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ میں نے نشان دیکھ لیا ہے۔ میں نے آپ کی شکل دیکھ لی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا ہے۔ یہ تو منشی اروڑے خان صاحب کی شہادت ہوئی۔

ابھی حال ہی میں سر ڈگلس فوت ہوئے ہیں جو جزائر انڈمان (ANDAMAN) میں کمشنر تھے اور ایک زمانہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ ایک شخص قادیان میں بیٹھا لکھتا ہے کہ میں مسیح ہوں اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے۔ آج تک اس شخص کو کسی نے پکڑا کیوں نہیں؟ اتفاقاً ایک منافق احمدی نے ایک پادری سے کچھ پیسے لیے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگایا کہ آپ نے اسے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور اس کے ساتھیوں نے ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر کے پاس نالش کردی اور انہوں نے آپ کے نام وارنٹ جاری کردیا۔ لیکن اتفاقاً وہ وارنٹ کسی کاپی میں پڑا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب ان لوگوں نے ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ اتنی دیر سے مقدمہ پیش ہے آپ نے ایکشن کیوں نہیں لیا؟ تو اُس نے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو لکھا کہ میں نے اتنا عرصہ ہوا فلاں شخص کے نام وارنٹ جاری کیا تھا لیکن مجھے اس کا جواب نہیں آیا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور (سر ڈگلس) نے جواب دیا کہ میرے پاس وارنٹ آیا ہی نہیں۔ دوسرے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ملزم مذکور کے نام وارنٹ جاری کرنے کا اختیار آپ کو حاصل نہیں۔ وہ میرے علاقہ میں رہتا ہے اس لیے اگر اس کے نام وارنٹ جاری کرسکتا تھا تو میں کرسکتا تھا۔ اِس پر ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر نے ساری مسل اُس کے پاس

بھیج دی۔ یہ شخص جیسا کہ میں نے بتایا ہے اتنا متعصب تھا کہ اس مقدمہ سے چند دن پہلے اُس نے کہا تھا کہ قادیان میں ایک شخص نے مسیح کا دعوٰی کیا ہے اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے۔ اُس کو آج تک کسی نے پکڑا کیوں نہیں؟ جب مسل آئی تو مسل خواں نے کہا جناب والا! یہ کیس وارنٹ کا نہیں بلکہ سمن کا کیس ہے اس لیے وارنٹ جاری نہیں کیا جا سکتا سمن بھیجا جا سکتا ہے۔ اُن دنوں جلال الدین ایک انسپکٹر پولیس تھے جو احمدی تو نہیں تھے لیکن بڑے ہمدرد انسان تھے۔ انہوں نے بھی ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ وارنٹ جاری کیا جا رہا ہے۔ یہ وارنٹ کا کیس نہیں سمن کا کیس ہے۔ لہذا وارنٹ کی بجائے سمن بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سمن جاری کیا گیا اور انہی جلال الدین صاحب کو اس کی تعمیل کرنے کے لیے قادیان بھیجا گیا۔ چنانچہ بعد میں مقررہ تاریخ پر آپ بٹالہ حاضر ہوئے جہاں ڈپٹی کمشنر صاحب دورہ پر آئے ہوئے تھے۔ جب آپ عدالت میں پہنچے تو وہی ڈپٹی کمشنر جس نے چند دن پہلے کہا تھا کہ یہ شخص خداوند یسوع کی ہتک کر رہا ہے اس کو کوئی پکڑتا کیوں نہیں؟ اُس نے آپ کا بہت اعزاز کیا اور عدالت میں کُرسی پیش کی اور کہا آپ بیٹھے بیٹھے میری بات کا جواب دیں۔ اِس مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی بطور گواہ مدعی کی طرف سے پیش ہوئے۔ عدالت کے باہر ایک بڑا ہجوم تھا اور لوگ بڑے شوق سے مقدمہ سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جب مولوی محمد حسین صاحب عدالت میں پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو انہیں آگ لگ گئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں جاؤں گا تو عدالت میں مرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی اور بڑی ذلّت کی حالت میں وہ پولیس کے قبضہ میں ہوں گے۔ اب دیکھو یہ مقدمہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوا تھا اور مدعی بھی ایک انگریز پادری تھا (ڈاکٹر مارٹن کلارک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ انگریز ہے لیکن درحقیقت وہ کسی پٹھانی کی نسل میں سے تھا جس نے ایک انگریز سے شادی کی ہوئی تھی) اور مولوی محمد حسین صاحب جیسے مشہور عالم بطور گواہ پیش ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی دشمن ناکام و نامراد رہا اور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعزاز کیا گیا وہاں آپ کے مخالفین کو ذلّت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے جب دیکھا کہ آپ کو کرسی پیش کی گئی ہے تو انہوں نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ میں گواہ ہوں مگر مجھے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے اور مرزا صاحب ملزم ہیں مگر انہیں کرسی دی گئی ہے اور اس طرح ان کا

اعزاز کیا گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو یہ بات بُری لگی۔ اُس وقت انگریز مولویوں کو بہت ذلیل سمجھتے تھے۔ وہ کہنے لگا ہماری مرضی ہے ہم جسے چاہیں کرسی پر بٹھائیں اور جسے چاہیں کرسی نہ دیں۔ ان کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ ان کا خاندان کرسی نشین ہے اس لیے میں نے انہیں کرسی دی ہے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ مولوی محمد حسین صاحب کہنے لگے کہ میں اہلِ حدیث کا ایڈووکیٹ ہوں اور میں گورنر کے پاس جاتا ہوں تو وہ بھی مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کہنے لگا تُو بڑا جاہل آدمی ہے۔ ملنے جانے اور گواہ کے طور پر عدالت میں پیش ہونے میں بہت فرق ہے۔ ملنے کو تو کوئی چوڑھا بھی آئے تو ہم اس کو کرسی دیتے ہیں اور تُو تو اِس وقت عدالت میں پیش ہے۔ اِس پر بھی مولوی محمد حسین صاحب کو تسلی نہ ہوئی۔ وہ کچھ آگے بڑھے اور کہنے لگے نہیں نہیں مجھے کرسی دینی چاہیے۔ ڈپٹی کمشنر کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا بک بک مت کر! پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔ چپڑاسی تو دیکھتے ہی ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی نظر کس طرف ہے۔ چپڑاسی نے جب ڈپٹی کمشنر صاحب کے الفاظ سنے تو اس نے مولوی محمد حسین صاحب کو بازو سے پکڑ کر جوتیوں میں لا کھڑا کیا۔ جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ میری ذلّت ہوئی ہے باہر ہزاروں آدمی کھڑے ہیں۔ اگر انہیں میری اِس ذلّت کا علم ہوا تو وہ کیا کہیں گے۔ تو کمرہ عدالت سے باہر نکلے۔ برآمدہ میں ایک کرسی پڑی تھی۔ مولوی صاحب نے سمجھا کہ ذلّت کو چھپانے کا بہترین موقع ہے جھٹ کرسی کھینچی اور اُس پر بیٹھ گئے اور خیال کر لیا کہ لوگ کرسی پر بیٹھے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ مجھے اندر بھی کرسی ملی تھی۔ چپڑاسی نے دیکھ لیا۔ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا انداز دیکھ چکا تھا۔ اُس نے مولوی محمد حسین صاحب کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر خیال کیا کہ اگر ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں یہاں بیٹھا دیکھ لیا تو وہ مجھ پر ناراض ہوں گے۔ اس خیال کے آنے پر اس نے مولوی صاحب کو وہاں سے بھی اُٹھا دیا اور کہا کہ کرسی خالی کر دیں۔ چنانچہ برآمدہ والی کرسی بھی چُھوٹ گئی۔ باہر آ گئے تو لوگ چادریں بچھائے انتظار میں بیٹھے تھے کہ مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک چادر پر کچھ جگہ خالی دیکھی تو وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ یہ چادر میاں محمد بخش صاحب مرحوم بٹالوی کی تھی جو مولوی محمد حسین صاحب مربی سلسلہ کے والد تھے اور اُس وقت غیر احمدی تھے بعد میں وہ احمدی ہو گئے، انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو اپنی چادر پر بیٹھے دیکھا تو غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے۔ میری چادر چھوڑ! تُو نے تو میری چادر پلید کر دی ہے۔ تُو مولوی ہو کر عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے۔ چنانچہ

اُس چادر سے بھی انہیں اٹھنا پڑا۔ اور اس طرح ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا۔ تو دیکھو! یہ آیاتِ بیّنات ہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دشمن کے ہاتھوں سے بری فرمایا۔

پھر اس پر ہی بس نہیں سر ڈگلس کو خدا تعالیٰ نے اَور نشانات بھی دکھائے جو مرتے دم تک انہیں یاد رہے اور انہوں نے خود مجھ سے بھی بیان کیے۔ 1924ء میں جب میں انگلینڈ گیا تو انہوں نے یہ سارا قصّہ مجھ سے بیان کیا۔ سر ڈگلس کے ایک ہیڈ کلرک تھے جن کا نام غلام حیدر تھا وہ راولپنڈی کے رہنے والے تھے بعد میں وہ تحصیلدار ہو گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ اب زندہ ہیں یا نہیں۔ اور زندہ ہیں تو کہاں ہیں۔ پہلے وہ سرگودھا میں ہوتے تھے۔ انہوں نے خود مجھے یہ قصّہ سنایا اور کہا جب ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والا مقدمہ ہوا تو میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ہیڈ کلرک تھا۔ جب عدالت ختم ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہم فوراً گورداسپور جانا چاہتے ہیں۔ تم ابھی جا کر ہمارے لیے ریل کے کمرہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ میں مناسب انتظامات کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر آ گیا۔ میں اسٹیشن سے باہر نکل کر برآمدہ میں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ سر ڈگلس سڑک پر ٹہل رہے ہیں۔ وہ کبھی اِدھر جاتے ہیں اور کبھی اُدھر۔ اُن کا چہرہ پریشان ہے۔ میں اُن کے پاس گیا اور کہا صاحب! آپ باہر پھر رہے ہیں میں نے ویٹنگ روم میں کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں آپ وہاں تشریف رکھیں۔ وہ کہنے لگے منشی صاحب! آپ مجھے کچھ نہ کہیں میری طبیعت خراب ہے۔ میں نے کہا کچھ بتائیں تو سہی آخر آپ کی طبیعت کیوں خراب ہوگئی ہے تا کہ اس کا مناسب علاج کیا جا سکے۔ اس پر وہ کہنے لگے جب سے میں نے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہے اُس وقت سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ کوئی فرشتہ مرزا صاحب کی طرف ہاتھ کر کے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب گنہگار نہیں، ان کا کوئی قصور نہیں۔ پھر میں نے عدالت کو ختم کر دیا اور یہاں آیا تو اَب ٹہلتا ٹہلتا جب اُس کنارے کی طرف نکل جاتا ہوں تو وہاں مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتے ہیں میں نے یہ کام نہیں کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر میں دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں بھی مرزا صاحب کھڑے نظر آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر میری یہی حالت رہی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا صاحب! آپ چل کر ویٹنگ روم میں بیٹھیے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی انگریز ہیں اُن کو بلا

لیتے ہیں۔شاید اُن کی باتیں سن کر آپ تسلی پا جائیں۔سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کا نام لیمار چنڈ تھا۔ سرڈگلس نے کہا انہیں بلوالو۔ چنانچہ میں انہیں بلا لایا۔ جب وہ آئے تو سرڈگلس نے اُن سے کہا دیکھو! یہ حالات ہیں۔ میری جنون کی سی حالت ہو رہی ہے۔ میں اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں اور گھبرا کر اُس طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور اُن کی شکل مجھے کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں مجھ پر جھوٹا مقدمہ کیا گیا ہے۔ پھر دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں یہ سب کچھ جھوٹ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حالت پاگلوں کی سی ہے۔ اگر تم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ لیمار چنڈ نے کہا اِس میں کسی اَور کا قصور نہیں آپ کا اپنا قصور ہے۔ آپ نے گواہ کو پادریوں کے حوالے کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو کچھ اُسے سکھاتے ہیں وہ عدالت میں آ کر بیان کر دیتا ہے۔ آپ اُسے پولیس کے حوالے کریں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیا بیان دیتا ہے۔ چنانچہ اُسی وقت سرڈگلس نے کاغذ قلم منگوایا اور حکم دے دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کے حوالہ کیا جائے اور حکم کے مطابق عبدالحمید کو پادریوں سے لے لیا گیا اور پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ دوسرے دن یا اُسی دن اُس نے فوراً اقرار کر لیا کہ میں جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ لیمار چنڈ کا بیان ہے کہ میں نے اُسے سچ سچ بیان دینے کے لیے کہا تو اُس نے پہلے تو اصرار کیا کہ واقعہ بالکل سچا ہے۔ مرزا صاحب نے مجھے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن میں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص پادریوں سے ڈرتا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے حکم لے لیا ہے کہ اب تمہیں پادریوں کے پاس نہیں جانے دیا جائے گا۔ اب تم پولیس کی حوالات میں ہی رہو گے۔ تو وہ میرے پاؤں پر گر گیا اور کہنے لگا صاحب! مجھے بچا لو۔ میں اب تک جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ صاحب! آپ دیکھتے نہیں تھے کہ جب میں گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوتا تھا تو میں ہمیشہ ہاتھ کی طرف دیکھتا تھا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ جب پادریوں نے مجھے کہا کہ جاؤ اور عدالت میں بیان دو کہ مجھے مرزا صاحب نے ہنری مارٹن کلارک کے قتل کے لیے بھیجا تھا اور امرتسر میں مجھے فلاں مستری کے گھر میں جانے کے لیے ہدایت دی تھی (یہ دوست مستری قطب الدین صاحب تھے جن کا ایک پوتا اس وقت جامعہ احمدیہ میں پڑھتا ہے) تو میں نے کہا میں تو وہاں کے احمدیوں کو جانتا بھی نہیں۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں رہے گا اس پر مستری صاحب کا نام کوئلہ کے ساتھ

میری ہتھیلی پر لکھ دیتے تھے۔ جب میں گواہی دینے آتا تھا اور ڈپٹی کمشنر صاحب مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ تمہیں امرتسر میں کس کے گھر بھیجا گیا تھا۔ تو میں ہاتھ اُٹھاتا تھا اور اُس پر سے نام دیکھ کر کہہ دیتا تھا کہ مرزا صاحب نے مجھے فلاں احمدی کے پاس بھیجا تھا۔ غرض اُس نے ساری باتیں بتا دیں اور سرڈگلس نے اگلی پیشی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بری کر دیا۔ تو دیکھو! یہ سب واقعات ہمارے لیے آیاتِ بیّنات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سرڈگلس کے لیے اَور آیاتِ بیّنات بھی پیدا کیں۔ ایک آیتِ بیّنہ یہ تھی کہ انہیں ٹہلتے ٹہلتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر نظر آتی تھی اور وہ تصویر کہتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔

پھر انہوں نے خود مجھے سنایا کہ ایک دن میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک ہندوستانی آئی۔سی۔ایس آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ اپنی زندگی کے عجیب حالات میں سے کوئی ایک واقعہ بتائیں تو میں نے اسے یہی مرزا صاحب والا واقعہ سنایا۔ میں یہ واقعہ سنا رہا تھا کہ بیرے نے ایک کارڈ لا کر دیا اور کہا باہر ایک آدمی کھڑا ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا اُس کو اندر بلا لو۔ جب وہ شخص اندر آیا تو میں نے کہا نوجوان! میں آپ کو جانتا نہیں۔ آپ کون ہیں؟ اس نوجوان نے کہا آپ میرے والد کو جانتے ہیں۔ آپ ان کے واقف ہیں۔ ان کا نام پادری وارث دین تھا۔ میں نے کہا ہاں! میں ابھی ان کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ نوجوان کہنے لگا ابھی تار آئی ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ وارث دین ایک پادری تھا جس نے ڈاکٹر مارٹن کلارک کو خوش کرنے کے لیے اُس کی طرف سے یہ ساری کارروائی کی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے ڈپٹی کمشنر صاحب پر حق کھول دیا اور خود جو گواہ تھا اُس نے بھی اقرار کر لیا کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے یہ سب جھوٹ ہے۔ مگر عین اُس وقت جب سرڈگلس وارث دین کا ذکر کر رہے تھے اُس کے بیٹے کا وہاں آنا اور اپنے والد کی وفات کی خبر دینا عجیب اتفاق تھا۔ سرڈگلس اپنی موت تک جس احمدی کو بھی ملتے رہے اُسے یہ واقعہ بتاتے رہے۔ انہوں نے مجھے بھی یہ واقعہ سنایا۔ چودھری فتح محمد صاحب اور چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو بھی یہ واقعہ سنایا۔ 1924ء میں جب میں وہاں گیا تھا تو اُن کی صحت اچھی تھی۔ یہ بتیس سال قبل کی بات ہے۔ اب وہ ترانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ اِس لحاظ سے 1924ء میں ان کی عمر اکسٹھ سال تھی۔ اِس دفعہ جب میں انگلینڈ گیا تو میں نے انہیں بلایا تو انہوں نے معذرت کر دی اور کہا میں اب بڈھا ہو گیا ہوں اور

بہت کمزور ہوں۔اب میرے لیے چلنا پھرنا مشکل ہے۔اب سنا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔تو مجھے افسوس ہوا کہ موٹر ہمارے پاس تھی۔ہم موٹر میں ہی انہیں منگوا لیتے یا ان کے گھر چلے جاتے۔

تو یہ آیاتِ بینات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے انبیاء کی سچائی ظاہر کرتا رہتا ہے۔مومن کو چاہیے کہ وہ سچے معنوں میں مومن بننے کی کوشش کرے۔اگر وہ حقیقی مومن بنے تو اللہ تعالیٰ ضرور غیب سے ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن سے اُس کا ایمان تازہ ہوتا رہتا ہے۔اور درحقیقت ایسے ایمان کے بغیر کوئی مزہ بھی نہیں۔جس ایمان نے آنکھیں نہ کھولیں اور انسان کو اندھیرے میں رکھا اسکا کیا فائدہ۔جو اِس جہاں میں اندھا رہے گا وہ دوسرے جہاں میں بھی اندھا رہے گا۔اور جسے اس جہان میں آیاتِ بیّنات نظر نہیں آتیں اُس کو اگلے جہان میں بھی آیاتِ بیّنات نظر نہیں آئیں گی۔اِس دنیا میں آیاتِ بیّنات نظر آئیں تو دوسری دنیا میں بھی آیاتِ بیّنات نظر آتی ہیں۔

پس مومن کو ہمیشہ دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں لگے رہنا چاہیے کہ وہ دن اُسے نصیب ہو۔جب اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنی ذات کی سچائی اُس کے لیے کھول دے اور اُس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منور چہرہ اور خدا تعالیٰ کا نورانی چہرہ نظر آ جائے۔جب یہ ہو جائے تو پھر رات اور دن اور سال، تکلیف کے سال ہوں یا خوشی کے سال ہوں اس کے لیے برابر ہو جاتے ہیں۔اور چاہے کچھ بھی ہو ایسا آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے اور مطمئن رہتا ہے وہ کسی سے ڈرتا نہیں۔

جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب کرم دین بھین والا مقدمہ ہوا تو مجسٹریٹ ہندو تھا۔آریوں نے اُسے ورغلایا اور کہا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ضرور کچھ سزا دے اور اُس نے ایسا کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔خواجہ کمال الدین صاحب نے یہ بات سنی تو وہ ڈر گئے۔وہ کہنے لگے حضور! بڑے فکر کی بات ہے۔آریوں نے مجسٹریٹ سے کچھ نہ کچھ سزا دینے کا وعدہ لے لیا ہے۔آپ کسی طرح قادیان تشریف لے چلیں اور گورداسپور میں مزید عرصہ نہ ٹھہریں۔اگر آپ گورداسپور میں ٹھہرے تو مجسٹریٹ نے کل آپ کو کوئی نہ کوئی سزا ضرور دے دینی ہے۔حضرت صاحب نے فرمایا خواجہ صاحب! اگر میں قادیان چلا جاؤں تو وہاں سے بھی مجھے پکڑا جا سکتا ہے۔پھر میں کہاں جاؤں گا؟ مجسٹریٹ کو اختیارات حاصل ہیں۔اگر قادیان گیا تو وہاں بھی

وارنٹ آ سکتے ہیں۔ اور وہاں سے کسی دوسری جگہ گیا تو وہ بھی محفوظ جگہ نہیں ہوگی وہاں بھی وارنٹ جاری کیے جاسکتے ہیں۔ پھر میں کہاں کہاں بھاگتا پھروں گا؟ خواجہ صاحب کہنے لگے حضور! آریوں نے مجسٹریٹ سے کچھ نہ کچھ سزا دینے کا وعدہ لے لیا ہے۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے تھے۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا خواجہ صاحب! آپ کیوں پریشان ہو گئے ہیں؟ خدا تعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ چنانچہ یہی ہوا۔ دو مجسٹریٹ تھے جن کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اُن دونوں کو بڑی سخت سزا ملی۔ ان میں سے ایک تو معطّل ہوا اور ایک کا بیٹا پاگل ہو گیا اور چھت پر سے چھلانگ مار کر مر گیا۔ پھر اُس پر یہ اثر تھا کہ میں دلّی جا رہا تھا کہ وہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر مجھے ملا اور کہنے لگا۔ دعا کریں میرا ایک اَور بیٹا ہے خدا تعالیٰ اُسے بچالے۔ مجھ سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ بات پوری ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اور آریوں کو اُن کے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ پس اگر انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جائے تو پھر دنیا کی ہر شے اُس کی ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ

جےتوں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو 10

یعنی اگر تُو خدا تعالیٰ کا ہو جائے تو سب جہان تیرا ہو جائے گا دنیا کی کوئی چیز تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گی اور کوئی دشمن تمہارے خلاف کوئی شرارت نہیں کر سکے گا۔

پس تم اللہ تعالیٰ کے بنو اور دعا کرتے رہو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ اور اس طرح تم بھی امن میں آ جاؤ اور تمہاری اولاد اور دوسرے عزیز اور دوست بھی امن میں آ جائیں۔ یاد رکھو! جب تک جماعت امن میں نہیں رہے گی تم بھی امن میں نہیں رہ سکتے۔ اور جماعت اُسی وقت امن میں رہ سکتی ہے جب تمہاری آئندہ نسل امن میں ہو۔ پس تم سب کے لیے دعائیں کرو۔ جماعت کے لیے ہی دعائیں نہ کرو بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے بھی دعائیں کرو۔ پھر سب سے زیادہ مستحق دعا کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر سب لوگ آپؐ پر ایمان لے آئیں تو دنیا نجات پا جائے۔ پس وہ دعا کریں جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فائدہ پہنچے

اور آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد زیادہ ہو اور تا خدا تعالیٰ دنیا میں اسلام قائم کر دے اور ہر جگہ اسلام کی عزت اور توقیر ہو"۔ (الفضل 30 مارچ 1957ء)

---

1: النور: 47

2: السيرة النبوية لابن هشام ۔الجزء الثانی صفحہ 875، 876۔ حزن الرسول على حمزة و توعدهٔ المشركين بالمثلة. دمشق 2005ء

3: السيرة الحلبية جلد 3 صفحه 198 مطبوعه بیروت 1433ھ

4: الاستيعاب فی معرفة الاصحاب جلد 3 صفحه 191 مطبوعه بیروت 1995ء

5: السيرة الحلبية الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء

6: مسلم كتاب الايمان باب كَوْن الاسْلَامِ يَهْدِمُ مَا قبلهٗ

7: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ (الرعد: 42)

8: تفسیر رازی جلد 29 صفحہ 307 مطبوعہ طہران 1328ھ

9: یزید: اسد الغابة کے مطابق حضورؐ کے دور میں 100 افراد کا نام یزید تھا۔ ان میں سے ایک حضرت ابوسفیان کے بیٹے بھی تھے۔ یہ حضرت معاویہ کے بھائی اور حضرت ابوسفیان کے خاندان میں بہترین آدمی تھے۔ انہیں یزید الخیر کہتے تھے۔ ان کی کنیت ابو خالد تھی۔ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ (اسد الغابة اردو جلد سوم صفحہ 364 مطبوعہ لاہور 2011ء)

10: تذکرہ صفحہ 390۔ ایڈیشن چہارم 2004ء

10

# ایک اہم رؤیا اور اس کی تعبیر

دوستوں کو چاہیے کہ بکثرت استغفار کو اپنا شعار بنائیں اور دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو ہر شر سے محفوظ رکھے، اپنے فضل سے اسے کامیابی بخشے اور اس کی تائید و نُصرت فرمائے

(فرمودہ 29 مارچ 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پرسوں یا اترسوں رات میں نے ایک ایسی رؤیا دیکھی ہے جو اپنے اندر ایک انذاری پہلو رکھتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اِس کے انجام بخیر بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں قادیان میں ہوں اور اپنے گھر کے اُس صحن میں ہوں جو مسجد مبارک کی اوپر کی چھت کے ساتھ ہے۔ جہاں امۃ الحی مرحومہ رہا کرتی تھیں اور جس میں مَیں نے پہلے بھی ایک دفعہ رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تھا۔ اُس وقت دروازہ کے سامنے ٹاٹ کا کپڑا لٹکا کرتا تھا۔ رؤیا میں مَیں نے وہی ٹاٹ کا کپڑا لٹکا ہوا دیکھا مگر ٹاٹ کا وہ کپڑا ایک طرف کھسکا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ غیر احمدی مخالف ہیں اور اُن کی نیت اچھی نہیں۔ اُس وقت میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا انہی غیر احمدیوں نے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کیا تھا یا میں نے یہ سمجھا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ ہوں مجھ پر حملہ کیا تھا۔ بہرحال ذہن میں یہی

آتا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کیا تھا۔ تب میں نے بلند آواز سے کہا کہ اے احمدیو! تمہاری نادانی اور غفلت میں یہ لوگ ایک دفعہ پہلے حملہ کر چکے ہیں۔ اب تم کو پتا ہے کہ یہ لوگ حملہ کی نیت سے آئے ہیں؟ اگر اَب تم ان لوگوں کے شر کو دور کرنے کے لیے آگے نہ آئے تو تم خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ ؤ گے اور تمہیں سزا ملے گی۔ کیونکہ پہلی دفعہ تو تمہیں اس لیے معاف کر دیا گیا کہ انہوں نے تمہاری غفلت اور نادانی میں حملہ کیا تھا۔ مگر اَب تم دیکھ رہے ہو کہ یہ لوگ تم پر حملہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور بار بار میں اونچی آواز سے کہتا ہوں۔ اے احمدیو! آگے بڑھو۔ اے احمدیو! آگے بڑھو۔ میرے اِس کہنے پر چند غیر احمدی کُود کر اندر آ گئے اور اُن میں سے ایک میرے پیچھے کی طرف چلا گیا اور دو میرے سامنے آ گئے۔ جو شخص میرے پیچھے کی طرف گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میری کمر کے گرد ڈال لیے ہیں جسے پنجابی میں جپھّا مارنا کہتے ہیں۔ اس نے مجھے جپھّا مارا ہوا ہے یعنی اس نے میری کمر کو بھی پکڑا ہوا ہے اور میرے ہاتھ بھی پکڑے ہوئے ہیں۔ اُس وقت میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے۔ ان لوگوں کے کُودنے سے پہلے میں نے پستول چلانے کی کوشش کی مگر لبلبی دبی نہیں۔ میں نے اُس کو دبانے کے لیے بہتیرا زور لگایا مگر وہ نہیں دبی۔ جب میرے زور لگانے کے باوجود بھی لبلبی نہیں دبی تو میں نے رؤیا میں ہی سمجھا کہ یہ اصلی گولی والا پستول نہیں بلکہ کھلونا ہے لیکن ایسا کھلونا ہے جو آجکل نئے بنے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ ایسا بھاری بنا ہوا تھا کہ بڑے بھاری پستول کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ پس میں نے اپنے دل میں سمجھا کہ اگر لبلبی دبی نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ میں اُس کا کُندا[1] جو بڑا بھاری ہے اُن کے سر پر ماروں گا اور یہ بے ہوش ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں نے پستول کا کُندا ان غیر احمدیوں کے سر پر مارنے کی کوشش کی جو کُود کر میرے سامنے آ گئے تھے۔ مگر چونکہ ایک دوسرے شخص نے میری کمر اور میرے ہاتھ پیچھے کی طرف سے پکڑے ہوئے تھے اس لیے جب میں کُندا مارتا تھا۔ تو چوٹ اچھی طرح نہیں لگتی تھی۔ اِس طرح وہ بیہوش ہو کر گرے تو نہیں مگر یوں معلوم ہوا جیسے نیم بیہوشی کی حالت طاری ہو گئی ہے۔ پیچھے کی طرف سے ہاتھ پکڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے میرا ہاتھ کبھی کبھی اچٹ بھی جاتا ہے اور اس طرح اُن دو چار احمدیوں کو بھی جا لگتا ہے جو کُود کر اندر آ گئے ہیں۔ میں اُن کو بچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر بوجہ اِس کے کہ میرے ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں انہیں پستول کا کُندا جا لگتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی بیہوش سے ہیں لیکن غیر احمدیوں سے کم بیہوش ہیں۔ غیر احمدی تو نیم بیہوش ہیں لیکن

احمدیوں کی ایسی حالت ہے جیسے کوئی شخص پریشان سا ہوتا ہے۔ ان کو بھی چوٹ لگتی ہے مگر بہت ہلکی لگتی ہے۔

اِس رؤیا میں یہ دیکھنا کہ بعض غیر احمدیوں نے حملہ کا ارادہ کیا ہے اور وہ پہلے بھی حملہ کر چکے ہیں اپنے اندر خطرہ کا پہلو رکھتا ہے۔ پھر پستول کا نہ چلنا بھی خطرہ کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ بعد میں ان غیر احمدیوں کا اندر کُود کر آ جانا اور ان میں سے ایک کا مجھے پیچھے سے پکڑ لینا اور اُس کی وجہ سے میں نے جو گُندا مارنے کی کوشش کی ہے اس میں کامیاب نہ ہونا یہ بھی خطرہ کا پہلو رکھتا ہے۔ پھر اس گُندا کا کبھی کبھی کسی احمدی کو بھی لگ جانا یہ بھی خطرہ کا پہلو رکھتا ہے کہ اسی کشمکش میں بعض احمدیوں کو بھی دکھ پہنچ گیا۔ مگر آخر یہ انجام کہ وہ لوگ اپنے حملہ میں کامیاب نہ ہو سکے اور واپس چلے گئے یہ خوشی کا پہلو ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو مفسد لوگ حملہ کا ارادہ کریں گے وہ ناکام رہیں گے اور اس کا خمیازہ انہیں بُھگتنا پڑے گا اور انہیں احمدیوں سے زیادہ تکالیف پہنچیں گی۔

پس اِس موقع پر جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ دعا کریں اور خدا تعالیٰ کے حضور میں استغفار کریں اور اُس سے کہیں کہ اے اللہ! ہماری غفلت کی وجہ سے اگر دشمن احمدیت پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو تُو خود اس کے بچانے کے سامان پیدا کر۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے احمدیت کا پوری طرح دفاع نہ کر سکیں تو تُو ہمیں معذور سمجھ اور اس دفاع کو خود مکمل کر دے۔ پھر انہیں یہ بھی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ جو تھوڑا بہت شرّ اِس خواب میں بتایا گیا ہے اس سے بھی وہ ہمیں محفوظ رکھے اور اپنے فضل سے جماعت کو کامیابی بخشے اور اس کی نُصرت اور تائید فرمائے۔ اور نہ قادیان میں کہ میں نے رؤیا میں اپنے آپ کو قادیان میں دیکھا اور نہ ربوہ میں کسی جگہ بھی کسی قسم کی اذیت احمدیت کو نہ پہنچے بلکہ دونوں طرف احمدی محفوظ رہیں۔ اور خواب میں جو کمزور سی چوٹ احمدیوں پر دکھائی گئی ہے وہ اَور بھی کمزور ہو جائے بلکہ غائب ہی ہو جائے۔ اور وہ کسی قسم کے صدمہ کے بغیر دشمن کو بھگانے اور اسے ناکام رکھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور خواب میں دشمن کو جو چوٹیں لگی ہیں اور ان کی وجہ سے وہ نیم بیہوش ہو گئے ہیں خدا تعالیٰ اسے بدل کر انہیں پورا بیہوش کر دے۔ گویا احمدی تو حملہ سے پوری طرح محفوظ ہو جائیں مگر خواب میں بعض غیر احمدیوں کا حملہ جو دکھایا گیا ہے اور وہ ناکام سا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کو ظاہر میں بھی ایسا ہی کر دے۔ ہمارا حملہ تو کوئی چیز نہیں۔ حملہ تو فرشتوں نے کرنا ہے۔ خواب میں

فرشتہ کام کیا کرتا ہے۔اس لیے خواب میں جو میں نے دیکھا کہ میں حملہ آوروں کو پوری طرح ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہوا۔اس کے معنے یہ ہیں کہ فرشتے ناکام رہے ہیں۔اور فرشتوں کے ناکام ہونے کے معنے یہ ہیں کہ بعض دفعہ کچھ لوگ ایسے بھی نکل آتے ہیں جو توبہ اور استغفار کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اپنے اس توبہ اور استغفار کی وجہ سے بچ جاتے ہیں۔لیکن جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ اگر اس نے ان لوگوں کی توبہ اور استغفار کو قبول کیا تو اس کے ماننے والے اور معتقدین کو زیادہ نقصان پہنچے گا تو وہ ان کی توبہ اور استغفار کو نظر انداز کر دیتا ہے۔وہ اپنے ماننے والوں کو مدد دیتا ہے اور نہ ماننے والوں کے لیے جو امن کا موقع ہوتا ہے اُسے ضائع کر دیتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جماعت کی مدد کرے اور اگر اس کے اوپر کوئی حملہ ہونے والا ہے تو اُسے اس حملہ سے بچالے۔اور ان کی تائید ایسے رنگ میں کرے کہ وہ کامیاب وکامران ہونے کی صورت میں نکلیں۔اور اگر تھوڑی بہت اذیت احمدیوں کے لیے مقدّر رہے تو وہ اسے دور کر دے''۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:

''کچھ جنازے ہیں جو میں نماز جمعہ کے بعد پڑھاؤں گا۔

ایک جنازہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پرانی صحابیہ امام بی بی صاحبہ اہلیہ محمد اکبر صاحب ٹھیکیدار آف بٹالہ کا باہر پڑا ہے۔وہ نماز کے بعد مسجد سے باہر جا کر پڑھاؤں گا۔

جو جنازے میں نماز کے بعد مسجد میں پڑھاؤں گا اُن میں سے ایک جنازہ فضل بی بی صاحبہ اہلیہ الٰہ بخش صاحب سکنہ قلعہ لال سنگھ ضلع گورداسپور کا ہے۔مرحومہ صحابیہ تھیں اور جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان جانے والے پیدل قافلہ کا کھانا پکایا کرتیں اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سیالکوٹ کی طرف سے لوگ پیدل قادیان آیا کرتے تھے اور رستہ میں پڑنے والے دیہات کی جماعتیں ان کی ضیافت کیا کرتی تھیں۔شکار ماچھیاں کی جماعت اس بات میں خاص طور پر مشہور تھی۔

دوسرا جنازہ داروغہ ابتہاج علی صاحب زبیری شاہجہان پوری کا ہے۔مرحوم پرانے مخلص احمدی تھے۔ان کے بیٹے احتجاج علی صاحب بھی جو لائلپور میں رہتے ہیں بڑے مخلص ہیں۔

تیسرا جنازہ حاجی فضل محمد صاحب کابلی اور ان کی بیوی اور بچہ کا ہے۔حاجی صاحب

پشاور میں رہتے تھے۔ دشمن کسی بہانہ سے انہیں کابل لے گیا اور وہاں جا کر انہیں اور ان کی بیوی اور بچہ کو شہید کر دیا۔

چوتھا جنازہ بابو فضل احمد صاحب ولد چودھری علی بخش صاحب ساکن بھینی پسوال کا ہے۔ یہ بھوپال والا ضلع سیالکوٹ کی جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ تین چار سال ہوئے ربوہ آئے تو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ پھر وہ بھوپال والا واپس چلے گئے۔ وہاں ان پر دوبارہ حملہ ہوا اور اسی بیماری سے وہ فوت ہو گئے۔ میں نماز کے بعد ان سب کا جنازہ غائب پڑھاؤں گا۔ دوست میرے ساتھ شامل ہو جائیں۔ نماز کے بعد مسجد سے باہر جا کر دوسرا جنازہ پڑھاؤں گا۔ دوست اُس میں بھی شامل ہوں''۔

(الفضل 4 اپریل 1957ء)

---

1 : کُندا: بندوق کا پچھلا حصہ

11

# اللہ تعالیٰ اَصْدَقُ الصَّادِقِیْنَ ہے
# وہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دیتا ہے

جب کسی فرد یا قوم کے خلاف متواتر جھوٹ بولا جائے
تو خدا تعالیٰ کی مدد اور نُصرت اسے پہلے سے بھی زیادہ حاصل ہو جاتی ہے

(فرمودہ 12/اپریل 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کمزور ایمان لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کہ یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ۔1 ہر مصیبت کی آواز جو انہیں سنائی دیتی ہے اس کے متعلق وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ مصیبت ان کے خلاف پڑے گی اور انہیں تباہ کر دے گی۔ اس کے مقابلہ میں ایک مومن کے سامنے جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ غیر کے اوپر پڑے گی مجھ پر نہیں پڑے گی۔ میرے ساتھ تو میرا خدا ہے اور جب میرا خدا میرے ساتھ ہے تو مجھے کیا ڈر ہو سکتا ہے اور یہ مصیبت میرے اوپر کیوں پڑے گی؟ اگر کوئی ماں ڈنڈا لے کر باہر نکلے تو ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کیوں مارے گی۔ وہ تو اُن کے دشمنوں کو ہی مارے گی۔ بچے اگر روتے ہیں تو وہ بیوقوفی سے روتے ہیں ورنہ انہیں

سمجھنا چاہیے کہ یہ اگر ہماری ماں ہے اور ڈنڈا لے کر آئی ہے تو ہمارے دشمنوں کے لیے لے کر آئی ہے ہمارے لیے نہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ایسے کمزور ایمان لوگ اوّل تو اپنی عادتِ مستمرہ کے مطابق ہمارے خلاف جھوٹ بناتے ہیں اور پھر آپ ہی یہ نتیجہ بھی نکال لیتے ہیں کہ اگر کوئی ناپسندیدہ بات ہوئی ہوتو اس سے ڈر بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ پھر وہ ڈر اور خوف بھی ہماری طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں ایک اخبار نے لکھا کہ ربوہ کے خزانہ پر پولیس نے چھاپا مارا ہے جس سے وہاں کے ذمہ دار قادیانیوں میں کافی تشویش پائی جاتی ہے اور ہر فرد گھبرایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اب تم سارے جانتے ہو کہ یہ اس نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ نہ یہاں کوئی چھاپا مارا گیا ہے اور نہ کوئی ڈر رہا ہے۔ تم آرام سے آتے ہو۔ روزانہ درس سنتے ہو اور اطمینان سے واپس چلے جاتے ہو۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ ربوہ کے لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی ہوئی ہے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ ان کا خلیفہ اسی پریشانی کی وجہ سے جابہ اور ربوہ کے درمیان چکر کاٹ کر دل بہلا رہا ہے۔ اب بتاؤ میں جابہ میں ہوں یا تمہارے اندر کھڑا ہوں۔ غرض وہ اپنی بات کو پکّا کرنے کے لیے اپنے دل کا ڈر ہماری طرف منسوب کر رہے ہیں۔ حالانکہ اوّل تو یہ جھوٹ ہے کہ خزانہ پر کوئی چھاپا مارا گیا ہے۔ لیکن فرض کرو مارا گیا ہو تو جب ہم نے کوئی قانون شکنی ہی نہیں کی تو ہمیں ڈر کس بات کا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ناجائز طور پر چھاپا مارنے والا ہے تو وہ گورنمنٹ کے ہاتھوں خود پکڑا جائے گا ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈر تو کمزور مومنوں اور یا پھر بے ایمان لوگوں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ دیکھ لو! جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ اُحد میں تشریف لے گئے تو ایک موقع پر مسلمانوں کی بعض غلطیوں کی وجہ سے دشمن کو اس طرح ضرب لگانے کا موقع مل گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر اُن صحابہ کی لاشوں پر جا گرے جو آپ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور پھر کچھ اَور لاشیں آپ کے اوپر بھی آ گریں۔ صحابہ نے اُس وقت گھبراہٹ میں یہ سمجھا کہ شاید آپ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر فوراً مشہور ہو گئی۔ جب یہ خبر اپنوں اور بیگانوں میں پھیلی تو ابوسفیان نے بڑی خوشی منائی کہ چلو! ہمارا یہ ایک ہی دشمن تھا جو مارا گیا ہے اور اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ کہاں ہے محمد؟ اُس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے ان کو مار ڈالا ہے۔ اُس وقت تک

صحابہ کوشش کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے خَود کا کیل نکال چکے تھے اور آپ کو ہوش آ چکی تھی اور انہیں یقین ہو چکا تھا کہ آپ زندہ ہیں اور وہ ابوسفیان کی بات کا جواب دے سکتے تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چپ رہو۔ آپ نے خیال فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن پھر حملہ کر دے۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہاں ہے ابوبکر؟ حضرت ابوبکرؓ کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ خاموش رہو۔ چنانچہ آپ بھی خاموش رہے۔ پھر ابوسفیان اپنے اس جوش میں کہنے لگا کہاں ہے عمر؟ حضرت عمرؓ بڑے جوشیلے تھے۔ وہ جھٹ کہنے لگے کہ میں تمہارا سر توڑنے کے لیے یہاں موجود ہوں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! خاموش رہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں خاموش رہے۔ اس پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا **لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ** اے مسلمانو! دیکھو عُزّٰی بت ہمارے پاس ہے اور تمہارے پاس کوئی عُزّٰی نہیں۔ اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا اب کیوں نہیں بولتے؟ چونکہ آپ صحابہؓ کو بار بار حکم دے چکے تھے کہ اس وقت ہم کمزور اور زخمی ہیں اس لیے خاموش رہو تا ایسا نہ ہو کہ کُفّار مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیں اس لیے وہ اس بات پر بھی خاموش رہے۔ لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب بولتے کیوں نہیں؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا **یَارَسُوْلَ اللّٰہ**! ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا تم کہو **لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ** ابوسفیان نے کہا ہمارے پاس عُزّٰی بُت ہے مگر تمہارے پاس کوئی عُزّٰی نہیں۔ تم کہو ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے مگر تمہارے ساتھ کوئی خدا نہیں۔ 2

غرض مومن کسی حالت میں بھی نہیں گھبراتا اور وہ ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جنگِ اُحد میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور کُفّار کو فتح ہوئی تھی۔ لیکن نتیجہ کیا نکل آیا؟ مسلمان گھبرائے یا کُفّار گھبرائے؟ تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ مکہ والے ایسے گھبرائے کہ ابوسفیان اپنا سارا لشکر لے کر مکہ جا پہنچا۔ اِدھر مسلمان جو زخمی ہوئے تھے اور ایک موقع پر انہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اُن کی یہ حالت ہوئی کہ چونکہ اُحد مدینہ کے قریب تھا (اُحد اور مدینہ کے درمیان قریباً آٹھ میل کا فاصلہ تھا) اس لیے جب یہ خبر مدینہ والوں کو پہنچی تو مدینہ کی عورتیں اور بچے میدانِ جنگ کی طرف بھاگے۔ گویا کُفّار کا جرنیل ابوسفیان جو مرد تھا وہ تو ڈر

کرا پنے لشکر سمیت مکہ کی طرف جو تین سو میل کے فاصلہ پر تھا بھاگ گیا لیکن مسلمان عورتیں اور بچے میدانِ جنگ کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ پتا لینے کے لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ تو دیکھو! کتنا بڑا فرق ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ کا شہر خالی ہو جاتا اور لوگ وہاں سے بھاگ جاتے لیکن بھاگا ابوسفیان۔ وہ اپنے لشکر کو لے کر مکہ جا پہنچا۔ اور بھاگا بھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں مسلمان اسے مار نہ دیں اور اس کے مقابلہ پر مسلمان عورتیں دلیری سے اپنے بچوں کو لے کر میدانِ جنگ میں جا پہنچیں۔ غرض مسلمانوں کے حوصلے دیکھو اور کفار کی بزدلی دیکھو۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ جو مسلمان نہیں تھے وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ اس کا بُرا نتیجہ ہمارے لیے ہی نکلنا ہے لیکن مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو بظاہر شکست ہوئی ہے اس کا نتیجہ ہمارے لیے اچھا ہی نکلے گا۔ چنانچہ ان کی عورتیں اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک عورت جب دوڑتی ہوئی میدانِ جنگ کی طرف آ رہی تھی تو رستہ میں اسے ایک آدمی ملا جو اس کا واقف تھا۔ اُس عورت نے اس سے دریافت کیا کہ بتاؤ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس عورت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زندہ ہونے کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ لیکن وہ صحابیؓ میدانِ جنگ سے آ رہے تھے اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زندہ ہونے کا یقین تھا اُس لیے انہوں نے بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی بات کہنے کے اس عورت سے کہا کہ بی بی! مجھے بہت افسوس ہے کہ تیرا باپ اور تیرا خاوند اور تیرا بھائی تینوں اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگی میں نے کب تجھ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تھا یا میں نے کب تجھ سے اپنے بھائی کے متعلق سوال کیا تھا یا میں نے کب تجھ سے اپنے خاوند کے متعلق دریافت کیا تھا۔ میں نے تو تجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ مگر اس صحابیؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر اُس عورت نے کہا تجھے خدا تعالیٰ کی قسم! تُو کوئی اَور بات نہ کر تُو میری اِس بات کا جواب دے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ یہ جواب سن کر اُس عورت نے کہا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیریت سے ہیں تو باقی سب مصیبتیں اِس خوشی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔3 پھر وہ کہنے لگی بھائی! مجھے یہ

تو بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں کہاں؟ آپ لشکر سے ذرا ایک طرف ہٹ کر کھڑے تھے۔ اس صحابیؓ نے اس طرف اشارہ کر کے کہا آپ اُدھر کھڑے ہیں۔ اس پر وہ عورت دوڑتی ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اور محبت کے جوش میں آپ کے پاؤں میں گر گئی اور آپ کا دامن پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا کر کہنے لگی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیا کرتے ہیں؟ یہ فقرہ تو تھا مہمل اور بے معنٰی لیکن عورتیں غم کے موقع پر اس قسم کے فقرے بول لیا کرتی ہیں۔ اِس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی وفات کی خبر جو مشہور ہوئی ہے یہ گویا آپ نے ہی مشہور کرائی تھی حالانکہ یہ حادثہ اتفاقی طور پر پیش آیا تھا۔ لیکن وہ اپنے غم میں سب کچھ بھول گئی اور کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیا کرتے ہیں؟

اب دیکھو! خطرہ کی خبر سن کر مسلمانوں کا دل کتنا بڑھ گیا لیکن جو لوگ مومن نہیں تھے ان کا دل اتنا گھٹا کہ فتح پانے کے بعد بھی مکہ پہنچ گئے۔ یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے۔ ان کے قول کے مطابق چھاپا تو ربوہ پر مارا گیا ہے اور گھبرا یہ رہے ہیں اور پھر اس گھبراہٹ کو ربوہ والوں کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ روزانہ اطمینان سے درس سنتے ہیں اور اب ہزاروں کی تعداد میں جمعہ میں بھی بیٹھے ہیں۔ مگر آپ لوگوں کو تو ربوہ میں رہنے کے باوجود اِس خبر کا علم تک نہیں۔ اور ان لوگوں کو لاہور میں اس بات کا علم ہو گیا کہ ربوہ والے گھبرا رہے ہیں۔ اور میں یہاں مسجد میں خطبہ دے رہا ہوں اور وہ خبر شائع کرتے ہیں کہ احمدیوں کا خلیفہ پریشانی کی وجہ سے جابہ اور ربوہ کے درمیان چکر کاٹ کر دل بہلا رہا ہے۔ حالانکہ حالت یہ ہے کہ میں طبیعت کی خرابی کے باوجود آج کل قرآن کریم کے ترجمہ کی اصلاح کر رہا ہوں۔ پھر دوسرے کاموں کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے کوفت ہوتی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ میں کسی جگہ جا کر چند دن آرام کروں لیکن میں آرام نہیں کرتا تا کہ رمضان کے دنوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ مگر اس اخبار کا معتبر راوی ربوہ سے لکھتا ہے کہ خلیفہ صاحب بھاگ کر جابہ چلے گئے ہیں۔ تم جو یہاں بیٹھے ہو معتبر راوی نہیں۔ لیکن اس اخبار کا نامہ نگار معتبر راوی ہے۔

ان کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو کسی عدالت میں چپڑاسی تھا۔ ایک دن وہ مجسٹریٹ کے پاس گیا اور کہنے لگا حضور! مجھے دس دن کی رُخصت عطا کی جائے۔ مجسٹریٹ کہنے لگا آج کل

کام کے دن ہیں کچھ دن ٹھہر جاؤ۔ پھر چھٹی مل جائے گی۔ اس پر وہ کہنے لگا حضور! مجھے کئی سال چھٹی مانگتے ہو گئے لیکن مجھے چھٹی نہیں ملی۔ جب بھی چھٹی مانگتا ہوں۔ یہی جواب دیا جاتا ہے کہ آجکل کام کے دن ہیں چند دن ٹھہر جاؤ۔ لیکن میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ مجسٹریٹ نے کہا کیوں؟ میں بھی تو یہاں کام کر رہا ہوں۔ اگر تم چند دن کام کر لو تو کیا حرج ہے؟ اِس پر وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے اور میرے بچے یتیم ہو گئے ہیں۔ آپ مجھے چھٹی کیوں نہیں دیتے؟ ایسی نوکری کو میں نے کیا کرنا ہے کہ بیوی بیوہ ہو جائے اور بچے یتیم ہو جائیں اور پھر بھی چھٹی نہ ملے؟ مجسٹریٹ کہنے لگا تیری عقل ماری گئی ہے۔ بیوی تو تب بیوہ ہوتی ہے جب اُس کا خاوند مر جائے مگر تُو تو یہاں زندہ موجود ہے اور پھر بچے اس وقت یتیم ہوتے ہیں جب ان کا باپ مر جائے اور تُو یہاں زندہ موجود ہے اور خود اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ میرے بچے یتیم ہو گئے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تُو زندہ موجود ہو اور پھر تیرے بچے بھی یتیم ہو جائیں اور تیری بیوی بھی بیوہ ہو جائے۔ چپڑاسی کہنے لگا میں اتنا بیوقوف تو نہیں ہوں یہ بات میری سمجھ میں بھی آتی ہے لیکن گھر سے ایک معتبر نائی آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے اور میرے بچے یتیم ہو گئے ہیں۔

اِسی طرح ربوہ سے بھی اس اخبار کا معتبر نامہ نگار لکھتا ہے کہ خلیفہ صاحب بھاگ کر جابہ پہنچ گئے ہیں اور ربوہ والے تشویش اور گھبراہٹ کی وجہ سے دوڑے پھر رہے ہیں۔ انہیں چُھپنے کے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ گویا ان کے پاس بھی معتبر نائی آ گیا ہے۔ وہ معتبر نائی تو محض روایتی تھا مگر یہ سچ مچ کا معتبر نائی ہے جس کی رپورٹ اخبار میں چھپی ہے کہ ربوہ میں بڑی سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ ربوہ والے بھاگے پھر رہے ہیں اور خلیفہ صاحب جابہ میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ بالکل اُسی معتبر نائی والا قصّہ ہے۔ حالانکہ مومن کا طریق تو وہ ہوتا ہے جو صحابہؓ نے جنگِ اُحد کے موقع پر دکھایا کہ بجائے گھبراہٹ کے ان کا ایمان اَور بھی بڑھ گیا اور عورتیں اور بچے دوڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔

ایک اَور صحابی حضرت انسؓ بن نضر کی نسبت آتا ہے کہ جب مسلمانوں کو پہلے پہل جنگِ اُحد میں فتح نصیب ہوئی تو چونکہ انہوں نے رات سے کھانا نہیں کھایا تھا وہ ذرا پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔ ان کے پاس دس بارہ کھجوریں تھیں انہوں نے خیال کیا کہ وہ ایک طرف ہو کر کھجوریں کھا لیں۔ چنانچہ وہ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور کھجوریں بھی کھاتے جاتے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ بعد میں

دشمن نے مسلمانوں کی پُشت پر سے حملہ کر کے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بچا رہے تھے اور آپؐ کے آگے کھڑے ہو کر لڑ رہے تھے۔ صرف بارہ تھے جو اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس تھے اور اُن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیچے گرے اور آپؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی اِس صدمہ میں یہ خیال کر کے کہ شاید اس خبر کو سن کر مدینہ سے کچھ اَور لوگ پہنچیں اور ان کے ساتھ مل کر ہم آپ کا بدلہ لیں حضرت عمرؓ میدانِ جنگ سے باہر آ گئے اور ایک چٹان پر بیٹھ کر رونے لگ گئے۔ حضرت انسؓ بن نضر اُس وقت ٹہلتے ٹہلتے کھجوریں کھا رہے تھے انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو روتے دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا عمر! اسلام کو فتح ہوئی ہے اور تم رو رہے ہو؟ یہ رونے کا کونسا موقع ہے؟ یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے انس! شاید تمہیں پتا نہیں کہ بعد میں کیا ہوا؟ انسؓ نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ دشمن نے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا اور اس حملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت انسؓ کے پاس اُس وقت صرف ایک ہی کھجور تھی جو منہ میں ڈالنے کے لیے تیار تھے مگر انہوں نے جب یہ بات سنی تو کہا عمر! اگر یہ واقعہ جو تم نے بیان کیا ہے درست ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں تب بھی یہ رونے کا کونسا وقت ہے۔ جدھر ہمارا محبوب گیا ہے اُدھر ہی ہمیں بھی جانا چاہیے۔ اگر ہمارا محبوب اس دنیا میں نہیں تو ہم نے اس دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے؟ ہمارا محبوب اگلے جہان چلا گیا ہے تو ہم بھی وہیں جائیں گے اِس دنیا میں ہمارا کوئی کام نہیں۔ پھر اُنہوں نے اس کھجور کو جو اُن کے ہاتھ میں تھی نیچے پھینکا اور کہنے لگے میرے اور جنت کے درمیان سوائے تیرے اَور کونسی روک ہے؟ اِس کے بعد انہوں نے تلوار سونت لی اور میدانِ جنگ میں چلے گئے۔ کُفّار کا لشکر پیچھے ہٹ چکا تھا مگر ابھی میدانِ جنگ میں کھڑا تھا تا کہ موقع دیکھ کر دوبارہ حملہ آور ہو سکے۔ انسؓ اُس لشکر پر جا پڑے۔ وہ تین ہزار کا لشکر تھا اور یہ اکیلے تھے۔ انہوں نے غصہ میں انسؓ پر اتنی ضربیں لگائیں کہ جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ مسلمانوں کو فتح دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے کہا جاؤ اور انس کو تلاش کرو۔ چنانچہ کچھ لوگ تلاش کے لیے گئے۔ لیکن انسؓ نہ ملے۔ انہوں نے واپس آ کر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! انسؓ نہیں ملے، اُن کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

فرمایا پھر جاؤ اور تلاش کرو۔ چنانچہ وہ پھر گئے اور انسؓ کو تمام میدانِ جنگ میں تلاش کیا۔ مگر پھر بھی وہ نہ ملے۔ وہ واپس آ گئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ ! انسؓ کا کوئی پتا نہیں لگا۔ آپؐ نے فرمایا: پھر جاؤ اور تلاش کرو۔ انسؓ کے جسم کے اُس وقت ستّر ٹکڑے ہو چکے تھے جو پہچانے نہیں جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اُن کے کسی قریبی رشتہ دار کو ساتھ لے جاؤ جو اُن کی لاش کو پہچان سکے۔ اِس ارشاد کی تعمیل میں صحابہؓ انسؓ کی بہن کو ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ ایک انگلی کٹی پڑی تھی۔ اُن کی بہن نے اُسے پہچان لیا اور کہا یہ میرے بھائی کی انگلی ہے۔ آپ کی کٹی ہوئی انگلیاں بکھری پڑی تھیں، ٹانگیں الگ پڑی تھیں، ہاتھ الگ پڑے تھے اور دھڑ الگ کٹا پڑا تھا۔ آپ کی انگلی پر کوئی پرانا زخم تھا جس کی وجہ سے آپ کی بہن نے پہچان لیا کہ یہ میرے بھائی کی انگلی ہے۔ غرض لاش کے ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی گئی کہ انسؓ کی لاش مل گئی ہے۔4

تو مومن کو اوّل تو ایسے واقعات پیش نہیں آتے۔ لیکن اگر پیش آ جائیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگا نہیں پھرتا۔ بلکہ مومن تو ایسے واقعات کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ یہ نعمت آتی کب ہے۔ جنگِ اُحد میں دیکھ لو دشمن نے اپنی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مار دیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔

اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دشمنوں نے کئی حملے کیے۔ آپ کے خلاف عدالت میں نالشیں کیں اور آپ کو قتل کروانے کے منصوبے کئے اور کئی آدمی قتل کرنے کے لیے بھیجے مگر آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر دفعہ محفوظ رہے۔ میرے ساتھ بھی ایسے دس بارہ واقعات ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک عیسائی مجھے قتل کرنے کے لیے آیا۔ بعد میں اُس نے عدالت میں اقرار کیا کہ میں مرزا صاحب کو قتل کرنے کے لیے گیا تھا مگر آپ پھیرو چیچی گئے ہوتے تھے قادیان میں نہیں تھے۔ میں پھیرو چیچی گیا تا وہیں آپ کو قتل کر دوں۔ مگر وہاں جا کے میں نے دیکھا کہ ان کے پاس کوئی مہمان آیا ہوا ہے اور وہ ایک جگہ بیٹھا بندوق صاف کر رہا ہے (وہ مہمان نہیں تھا بلکہ میرے ایک کلرک یحیٰی خاں صاحب مرحوم تھے۔ اِس وقت میرے دفتر میں جو عبداللطیف خاں کلرک ہے اور ننھا کہلاتا ہے اس کے والد تھے)۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور واپس آ گیا اور خیال کیا کہ پھر کوئی

موقع ملا تو انہیں قتل کر دوں گا۔ لیکن جب میں واپس اپنے گاؤں گیا تو مجھے اپنی بیوی کی بدکاری کی خبر ملی جس پر غصہ میں مَیں نے اُسے قتل کر دیا اور پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔ تو اب دیکھو! وہ شخص مجھے قتل کرنے کے لیے آیا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے خود میری حفاظت کی اور بچا لیا اور عدالت نے جب اُس سے دریافت کیا تو کیوں مرزا صاحب کو قتل کرنے گیا تھا؟ تو اُس نے کہا میں نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی ایک تقریر سنی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے بزرگوں کی بڑی ہتک کرتے ہیں۔ اِس پر مجھے جوش آ گیا اور میں انہیں قتل کرنے کے لیے چلا گیا۔

پھر یہاں اِسی مسجد میں ایک شخص نے چاقو سے مجھ پر دو دفعہ وار کیا اور اب تک اس کے چاقو کا ایک ٹکڑا میرے جسم میں موجود ہے۔ ولایت میں ڈاکٹروں نے جو میرا ایکسرے لیا تھا اُس سے یہ بات ثابت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حملہ میں بھی محفوظ رکھا۔ یہاں جو ڈاکٹر علاج کے لیے آئے تو انہوں نے کہا تھا کہ چاقو کا کوئی حصہ جسم میں نہیں رہا مگر جرمنی کے ایک ڈاکٹر سے میں نے اس بات کا ذکر کیا تو اُس نے کہا یہ درست نہیں۔ چاقو کا سرا اَب تک آپ کی کمر میں موجود ہے۔ میں نے کہا کیا آپ یہ بات لکھ کر دے سکتے ہیں؟ اس نے کہا مجھے لکھ کر دینے کی کیا ضرورت ہے میں ایکسرے آپ کو دے دوں گا۔ آپ اسے شائع کر دیں۔ پھر حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

اِسی طرح قادیان میں ہمارے گھر کی دیوار پر ایک شخص چڑھتا ہوا پکڑا گیا جو مجھ پر حملہ کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور وہ اُس پر چڑھ رہا تھا کہ پکڑا گیا اور بعد میں اس نے اقرار کر لیا کہ اُسے بہکا کر بھیجا گیا تھا۔

اِسی طرح ایک دفعہ دارالانوار کی کوٹھی میں میرے ایک بچے نے مجھے کہا کہ باہر ایک آدمی آپ کو ملنا چاہتا ہے۔ جب میں اس سے ملنے کے لیے باہر گیا تو عبدالاحد صاحب پٹھان جو اِس وقت قادیان میں درویش ہیں وہاں موجود تھے وہ پہرہ پر مقرر نہیں تھے۔ پہرہ پر خان میر صاحب ہوا کرتے تھے مگر وہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ بہرحال عبدالاحد خان صاحب وہاں موجود تھے۔ جب وہ آدمی میری طرف بڑھا تو انہوں نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا اور کہا یہ شخص قتل کی نیت سے آیا ہے۔ چنانچہ اُس کی تلاشی لی گئی تو اُس کی شلوار میں سے چُھرا نکلا۔ میں نے کہا خان صاحب! آپ کو کیسے پتا لگ گیا کہ اس کی شلوار میں چُھرا ہے؟ وہ کہنے لگے ہم پٹھان لوگ عام طور پر اپنی شلوار میں ہی چُھرا رکھا کرتے ہیں

اور جب وہ ہماری ٹانگ کو چُھتا ہے تو ہم اپنی ٹانگ کو اِس طرح ہلاتے ہیں۔ اِس شخص نے بھی اِسی طرح کی حرکت کی تھی جس سے مجھے شُبہ ہوا کہ اس کی شلوار میں چُھرا ہے اور میں نے اسے پکڑ لیا۔

تو اب دیکھو لوگ مجھے قتل کرنے کے لیے میرے گھر پر بھی آئے۔ دیواروں پر بھی انہوں نے چڑھنے کی کوشش کی، پھیروچیچی میں بھی میرے پیچھے ایک شخص پستول لے کر پہنچا لیکن خدا تعالیٰ میری حفاظت کرنے والا تھا۔ اُس نے مجھے ہر دفعہ محفوظ رکھا۔ تو جن کی حفاظت خدا تعالیٰ خود کر رہا ہو اُن کو کس بات کی گھبراہٹ ہوسکتی ہے؟ گھبراہٹ تو کمزور ایمان والے کو اور یا پھر بے ایمان کو ہوتی ہے۔ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اُس کو گھبراہٹ نہیں ہوسکتی۔ وہ تو ہر وقت مطمئن رہتا ہے اور اسے تسلی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے رات دن اُس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ پھر وہ اپنے چلن کو بھی اس طرح رکھتا ہے کہ کبھی قانون شکنی نہیں کرتا۔ آخر زیادہ خطرہ تو قانون شکن کو ہی ہو سکتا ہے لیکن مومن ہمیشہ قانون شکنی سے بچتا ہے اور خدا تعالیٰ کا بھی اسے یہی حکم ہے۔ اور جب وہ ہر وقت قانون شکنی سے بچتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص اُس پر حملہ کرے گا تو جھوٹا ہی کرے گا۔ اور اگر وہ جھوٹا حملہ کرے گا تو میرا سچا خدا اُس کو پکڑ لے گا اور دشمن مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

غرض قرآن کریم نے ہمیں پہلے سے بتا دیا ہے کہ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ کمزور ایمان والے لوگ دنیا کی ہر مصیبت کو اپنے اوپر سمجھ لیتے ہیں لیکن مومن ہر مصیبت کو غیر کے لیے سمجھتا ہے۔ جیسے ایک دفعہ مدینہ میں شدید بارش ہوئی تو لوگ گھبرائے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! شدید بارش ہو رہی ہے اور اس کی وجہ سے ہماری جانیں اور ہمارے جانور اور ہماری فصلیں خطرہ میں ہیں۔ اگر بارش نہ رُکی تو تباہی آ جائے گی۔ آپ دعا فرمائیں کہ بارش رک جائے۔ اِس پر آپ نے دعا فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا کہ اے اللہ! یہ بارش ہمارے اردگرد پڑے ہمارے اوپر نہ پڑے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے وہاں سے بادلوں کو ہٹا دیا اور بارش مدینہ کے اردگرد پڑنے لگی۔5

تو اب دیکھو! مومن میں تو یہ بھی طاقت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی بَلا کسی اَور کے گلے پڑ جائے۔ جیسے مشہور ہے کہ طویلے 6 کی بَلا بندر کے سَر۔ جب کوئی شخص اس پر بَلاء مسلّط کرنا چاہتا ہے تو وہ چونکہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ وہ بَلاء اس کے دشمن

کے سر پر ڈال دیتا ہے اور وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

پس مومنوں کو ہمیشہ خدا تعالیٰ پر توکّل کرنا چاہیے۔ خصوصاً رمضان کے مہینہ میں کیونکہ یہ دن ایسے ہیں جن سے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں اس مہینہ میں اپنے بندوں کے قریب ہو جاتا ہوں اور وہ جو دعا مجھ سے مانگیں میں اُسے سنتا ہوں۔ پس جو دن دعاؤں کے لیے مخصوص ہیں ان میں تو خصوصیت سے کسی قسم کی گھبراہٹ بھی مومن کے قریب نہیں آ سکتی۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہوتی ہے کہ انسان مصلّٰی پر گر جائے اور اُس وقت تک سجدہ سے سر نہ اُٹھائے جب تک اُسے یقین نہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ میری اس دعا کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور جب کوئی شخص خدا تعالیٰ پر اس قسم کا توکل کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ 7 یعنی جب میرا کوئی بندہ مجھ پر پورا اعتبار کر کے میرے آگے گرتا ہے تو میں وہی کچھ کرتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ میں حاکم ہوں مگر پھر بھی جب میرا بندہ مجھ پر اس قسم کا توکل کرتا ہے تو میں اُس کی بات ماننے کو تیار ہو جاتا ہوں کیونکہ اُس نے اپنا سب کچھ میرے حوالہ کر دیا ہوتا ہے۔ پس رمضان کے دنوں میں دوستوں کو خاص طور پر دعائیں کرنی چاہییں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مخالفوں کی ناکامی ایک یقینی بات ہے لیکن کم سے کم اتنا نتیجہ تو ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ہمارے ساتھ نہیں۔ اُن کے دلوں میں جماعت کے متعلق نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس ہمیں خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہییں کہ دشمن تو لوگوں میں ہمارے متعلق نفرت پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اے خدا! تُو نفرت کی بجائے لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کر دے۔

قریباً ایک ماہ کی بات ہے میں نے مسجد میں آ کر نماز پڑھائی۔ تو ایک آدمی آگے آیا اور اس نے کہا میں نے بیعت کرنی ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میں ڈھاکہ سے آیا ہوں۔ میں نے کہا آپ تو پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا یہ درست ہے۔ میں رہنے والا تو قصور کا ہوں اور تاجر قوم میں سے ہوں لیکن اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈھاکہ میں مقیم ہوں۔ میں ہوائی فوج میں ملازم ہوں اور فلائیٹ افسر ہوں۔ وہاں سے میں بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی تجارت بھی اچھی خاصی ہے۔ کیونکہ اب کے میں کراچی گیا تو وہ

وہاں مجھے ملا اور اس نے مجھے بتایا کہ میری ایک بڑی مشین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نوکری چھوڑ کر اپنا کاروبار کروں۔ آپ اس بارہ میں مجھے مشورہ دیں۔ میں نے کہا کہ اگر تو تمہاری مشین ایسی ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اس سے ملازمت سے زیادہ آمدن ہوسکتی ہے تو کچھ عرصہ تک رُخصت لے کر کام شروع کر دو۔ بعد میں استعفٰی دے دینا۔ بہرحال بیعت کے وقت میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تمہیں بیعت کرنے کی تحریک کیسے ہوئی؟ تمہارا شہر تو سخت مخالف ہے۔ وہ کہنے لگا مجھے بیعت کی تحریک ایک احراری لیکچرار لال حسین صاحب اختر کی ایک تقریر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میں نے کہا وہ تو سلسلہ کا سخت مخالف ہے اُس کی تقریر کی وجہ سے آپ کو بیعت کی تحریک کیسے ہوئی؟ وہ کہنے لگا میں تو اس کی تقریر کی وجہ سے احمدی ہوا ہوں۔ میں نے اس کی ایک تقریر سنی تھی۔ اُس تقریر میں اُس نے احمدیت کو سخت گالیاں دیں۔ جب وہ گالیاں دے چکا تو میں نے سوچا کہ اب ان لوگوں کے پاس صرف گالیاں ہی رہ گئی ہیں۔ اگر کوئی دلیل ہوتی تو وہ دلیل بھی دیتا۔ چونکہ اس نے تقریر میں کوئی دلیل نہیں دی اس لیے وہ سچا نہیں ہوسکتا۔ اِس پر میں نے فیصلہ کرلیا کہ جب بھی مجھے پنجاب جانے کا موقع ملا میں آپ کی بیعت کر لوں گا۔ تو دیکھو اس مخالف لیکچرار نے تو چاہا تھا کہ ہمارے خلاف لوگوں میں نفرت پھیلائے لیکن ہوا یہ کہ اُس کی تقریر کی وجہ سے ایک فوجی افسر احمدی ہوگیا۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ اس شخص کا گالیاں دینا ہی اِس بات کی دلیل ہے کہ احمدیت کے خلاف اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

اِسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک مولوی صاحب آئے۔ وہ شاعر بھی تھے اور بڑے مشہور ادیب بھی تھے۔ نواب صاحب رام پور نے انہیں اردو محاورات کی لغت لکھنے پر مقرر کیا ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ نواب صاحب رام پور کے پاس مشہور شاعر مینائی کے مسودات پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اردو کی ایک بڑی بھاری لغت لکھی تھی۔ مگر ابھی اسے مکمل نہیں کیا تھا کہ وہ وفات پا گئے۔ نواب صاحب رام پور نے وہ مسودات مجھے دیئے ہیں اور کہا ہے کہ تم انہیں مکمل کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پوچھا کہ رام پور میں تو ہماری بڑی مخالفت ہے اور آپ وہاں کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو بیعت کرنے کی طرف توجہ کیسے ہوئی؟ وہ کہنے لگے مجھے کسی نے درثمین دی تھی۔ میں چونکہ خود شاعر ہوں میں نے آپ کا کلام پڑھا جس کی وجہ سے میں بہت متأثر ہوا کیونکہ اس میں محبتِ رسول بھری پڑی تھی۔ اس کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب وہاں آئے اور انہوں

نے ایک تقریر کی ۔ اُس تقریر میں انہوں نے بتایا کہ مرزا صاحب اسلام کے سخت دشمن ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں ۔ میں نے اُن کی تقریر سن کر سمجھا کہ مرزا صاحب ضرور سچے ہیں ورنہ ان مولوی صاحب کو آپ کے متعلق اتنا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی ۔ جس شخص کے اندر اِس قدر محبتِ رسول ہے کہ اُس کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے اُس کے متعلق اگر کوئی مولوی کہتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن ہے تو وہ یقیناً جھوٹا ہے ۔ اور جس شخص پر وہ ہتکِ رسول کا الزام لگاتا ہے وہ سچا ہے ورنہ اس تقریر کرنے والے کو جھوٹے دلائل دینے کی کیا ضرورت تھی ۔ وہ سچی بات کہتا کہ اگرچہ اس شخص نے درثمین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعریف کی ہے ، خدا تعالیٰ کی بڑی تعریف کی ہے مگر ہے جھوٹا ۔ اگر وہ ایسا کہتا تو پھر تو کوئی بات بھی تھی ۔ لیکن اس نے سچائی کو بالکل ترک کر دیا اور کہا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگوئی کرتا ہے ۔ میں نے اس کی تقریر سنی تو فوراً سمجھ لیا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں اور میں آپ کی بیعت کے لیے تیار ہو گیا ۔

تو حقیقت یہ ہے کہ بسا اوقات دشمن تو یہ کوشش کرتا ہے کہ مومنوں کے خلاف لوگوں میں جوش پیدا کرے لیکن بجائے جوش اُبھرنے کے وہ بات مومنوں کے حق میں مفید ہو جاتی ہے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا بھی ایک واقعہ ہے جو اس کی سچائی کی شہادت دیتا ہے ۔ ایک شخص کسی ایسے قبیلے کا تھا جو اسلام کا سخت دشمن تھا وہ مسلمان ہو گیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تُو مسلمان کیسے ہو گیا ہے؟ تو وہ کہنے لگا اصل بات یہ ہے کہ میری فلاں قوم سے رشتہ داری تھی ۔ ایک دفعہ میں اپنے ان رشتہ داروں کو ملنے کے لیے گیا ۔ اُس قوم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ واعظ بھیجنے کی درخواست کی تھی اور درخواست میں یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں ۔ آپ نے چالیس حفاظِ قرآن بھجوا دیئے جن میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ کے وہ غلام بھی تھے جو ہجرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے ۔ وہ شخص کہنے لگا کہ جب میں اپنے رشتہ داروں کے پاس بطور مہمان ٹھہرا ہوا تھا تو یہ حفاظ بھی وہاں پہنچ گئے ۔ ان لوگوں میں سے جس شخص نے حفاظ بھیجنے کے لیے کہا تھا اور عرب کا بڑا رئیس تھا وہ تو دیانتدار تھا اور بعد میں مسلمان بھی ہو گیا تھا لیکن اُس کے دوسرے رشتہ دار مخالف تھے ۔ جب حفاظ وہاں پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو جمع کر لیا (جس طرح ہمارے ہاں گندم کی کٹائی

کے موقع پر لوگ جمع کر لیے جاتے ہیں ) تا کہ سب مل کر ان حفاظ کو قتل کر دیں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میرے رشتہ دار میرے پاس بھی آئے اور انہوں نے کہا کہ آج ثواب کا موقع ہے، ہم نے ان صابیوں کو مارنا ہے (مسلمان کو وہ صابی کے نام سے پکارا کرتے تھے )۔ میں نے کہا چلو! میں اُس وقت اسلام کو جانتا بھی نہیں تھا۔ سینکڑوں آدمی ان مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے اور مقابلہ میں وہ صرف چالیس افراد تھے۔ کُفّار نے اُن پر تیر چلانے شروع کر دیئے۔ مسلمان اپنے بچاؤ کے لیے ایک پہاڑی ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کُفّار نے جب دیکھا کہ اُن کے تیر رائیگاں جا رہے ہیں تو انہوں نے تجویز کی کہ کسی طرح انہیں دھوکا دے کر نیچے اُتارا جائے۔ چنانچہ ان کے افسر نے مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ تم نیچے اُتر آؤ ہم قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ جو صحابیؓ ان حفاظ کے سردار تھے وہ تو اپنی جگہ پر اَڑے رہے اور انہوں نے کہا کہ کُفّار کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کے غلام دھوکا میں آ گئے اور وہ نیچے آ گئے۔ وہ مطمئن تھے کہ قسم کھانے کے بعد کُفّار انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن انہوں نے غداری کی اور انہیں اُترتے ہی نیزہ مار دیا۔ جب وہ اس نیزے کی وجہ سے نیچے گرے تو بے اختیار ان کی زبان سے یہ فقرہ نکلا کہ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ 8۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ وہ شخص کہنے لگا مجھے یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ اس شخص کو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے سینکڑوں میل دور ایک اجنبی ملک میں کسمپرسی کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ قسمیں کھانے کے باوجود دھوکا بازی کی گئی ہے۔ لیکن جب یہ زمین پر گرتا ہے تو کہتا ہے فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کیا بات ہے؟ بہر حال اُس وقت تو میں خاموش رہا۔ مگر میرے دل میں یہ بات گڑ گئی۔ اس کے بعد میرے رشتہ داروں نے ان حفاظ کو باری باری قتل کیا اور ان میں سے جو شخص بھی نیچے گرا اُس نے یہی الفاظ کہے کہ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ جب میں گاؤں میں واپس آیا تو میں نے اپنے ایک رشتہ دار سے دریافت کیا کہ تم نے ان لوگوں کو باری باری نہایت بے رحمی سے قتل کیا ہے۔ وہ ایک اجنبی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے بیوی بچے اور دوسرے رشتہ دار اُن سے سینکڑوں میل دور تھے مگر اُس وقت بجائے ہائے میری بیوی! ہائے میرے بچو! کہنے کے وہ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ کہتے ہیں۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ میرے اُس رشتہ دار نے کہا یہ لوگ پاگل ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں بڑا

انعام ملے گا اس لیے جب وہ اپنے دین کی تائید کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے۔ وہ شخص کہنے لگا اِس نظارہ کا تصوّر کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اب مدینہ جا کر ان لوگوں کے سردار کو دیکھوں گا۔ چنانچہ میں راستہ پوچھتا ہوا مدینہ آ پہنچا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی بیعت کر لی۔9

تاریخوں میں لکھا ہے کہ اُس پر اِس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ جب بھی کسی مجلس میں وہ اس واقعہ کو بیان کرتا تو اُس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وہ یہ واقعہ بیان کر رہا تھا اُس نے کہا کہ تم اِس وقت بھی میری قمیص اُٹھا کر دیکھ سکتے ہو کہ میرے جسم کے بال کھڑے ہیں۔ چنانچہ جب اُس کی قمیص اٹھائی گئی تو واقع میں اُس کے بال کھڑے تھے۔

تو دیکھو! اُس شخص کے رشتہ دار تو اُسے اپنے ساتھ اس غرض سے لے گئے تھے کہ اس کے اندر اسلام سے نفرت پیدا کریں۔لیکن وہ سیدھا مدینہ پہنچا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔تو مومن ڈر اور خوف کی باتوں سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ وہ اَور زیادہ دلیر ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نُصرت اَور بھی زیادہ زور سے میرے شاملِ حال ہوگی۔اس لیے اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ پر حکومت نے چھاپا مارا ہے اور اس نے ضروری کاغذات اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں جس کی وجہ سے ربوہ کے احمدی سخت گھبرائے پھرتے ہیں اور خلیفہ ڈر کے مارے جابہ چلا گیا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان خطبہ دے رہا ہوں۔ یہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور جب وہ جھوٹ بول رہے ہیں تو اُن کی کسی جھوٹی خبر پر ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس وہ سچے کا مددگار رہے گا جھوٹے کا نہیں کیونکہ وہ اَصْدَقُ الصَّادِقِیْنَ ہے اور ہمیشہ سچوں کا ساتھ دیتا ہے۔ پھر جب کسی فرد یا قوم کے خلاف متواتر جھوٹ بولا جائے اور اس کی طرف غلط باتیں منسوب کی جائیں تو لازمی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی مدد اور نُصرت بھی اُسے پہلے سے بہت زیادہ حاصل ہونی شروع ہو جائے گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کہے گا کہ میری خاطر اور مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے ان لوگوں پر یہ مصیبت آئی ہے۔اب میرا فرض ہے کہ میں ان کو بچاؤں۔آخر تم نے کوئی

چوری نہیں کی، قتل نہیں کیا، خونریزی نہیں کی۔ صرف اتنا ہی کہا ہے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ۔ اللہ ہمارا رب ہے اور اسی وجہ سے کہیں تم مارے جاتے ہو۔ کہیں تمہارا پانی بند کر دیا جاتا ہے۔ کہیں تمہارے خلاف اخبارات جھوٹ بولتے ہیں۔ اور جب تمہیں صرف اس بات کی سزا مل رہی ہے کہ تم نے کہا اللہ ہمارا رب ہے تو خدا تعالیٰ بے غیرت تو نہیں کہ چپ کر کے بیٹھ رہے۔ وہ کہے گا کہ ان لوگوں کو چونکہ میرا نام لینے کی وجہ سے سزا مل رہی ہے اس لیے انہیں دشمن سے بدلہ لینے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ان کا بدلہ لوں گا کیونکہ یہ سزا ان کے اپنے کسی قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے ہے۔ پس میں خود ان کی حفاظت کروں گا اور ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان حائل ہو جاؤں گا''۔

(الفضل 21 اپریل 1957ء)

---

1 : المنافقون:5

2 : صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد میں '' اللّٰہ مَوْلَانَا وَلَا مَولیٰ لَکُم'' کے الفاظ ہیں۔

3 : سیرت ابن ھشام جلد3 صفحہ 105 مطبوعہ 1936ء

4 : السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 862 شأن انس بن النضر دمشق 2005ء

5 : صیح بخاری کتاب الاستسقاء باب الدعاء اذا کثر المطر حوالینا ولا علینا

6 : طویلے: اصطبل، چوپاہوں کے باندھنے کی جگہ۔ ''طویلے کی سزا بندر کے سر'' کہاوت یعنی قصور کسی کا اور مارا کوئی جائے۔ مصیبت کسی اَور کی اور سر پڑی کسی دوسرے کے (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 3 صفحہ 205 کراچی 2008ء)

7 : صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالیٰ و یُحَذّرکم اللّٰہُ نَفْسَہٗ

8 : صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع (الخ)

9 : سیرت ابن ھشام جلد2 صفحہ 971 مطبوعہ دمشق 2005ء

12

# مختلف ممالک میں اسلام اور احمدیت کی ترقی کے آثار

## تبلیغ کے جو نئے رستے کھل رہے ہیں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اُن میں ہمیں کامیابی بخشے

(فرمودہ 19 اپریل 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پچھلے ہفتہ میں نے پھر رؤیا میں اپنے آپ کو قادیان میں دیکھا ہے اور آج رات بھی میں نے ایسا ہی نظارہ دیکھا۔ آج رات جو نظارہ میں نے دیکھا ہے اس میں کچھ انذار کا بھی پہلو تھا۔ لیکن وہ انذار کا پہلو احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ وہ انذار کا پہلو غیر مسلموں کے لیے تھا۔ مگر چونکہ اس کے بیان کرنے سے بات لمبی ہو جاتی ہے اس لیے میں اس بات کو آج بیان نہیں کرتا کیونکہ رمضان کی وجہ سے کچھ تو سارا دن قرآن کریم کی تلاوت کرنی پڑتی ہے اور جمعہ کے سوا باقی دنوں میں دوسرے کاموں کے علاوہ قرآن کریم کے ترجمہ پر نظرِ ثانی کرنے کا کام بھی ہوتا ہے اس سے بہت کوفت ہو جاتی ہے۔ پھر آج جمعہ پر آنے سے تھوڑی دیر قبل ہی ایک خاتون نے اپنی مصیبتوں کا ذکر شروع کر دیا۔ چونکہ اُس خاتون کا ہمارے خاندان سے پرانا تعلق ہے اس لیے مجھے اُس کی باتیں سننی پڑیں جس کی وجہ سے طبیعت میں اَور بھی کوفت پیدا ہوئی۔ اس لیے آج میں مختصراً ہی بتاتا ہوں۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں کہا تھا کہ تم بعض لوگوں کے مرتد ہو جانے سے گھبراؤ

نہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ اگر تم سچے مومن ہو اور تم سے نکلنے والا واقعی مرتد ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمہیں ایک جماعت دے گا 1 اور میں نے بتایا تھا کہ چند لوگوں کے مرتد ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جماعت کو خاص طور پر ترقی دینی شروع کی ہے۔چنانچہ فلپائن سے بہت سی بیعتیں آئی ہیں۔اُس وقت میں نے بتایا تھا کہ 72 بیعتیں آ چکی ہیں۔اس کے بعد اَور بیعتیں آئیں اور پھر نئی جگہوں سے آئیں۔چنانچہ اب ان کی تعداد 78 ہو چکی ہے۔اسی طرح ڈچ گی آنا سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں ایک نئے شہر میں احمدی جماعت قائم ہوگئی ہے اور اُن لوگوں میں اسلام اور احمدیت کے متعلق تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔پھر آج کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) سے ایک انگریز عورت کی بیعت کا خط آیا ہے جو بہت لائق عورت ہے اور کئی کالجوں میں پڑھاتی رہی ہے۔وہ لکھتی ہے کہ میں دیر سے اسلام لائی ہوئی تھی لیکن اس کے اظہار کا مجھے موقع نہیں ملا تھا۔اب میں نے لوگوں کو بتا دیا ہے کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں اور میں نے اسلام کی تبلیغ بھی شروع کر دی ہے۔اِسی طرح وی آنا سے ایک تعلیم یافتہ عورت کا خط آیا ہے کہ وہ اسلام کی تحقیق کر رہی ہے۔وہ عورت غالباً ڈاکٹر ہے۔اِسی طرح اَور مختلف ممالک سے خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت اور اسلام کی ترقی کی خبریں آ رہی ہیں۔پچھلے ہفتے کوئی آٹھ دس بیعتیں امریکہ سے بھی آئی ہیں اور لکھا تھا کہ ایک نئی جگہ سے بھی بعض بیعتیں آئی ہیں جہاں حال ہی میں جماعت قائم ہوئی ہے۔لیکن ہم ابھی تک امریکہ سے خوش نہیں کیونکہ گو وہاں نئی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں لیکن نئے مبلغ نہیں جا رہے اور وہاں کا رئیس التبلیغ یہ شکوہ کرتا رہتا ہے کہ ہمیں کوئی چندہ نہیں آتا۔حالانکہ اُن سے پہلے اِس چندے سے دُگنا چندہ آتا تھا جو اَب آتا ہے۔یہ نئے رئیس التبلیغ 1944ء میں گئے ہیں اور جب سے یہ گئے ہیں کچھ ایسی نحوست پڑی ہے کہ وہاں کے مشن کے چندے کم ہو گئے ہیں اور احمدیوں کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔جب مفتی محمد صادق صاحب امریکہ گئے تھے تو اُس وقت سات ہزار سے زیادہ احمدی ہوئے تھے۔پھر ان کے بعد ماسٹر محمد دین صاحب کے زمانہ کے بعض مخلص احمدی اب بھی شکاگو میں موجود ہیں۔اب کچھ دنوں سے پھر کچھ حبشی نومسلموں کے خطوط آنے شروع ہوئے ہیں کہ ان کے علاقہ میں احمدیت کی ترقی ہو رہی ہے۔لیکن میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ امریکہ اتنا بڑا ملک ہے کہ کوئی انچارج مبلّغ ایک جگہ بیٹھ کر تمام مشنوں پر کنٹرول نہیں کر سکتا۔اس لیے اس ملک کے سب مشنوں کو الگ الگ کر دیا جائے

اور رئیس التبلیغ کا جھگڑا ختم کر دیا جائے۔ رئیس التبلیغ صاحب اپنے علاقہ میں تبلیغ کریں اور بتائیں کہ ان کی تبلیغ کی وجہ سے کتنے نئے احمدی ہوئے ہیں اور کتنا چندہ آیا ہے۔ اس سے پتا لگ جائے گا کہ ان کا مشن چلنے لگ گیا ہے یا نہیں۔ اِس وقت کام دوسرے مبلّغ کرتے ہیں اور اُن کے مشنوں کی آمد رئیس التبلیغ صاحب پر خرچ ہو جاتی ہے۔ پس میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر مشن اپنے چندے سے اپنا کام چلائے۔ وہ اپنا چندہ اپنے علاقہ سے باہر نہیں بھیجے گا اور براہِ راست ہم سے تعلق رکھے گا۔ ہم اُس کی نگرانی کریں گے تا ہمیں ہر مشن کے متعلق پتا لگتا رہے کہ وہ کیا کام کر رہا ہے۔ اور براہِ راست مرکز سے تعلق کی وجہ سے مشنوں کو بھی احساس ہو کہ ان کے کام کی نگرانی ہو رہی ہے۔ آخر امریکہ ہندوستان سے تین گُنا وسیع ملک ہے اور اتنے بڑے ملک میں ایک جگہ بیٹھ کر سارے ملک پر نگرانی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان کے لیے سارے ملک پر نگرانی کرنا مشکل ہے اور ہمارے لیے بھی نگرانی کرنا مشکل ہے۔ تو پھر ہم خود کیوں نگرانی نہ کریں۔ کیوں مبلغین میں سے ایک کا نام رئیس التبلیغ رکھ کر دوسروں کے اندر رقابت کا جذبہ پیدا کریں۔ وہ اپنی جگہ کا انچارج مشنری رہے۔ ہاں! اگر ہمیں موجودہ انچارج مشنری یا کسی دوسرے مشنری کو اُس کے علاقہ سے باہر بھیجنا پڑے تو وہ چلا جائے۔ ورنہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کام کرے۔

بہرحال مختصراً میں نے بتایا ہے کہ بیرونی ممالک میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی ترقی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اب کیپ ٹاؤن میں بھی ایک عورت نئی احمدی ہوئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہاں یہ پہلی عورت احمدی ہوئی ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی وہاں دو بھائی احمدی ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو چند سال ہوئے فوت ہو گیا ہے اور دوسرا ابھی زندہ ہے اور مجھے پچھلے سفر یورپ میں لندن میں ملا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام یوسف سلیمان تھا اور دوسرے کا نام عمر سلیمان ہے۔ یوسف سلیمان جو پرانے احمدی تھے وہ فوت ہو گئے ہیں۔ عمر سلیمان ابھی زندہ ہیں۔ جب میں انگلستان گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے پاس سے خرچ دے کر اپنے مرحوم بھائی کی یادگار میں ہماری لندن مسجد کی ایک دیوار بنوائی ہے اور اس پر جلی حروف میں یہ لکھوایا ہوا ہے کہ یوسف سلیمان کی یاد میں یہ کتبہ لگایا جاتا ہے۔ یوسف سلیمان بہت مخلص تھے۔ عمر سلیمان اتنے مخلص نہیں تھے۔ لیکن اب وہ زیادہ تعلق رکھنے لگ گئے ہیں اور مخلص احمدی ہیں۔ غرض جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ دو بھائی

کیپ ٹاؤن کے پرانے احمدی تھے۔ ان کے والد احمدی نہیں تھے۔ مگر یہ دونوں انگلستان میں احمدی ہوئے تھے۔ اب ایک انگریز عورت احمدی ہوئی ہے۔ اسے گویا تیسرا احمدی کہنا چاہیے لیکن چونکہ اب وہاں کوئی اَور احمدی نہیں ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلی احمدی عورت ہے۔ یوسف سلیمان صاحب 1946ء میں قادیان میں میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ میں کلکتہ سے ہو کر ساؤتھ افریقہ جاؤں گا۔ وہاں ہماری جائیداد ہمارے غیر احمدی رشتہ داروں کے قبضہ میں ہے اُس کی بھی نگرانی کروں گا اور تبلیغ بھی کروں گا۔ مگر وہ جاتے ہی فوت ہو گئے اور تبلیغ نہ کر سکے۔

یہ ساؤتھ افریقہ کے اُس خاندان سے تھے جس نے سب سے پہلے وہاں آزادی کی تحریک چلائی تھی۔ عمر سلیمان نے مجھے بتایا تھا کہ جب گاندھی جی ساؤتھ افریقہ گئے اور پہلی دفعہ انہیں سیاسی کام کرنا پڑا تو وہ میرے باپ کے پاس ہی ٹھہرے تھے اور انہی سے مل کر انہوں نے ایک انجمن بنائی تھی۔ اس کے بعد وہ ہندوستان آ گئے اور یہاں آ کر وہ ایک بڑے لیڈر بن گئے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہاں اب ایک انگریز عورت احمدی ہوئی ہے اور اس نے لکھا ہے کہ میں نے تبلیغ شروع کر دی ہے۔ خدا کرے کہ اس کے ذریعہ وہاں ایک بڑی جماعت پیدا ہو جائے۔ وہاں ہندوستانیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر وہ عورت ہندوستانیوں میں تبلیغ کرے تو اسے زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی حقارت پائی جاتی ہے اور انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کی حقارت پائی جاتی ہے مگر انگریزوں کا ہندوستانیوں پر ابھی تک رُعب قائم ہے۔ اگر کوئی انگریز ہندوستانیوں میں تبلیغ کرے تو وہ فوراً ماننے کو تیار ہو جائیں گے۔ پس اگر وہ عورت ہندوستانیوں میں تبلیغ کرے تو ممکن ہے وہ کامیاب ہو جائے۔

مغربی افریقہ سے ایک اَور خوشکن اطلاع یہ آئی ہے کہ وہاں کے ایک احمدی دوست جو بڑے رئیس ہیں اسمبلی کی ممبری کے لیے کھڑا ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پہلے بھی وہ اسمبلی کے ممبر تھے مگر اَب وہ اسمبلی ٹوٹ گئی ہے۔ نئے انتخاب ہونے والے ہیں۔ اِس دفعہ ان کی پارٹی کو ان پر اتنا اعتبار ہے کہ وہ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ وزیر ہو جائیں۔ دوست ان کے لیے دعا کریں کہ وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہو جائیں۔ یہاں پاکستان میں تو ہمیں خالی ممبریاں ملنی بھی مشکل ہیں مگر ان علاقوں میں ہمارے دوست اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں مگر وہ وزارتوں پر بھی ہاتھ مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اگر وزارت میں ہمارا کوئی آدمی آجائے تو وہ بڑا مفید ہوسکتا ہے۔ مثلاً آج ہی شائع ہوا ہے کہ غانا کی حکومت نے ساری افریقی حکومتوں کو دعوت دی ہے کہ ہم سب ایک مشترکہ اجلاس کریں۔ اگر ہمارا کوئی آدمی وزارت میں آجائے تو دوسرے ممالک سے تعلقات پیدا کرنے کا موقع نکل سکتا ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ ہمارے تعلقات سوڈان کے وزراء سے بھی ہو جائیں، لیبیا کے وزراء سے بھی ہو جائیں، حبشہ کے وزراء سے بھی ہو جائیں، لائبیریا کے وزراء سے بھی ہو جائیں اور ان سارے علاقوں میں تبلیغ کے نئے رستے کُھل جائیں۔ وہ لوگ ہیں تو بہت وسیعُ الخیال مگر لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ مثلاً لیبیا کے بادشاہ نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے ملک میں آپ لوگوں کا مبلّغ آنے دوں گا۔ لیکن بعد میں لوگوں سے ڈر گیا۔ پس دعا کرو کہ تبلیغ کے جو نئے رستے کُھل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں ہمیں کامیابی بخشے اور ان کے علاوہ اَور بھی نئے راستے کھولے۔

پھر دوست یہ بھی دعا کریں کہ ہمارا اردو ترجمۃ القرآن عمدگی کے ساتھ شائع ہو جائے اور پھر تفسیر بھی لکھی جائے۔ قرآن کریم کے تراجم میں سے روسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اب امریکہ میں اس پر نظرِ ثانی ہو رہی ہے۔ انگریزی میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ڈچ زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے، جرمن میں بھی شائع ہو چکا ہے، سپینش زبان میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔ یہ پانچ تراجم ہو گئے۔ ان کے علاوہ پرتگیزی اور اٹالین زبانوں میں بھی تراجم ہو رہے ہیں۔ یہ دونوں ملا کر سات تراجم ہیں جو ہماری طرف سے یورپین زبانوں میں ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ پھر ہندی اور گورمکھی زبانوں میں بھی تراجم ہو رہے ہیں۔ اردو ترجمہ مکمل ہو جائے تو یہ دس تراجم ہو جائیں گے۔ انڈونیشین زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ ہو رہا ہے، سواحیلی زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے، لوگنڈا زبان میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے، اِسی طرح اب مشرقی افریقہ سے یہ اطلاع آئی ہے کہ ٹانگانیکا کے علاقہ کی زبان چونکہ دوسرے علاقوں سے مختلف ہے اس لیے وہاں کی زبان میں بھی ترجمہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ سارے تراجم شائع ہو گئے تو پندرہ بیس تراجم ایسے ہوں گے جو ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا ثواب ساری جماعت کو پہنچے گا۔ کیونکہ یہ کام اِسی طرح ممکن ہوا ہے کہ ہمارے ایک غریب سے غریب آدمی نے بھی اپنی تھوڑی بہت پونجی لا کے دے دی۔

ہماری جماعت کی حالت اُس بڑھیا عورت کی سی ہے جو سُوت کی دو اَٹیاں لے کر حضرت یوسفؑ کو خریدنے کے لیے آئی تھی۔ قصہ مشہور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بازار میں فروخت ہونے کے لیے آئے تو ایک بڑھیا بھی آئی اور اس نے کہا میں نے بھی بولی دینی ہے۔ کسی نے کہا بی بی! بولی دینے کے لیے تیرے پاس روپیہ بھی ہے؟ اُس نے کہا روپیہ تو میرے پاس موجود نہیں۔ یہ دو سُوت کی اَٹیاں ہیں۔ اس نے کہا جب تیرے پاس روپیہ ہی نہیں ہے تو تُو بولی دینے کے لیے کیوں آئی ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اَور کوئی بولی دینے والا نہ ہو اور مجھے ان دو سُوت کی اَٹیوں کے بدلہ میں ہی یوسف مل جائے۔ تمہاری مثال بھی اس عورت کی سی ہے۔ تم نے بھی اپنی سُوت کی اَٹیاں پیش کر دی ہیں۔ مگر یوسف کی خریدار بڑھیا عورت تو اپنی دو اَٹیاں لے کر واپس چلی گئی تھی۔ اسے یوسف نہیں ملا تھا۔ مگر خدا نے تمہاری اَٹیوں کو قبول کر لیا ہے اور تم کو یوسفِ قرآن مل گیا ہے۔ گو تمہارے چندے اور تمہاری قربانیاں یوسف کو خریدنے والی بڑھیا کی طرح ہی تھیں مگر خدا تعالیٰ نے تمہاری اَٹیوں کو قبول کر لیا اور قرآن کریم کا یوسف تمہیں مل گیا لیکن اس بڑھیا کی اَٹیوں کو قبول نہ کیا گیا اور یوسف بادشاہ کے ایک وزیر کے گھر میں پہنچ گئے۔ مگر تمہارا یوسف تمہیں ایسا ملا ہے کہ مصر کے ایک شدید مخالف اخبار نے بھی لکھا کہ گزشتہ تیرہ سَو سال سے مسلمان بادشاہ بھی موجود تھے، اسلامی حکومتیں بھی تھیں مگر ان میں سے کسی کو اسلام پھیلانے کی وہ توفیق نہ ملی جو اس غریب جماعت کو ملی ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' ہم اپنی حقیقت اور اپنی کمزوریوں کو خوب جانتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ

پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار2

ہم ایک ذلیل مٹی کی طرح ہوتے یا کوڑا کرکٹ کی طرح ہوتے جس کو اُٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مٹی اور کوڑا کرکٹ کو قبول کر لیا اور اسلام کی خدمت کی ذمہ داری اس غریب جماعت پر ڈال دی۔ اور پھر اس کو اس کام کی توفیق دی اور اسے کامیاب بھی کر دیا۔ اور پھر بڑے بڑے شدید دشمنوں سے یہ اقرار بھی کرا لیا کہ درحقیقت اسلام کی خدمت کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

مجھے ایک اَور بات بھی یاد آ گئی کہ امریکہ سے وہ کتاب بھی آ گئی ہے جس کا ذکر

چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے اپنی جلسہ سالانہ کی تقریر میں کیا تھا کہ ایک اٹالین عورت نے اسلام کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی ہے کہ کسی مسلمان نے بھی ویسی کتاب نہیں لکھی۔ اب اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا ہے اور وہ چھپ کر آٹھ دس دن ہوئے یہاں پہنچ گیا ہے۔ ابھی اس کی ایک ہی جلد آئی ہے۔ اگر وہ لائبریریوں میں رکھی جائے اور انگریزی دان لوگ اسے پڑھیں تو ہوسکتا ہے کہ اَور کتابیں بھی منگوالی جائیں اور پھر پاکستان میں اس کی اشاعت کی صورت نکل آئے''۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:

''نماز کے بعد میں کچھ جنازے پڑھاؤں گا۔

(1) منظور احمد صاحب پٹواری مال لاہور تپ دق سے ہسپتال میں فوت ہو گئے ہیں اور ہسپتال والوں نے انہیں لاوارث سمجھ کر نہ تو ان کا جنازہ پڑھا اور نہ ہی ان کی قبر بنائی۔ پیدائشی احمدی تھے۔

(2) عبدالحفیظ خان صاحب ابن عبدالغفور خاں صاحب پشاور۔ تپ دق سے ڈاڈر سینی ٹوریم میں بیمار تھے۔ وہیں فوت ہوئے۔ لکھنے والا لکھتا ہے کہ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ اُن کا جنازہ کسی نے پڑھا بھی ہے یا نہیں۔

(3) عبدالغفور خاں صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کراچی فوت ہو گئے ہیں۔ دیر سے بیمار تھے۔ رمضان المبارک کی وجہ سے جنازہ میں بہت کم لوگ شریک ہو سکے۔

(4) والدہ صاحبہ سلطان محمود صاحب انور کھاریاں ضلع گجرات فوت ہوگئی ہیں بارش کی وجہ سے زیادہ احباب جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

میں ان چاروں کا جنازہ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھاؤں گا۔ سب دوست میرے ساتھ نماز جنازہ میں شریک ہوں''۔ (الفضل 27 اپریل 1957ء)

---

1 : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ (المائدۃ:55)

2 : درثمین اردو۔ زیرعنوان ''مناجات اور تبلیغ حق''

(13)

# افریقہ، امریکہ اور یورپ میں نئی مساجد کی تعمیر اور ان کی اہمیت

## پاکستان کی احمدی جماعتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر نئی مساجد تعمیر کرنے کی کوشش کریں

(فرمودہ 3 مئی 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اس ہفتہ جو خبریں باہر سے آئی ہیں ان میں سے بعض تو ابھی ایسی حالت میں ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کا ابھی موقع نہیں آیا۔ لیکن خوشخبریاں ایسی ہیں کہ ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مشرقی افریقہ میں ہماری کچھ مساجد بنی تھیں۔ میں نے شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ کو ان کے فوٹو بھیجنے کے لیے لکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان مساجد کے فوٹو بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک مسجد ایسی ہے جس کے متعلق مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ ساٹھ سال کی بنی ہوئی ہے جبکہ سید محمود اللہ شاہ صاحب مرحوم وہاں رہتے تھے۔ مگر معلوم نہیں شیخ مبارک احمد صاحب کو کیا ہوا کہ اَب تک انہوں نے اس کا فوٹو نہیں بھیجا تھا۔ لکھنے پر انہوں نے اس کا فوٹو بھیجا ہے۔

مساجد کے جو فوٹو مشرقی افریقہ سے آئے ہیں اُن میں سے ایک نیروبی کی مسجد کا ہے۔

ایک مسجد ممباسہ میں بنی ہے جس کا فوٹو ہے۔ یہ مسجد ایک عورت نے بنوائی ہے جو بیوہ ہے۔ اُس نے ساٹھ ہزار روپیہ اس کی تعمیر کے لیے دیا ہے۔ یہ عورت ہمارے سابق امیر کی جو اَب فوت ہو چکے ہیں بیوہ ہے۔ اس نے اپنی ساری پونجی جو اُس کے خاوند نے اپنے بعد چھوڑی تھی اُس سے ممباسہ کی مسجد بنوا دی ہے۔ چونکہ مسجد پر اس سے زیادہ رقم خرچ ہوتی تھی اس لیے بعض اَور احمدیوں نے بھی اپنا چندہ اس کی مد میں جمع کرایا اور بعض لوگوں نے قرضہ دے دیا۔ اِس طرح ممباسہ میں ایک بڑی عالی شان مسجد بن گئی۔ پھر ان میں دارالسلام کی مسجد کا فوٹو بھی ہے جو نئی بنی ہے۔ یہ مسجد بھی لوکل احمدیوں نے مقامی طور پر چندہ جمع کر کے بنوائی ہے۔ یہ بہت ہی شاندار مسجد ہے۔ فوٹو بتاتا ہے کہ مسجد کے افتتاح کے موقع پر انگریز، سکھ، ہندو اور عیسائی لوگ اس کے صحن میں بیٹھے شیخ مبارک احمد صاحب کی تقریر سن رہے ہیں۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ ہم اس مسجد کا افتتاح کرتے ہیں تا کہ اس میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ ہمارے مبلغ امری عبیدی جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں وہ بھی وہاں موجود ہیں۔ شیخ مبارک احمد صاحب بھی فوٹو میں ہیں، مولوی محمد منور صاحب، مولوی محمد ابراہیم صاحب کمپالہ والے بھی ہیں۔ غرض سارے مبلغ نظر آ رہے ہیں۔ جو لوگ صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں فوٹو سے ان کی تعداد سینکڑوں کی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ تو کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور بعض آدمی شوق سے زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں اور مسجد کی عمارت بڑی عالی شان نظر آ رہی ہے۔

کل ایک خبر یہ بھی آئی ہے کہ کمپالہ میں بھی ایک مسجد تیار کی جا رہی ہے۔ اس مسجد کے بننے میں دیر ہوئی تو میں نے مبلغ انچارج سے دریافت کیا تھا کہ یہ بنتی کیوں نہیں؟ جس کے جواب میں انہوں نے یہ اطلاع بھجوائی ہے کہ وہاں گورنمنٹ نے ایک قطعہ زمین مسجد کی تعمیر کے لیے احمدیوں کو دیا تھا اور حسبِ قاعدہ گورنمنٹ نے رسمی طور پر اس کی قیمت بھی طلب کی تھی۔ وہ قیمت احمدیوں نے ادا کر دی تھی لیکن اس کے بنانے میں دیر ہوگئی تو جماعت کے دوستوں نے مجھے لکھا کہ یہ ٹکڑا زمین کا اچھی قیمت پر بِک سکتا ہے۔ اگر اجازت دیں تو اس کو بیچ کر کوئی اَور قطعہ زمین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں نے کہا فروخت کر دو اور اس کی قیمت سے اَور زمین لے کر مسجد بنا لو۔ اب انہوں نے اطلاع دی ہے کہ مسجد کے لیے زمین مل گئی ہے اور نقشہ بنا کر پیش کر دیا گیا ہے۔ منظوری کے بعد مسجد کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ یہ مسجد ملا کر مشرقی افریقہ میں چار مشہور شہروں میں چار بڑی مساجد ہو جاتی ہیں۔

نیروبی میں ایک، ممباسہ میں ایک، دارالسلام میں ایک، کمپالہ میں ایک، ان کے علاوہ کئی اَور چھوٹی چھوٹی مساجد بھی ہیں۔

ویسٹ افریقہ میں بھی ہماری کئی مساجد ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شاندار مساجد بنانے کا رواج نہیں۔ البتہ سالٹ پانڈ میں جہاں ہمارا گولڈکوسٹ کا انچارج مبلغ رہتا ہے ہماری جو مسجد ہے وہ بہت بڑی اور شاندار ہے۔ ملک کا وزیراعظم اس کے افتتاح کی تقریب میں آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ جس قلیل رقم میں احمدیوں نے یہ مسجد بنالی ہے گورنمنٹ بھی نہیں بنا سکتی اور ایسی شاندار مسجد ہمارے سارے ملک میں کوئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے مبلغوں نے خود پاس کھڑے ہو کر کام کی نگرانی کی تھی اور مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا اور ان سے کام کروایا تھا جس کی وجہ سے وہ مسجد بہت تھوڑی رقم میں بن گئی۔ اب بعض اطلاعات سے پتا چلتا ہے کہ سیرالیون میں بھی بعض جگہوں پر مساجد بن رہی ہیں۔ امریکہ سے بھی اطلاع آئی ہے کہ وہاں غالباً ڈیٹرائیٹ میں ایک مسجد بن رہی ہے۔ وہاں کوئی نومسلم جوڑا تھا۔ انہوں نے اس مسجد کے لیے اپنی زمین دی تھی اور کچھ جائیداد بھی دی تھی کہ اسے فروخت کر کے مسجد کی تعمیر کر لی جائے۔ کل اطلاع آئی ہے کہ یہ مسجد تکمیل کو پہنچنے والی ہے۔

کاش! ہمارے ملک میں بھی لوگوں کو مساجد بنانے کا شوق ہوتا۔ یہاں مساجد بنانے کا بہت کم شوق ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملک کے چپہ چپہ پر پرانے بادشاہوں اور امراء نے اتنی مساجد بنا دی ہیں کہ اب مسلمانوں کو نئی مساجد تعمیر کرنے کا شوق نہیں رہا۔ وہ مساجد کو ویران پڑا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں پہلی مساجد ہی ویران پڑی ہیں ہم اَور کیا بنائیں۔ حالانکہ ہماری جماعت کے سامنے یہ سوال نہیں۔ ہمارے پاس جو پہلے مساجد تھیں وہ بھی لوگوں نے چھین لی ہیں۔ مثلاً لاہور میں گمٹی والی مسجد احمدیوں سے چھین لی گئی۔ بعد میں بڑی مصیبت سے قریشی محمد حسین صاحب مرحوم مفرّح عنبری والوں نے احمدیوں سے پیسہ پیسہ چندہ جمع کر کے دہلی دروازہ کے باہر ایک مسجد بنوائی۔ اب وہ مسجد بھی اتنی چھوٹی ہوگئی ہے کہ اس میں ساری جماعت سماتی نہیں۔ بلکہ جب میں جایا کرتا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ لوگوں نے دور دور تک سائیکل رکھے ہوئے ہوتے تھے اور دوست سڑکوں پر نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ میں نے جماعت کو تحریک کی کہ اَور مسجد بناؤ۔ گو وہ مسجد ابھی تک بنی نہیں لیکن اس کے لیے زمین خرید لی گئی ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اَور زمین بھی نکلی تھی جس کے خریدنے کے لیے صدر انجمن احمدیہ سے

کوئی سمجھوتا کیا جا رہا تھا کہ اس کے خریدنے کے لیے قرضہ دے دیا جائے لیکن معلوم ہوتا ہے وہ سمجھوتا ہوا نہیں کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی رپورٹ نہیں آئی۔

مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہمارے ملک میں اب تک یہ مرض باقی ہے کہ جب تک شاہی مسجد کی طرح شاندار مسجد نہ ہو لوگ بناتے نہیں۔ حالانکہ مسجد کے لیے تو ایک چھپّر ہی کافی ہے۔ اگر جماعت احمدیہ لاہور ایک چھپّر ہی بنا لیتی تو مسجد بن جاتی۔ لیکن انہوں نے ابھی تک چھپّر بھی نہیں بنایا۔ امیر صاحب آہستہ آہستہ خطبات میں چندہ کی تحریک کرتے رہے اور روپیہ جمع کرتے رہے۔ کل مجھے ایک دوست نے بتایا ہے کہ لاہور کے ایک دوست نے اس کے لیے بیس ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ اس دوست کے پاس جب کارکن چندہ لینے کے لیے گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ ان سے کس قدر رقم کی اُمید کی جاتی ہے؟ چندہ لینے والوں نے سمجھا کہ یہ امیر آدمی ہیں اگر ہم نے تھوڑا مانگا تب بھی غلطی ہوگی اور زیادہ مانگا تب بھی غلطی ہوگی۔ آخر کار انہوں نے دس ہزار کی رقم طلب کی۔ اس متموّل احمدی دوست نے فوراً چیک بک نکالی اور بیس ہزار روپے کا چیک دے دیا اور کہا میری طرف سے اتنی رقم اس مد میں شامل کر لو۔ ہمارے ملک میں یہ ایک مثال ملتی ہے کہ متموّل لوگوں میں سے ایک دوست نے خاصی رقم مسجد کی تعمیر کے لیے دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ایسے بہت سے دوست ہیں جن کے لیے ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار روپیہ دینا کوئی مشکل امر نہیں۔ اِس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈھاکہ، کراچی اور پنجاب میں بیس تیس تاجر ایسے ہیں جو ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار چندہ دے سکتے ہیں اور سارے مل کر تین چار لاکھ روپیہ دے سکتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے شہروں میں مساجد بن سکتی ہیں۔ یوں مقامی طور پر بھی اگر جماعتیں جدوجہد کریں تو اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں بنا سکتیں ہیں۔ چنانچہ راولپنڈی میں پچھلے فسادات یعنی 1953ء میں لوگوں نے ہماری مسجد کو جلا دیا تھا۔ بعد میں پتا لگا کہ مقامی جماعت نے قریباً سترہ ہزار روپیہ خرچ کر کے اسے دوبارہ تعمیر کر لیا ہے اور نئی مسجد کے لیے زمین بھی خرید لی ہے۔ تو مقامی طور پر بھی لوگوں میں تحریک کی جائے تو ان میں بڑا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ میں اِسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک غریب بیوہ عورت کا لڑکا مجھے ملا۔ یہ ولایت سے آنے کے بعد کی بات ہے۔ اس نے مجھے دو سَو روپیہ کے نوٹ دیئے اور کہا یہ رقم میری ماں نے

بھیجی ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنے کپڑے بیچ کر یہ رقم مہیا کی ہے اِس کو کسی مسجد میں لگا دیا جائے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ مسجدوں کے لیے لوگوں کے حوصلے بہت وسیع ہوتے ہیں۔ اگر اس ذریعہ سے جماعت میں تحریک کی جائے تو یقیناً بڑی مدد حاصل ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہماری جماعت پر دوسرے لوگوں کو بھی اعتبار ہے جس کی وجہ سے اگر احمدی دوست اپنے غیر احمدی احباب سے بھی رقوم حاصل کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے غیر ملکوں میں مساجد تعمیر کرنے کی تحریک کی۔ جب میں مسجد سے باہر نکلا تو ایک احمدی دوست ایک غیر احمدی کو میرے پاس لائے اور کہا یہ دوست باہر سے آئے ہیں۔ انہوں نے آپ کی غیر ملکوں میں مساجد بنانے کی تحریک سُنی تھی اور اس کے نتیجہ میں یہ تیرہ سَو روپیہ جمع کر کے لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اَور بھی دوں گا۔ تو اِس طرز پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ تحریک انفرادی ہونی چاہیے جماعت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ جماعت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ سر نیچا کر کے کسی اَور سے مانگے۔ لیکن افراد اگر اپنے غیر احمدی دوستوں سے چاہیں تو وہ بیشک ایسا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ایک غیر احمدی دوست خود آئے اور ایک بڑی رقم دے گئے کہ اسے کسی مسجد میں لگا دیا جائے۔ اس کی ذمہ داری نہ جماعت پر آتی ہے اور نہ اس سے جماعت کا سر نیچا ہوتا ہے۔ لیکن اگر دوست جماعت کے نام پر مانگنے لگ جائیں تو یہ غلط طریق ہوگا۔ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اِتنی بڑی ہے کہ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے تو مسجدوں کے تمام کام خود آسانی سے کر سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے پندرہ بیس آدمی ایسے ہیں جو ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار روپیہ دے سکتے ہیں اور اسے آسانی کے ساتھ دو تین سالوں پر پھیلا سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس سے ان کے سرمایہ پر اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن وہ اسے اس طرح پھیلا سکتے ہیں کہ اس کا اثر کئی سالوں پر پڑ جائے۔

ہندوستان میں بھی بعض ایسے احمدی دوست ہیں لیکن وہاں کے لوگوں پر ہندوستان کی حکومت نے ظلم کر کے اتنے بڑے ٹیکس لگا دیئے کہ انہیں اپنی تجارتیں نیلام کرنی پڑیں۔ ایک احمدی دوست کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ایک بھائی جو اَب فوت ہو گئے ہیں ان پر حکومت نے

دو لاکھ روپیہ ٹیکس لگایا اور اسے وصول کرلیا۔ پھر ان کے مرنے کے بعد ان کے اس بھائی سے جو زندہ ہیں پونے دو لاکھ اَور وصول کرلیا اور یہ کہہ دیا کہ پہلا ٹیکس گزشتہ پانچ سال کا تھا اور اس سے پہلے پانچ سالوں کا یہ ٹیکس ہے جو اَب لیا جارہا ہے۔ اس طرح ان کی تجارت کو بالکل کچل کر رکھ دیا۔ اپنے پاس سے ہی بناوٹی حساب بنالیا اور اس کے نتیجہ میں اس قدر رقم بطور انکم ٹیکس حاصل کرلی کہ اس بیچارے کو اپنی تجارت نیلام کرنا پڑی۔ ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی انکم ٹیکس والوں کو وسیع اختیارات حاصل ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسا کر لیتے ہیں۔ بہرحال اس ظلم کے باوجود ہندوستان میں بھی بعض متمول دوست ایسے ہیں جو پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار چندہ ایک وقت میں دے سکتے ہیں۔ ان کی تجارت بہت اچھی ہے۔ اور پاکستان میں تو ہیں ہی۔ کراچی میں ایک دوست نے باتوں باتوں میں مجھ سے ذکر کیا کہ دو چار لاکھ روپیہ تو میں بھی لگا سکتا ہوں اور کہا کہ کراچی میں جو میری جائیداد ہے اسے میں ٹھیک طرح استعمال کروں تو پچاس ہزار روپے ماہوار آ سکتا ہے۔ گویا اس کی سالانہ آمد چھ لاکھ روپیہ ہو جاتی ہے اور تین سال میں اٹھارہ لاکھ روپیہ آ جاتا ہے۔ تو دیکھ لو اس دوست کے لیے پندرہ بیس ہزار ایک وقت میں دے دینا کونسا مشکل امر ہے۔ ہماری جماعتوں کو چاہیے کہ وہ اس رقم کی متمول دوستوں میں تحریک کر کے چندہ اکٹھا کریں اور مساجد کی تعمیر کریں۔

بعض بڑے بڑے شہروں کے دوستوں میں بُخل بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً سیالکوٹ ہے اس میں اب تک ہماری نئی مسجد بن جانی چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے نہیں بنائی۔ اسی طرح لاہور میں نئی مسجد بن جانی چاہیے تھی لیکن وہ ابھی تک بننے میں نہیں آئی۔ ملتان سے بھی جماعت کے امیر آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں تو مسجد بنانے کے لیے تیار ہوں لیکن مجلس عامہ کے ممبران میرے ساتھ متفق نہیں ہوئے۔ میں نے بڑی کوشش کر کے ایک مکان کا انتظام کرلیا ہے لیکن ممبرانِ مجلس عاملہ کے تائید نہ کرنے کی وجہ سے میں مجبور ہوں۔ پریذیڈنٹ ہونے کی وجہ سے مجھے اس کے اتفاق کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا مجبور مَیں بھی ہوں۔ قانون شکنی میں بھی نہیں کرسکتا۔ ناظر اعلیٰ سے بات کرو۔ ممکن ہے وہ کوئی صورت نکال دیں۔ مسجد تو ضرور بنی چاہیے۔ اسکے متعلق اگر کوئی قانون ہے تو اگرچہ وہ مجھے یاد نہیں لیکن اس کو توڑنا میرا کام نہیں۔ اس میں سے راستہ نکالنا ناظر اعلیٰ کا کام ہے۔ ان کے پاس چلے جاؤ۔ اُمید ہے وہ کوئی رستہ نکال دیں گے اور تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی اور مسجد بن جائے گی۔

لائلپور میں دوستوں نے ہمت کر کے بہت بڑی مسجد بنائی ہے۔ میں جس وقت اس مسجد کے افتتاح کے لیے گیا تھا تو لائلپور میں تیس، چالیس احمدی تھے اور مسجد تین چار سَو آدمیوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اب سنا ہے وہ بھی جماعت کو کفایت نہیں کرتی۔ اب ان کو بھی اَور مسجد بنانے کی ضرورت ہوگی۔ پھر سرگودھا ہے۔ اس میں بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہاں بھی کوشش کی جائے تو بڑی مسجد بن سکتی ہے۔ کم از کم ہر بڑے شہر میں ایک مسجد بن جانی چاہیے۔ مجھے پتا ہے کہ بعض جگہوں پر بہت تھوڑے احمدی ہیں لیکن انہوں نے مسجد بنا لی ہے۔ مثلاً کیمبل پور ہے۔ ایک دفعہ نوائے پاکستان میں کسی غیر احمدی کا نوٹ چھپا تھا کہ تم شور مچا رہے ہو کہ یہاں سے احمدیوں کو نکال دو۔ لیکن یہاں تو احمدی حکومت کر رہے ہیں۔ پہلے یہاں انہیں کوئی مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد انہوں نے یہاں ایک بڑی بھاری مسجد بنا لی ہے۔ اب وہ اس میں اذانیں دیتے ہیں اور تقریریں کرتے ہیں حالانکہ کیمبل پور میں بہت چھوٹی سی جماعت ہے۔ تو ہمت کی بات ہوتی ہے۔ جہاں جہاں دوستوں میں احساس پیدا ہوا ہے انہوں نے اپنی مسجدیں بنا لی ہیں۔ اگر یہی احساس باقی جگہوں پر بھی پیدا ہو جائے تو کم سے کم بیس مسجدیں پنجاب کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں ہو جاتی ہیں اور تیس مسجدیں سابق صوبہ سرحد میں ہونی چاہییں اور بیس پچیس مسجدیں سابق صوبہ سندھ میں ہونی چاہییں۔ کراچی اور لاہور اب اتنے بڑے شہر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شہر میں پانچ پانچ، چھ چھ اَور مسجدیں ہونی چاہییں۔ ڈھاکہ میں اگرچہ مسجد بن گئی ہے مگر اس میں اَور مساجد بھی بننی چاہییں۔ پھر اس کے اردگرد کے علاقہ میں بھی مساجد کی ضرورت ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ڈھاکہ میں صرف چند احمدی دوست تھے مگر اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں بڑی اچھی جماعت ہے (سارے ایسٹ اور ویسٹ) پاکستان میں میرے خیال میں پانچ سات سَو مساجد کی گنجائش ہے۔

پس ہر جماعت کو چاہیے کہ وہ اپنی مسجد بنائے۔ سیالکوٹ میں دیہات کی جو امارتیں ہیں ان میں سے بعض میں سارے کے سارے احمدی بستے ہیں۔ میلوں میل تک کوئی غیر احمدی نظر نہیں آتا۔ ان امارتوں میں احمدیوں نے اپنی مساجد بنا لی ہیں۔ وہ شہروں والی مساجد تو نہیں دیہات اور قصبات کے مناسبِ حال مساجد ہی ہیں۔ لیکن بہرحال انہوں نے نماز پڑھنے کی جگہیں بنا لی ہیں۔ وہ اگر اُن کو پھیلائیں تو صرف ضلع سیالکوٹ میں ہی پانچ سات مزید مسجدوں کی گنجائش ہے۔ گو وہ چھوٹی چھوٹی

مسجدیں ہوں گی مگر علاقہ کے لحاظ سے وہ مناسب ہوں گی کیونکہ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر چھوٹی مسجدیں ہی مناسب ہوتی ہیں۔ بہر حال جماعتوں میں مسجدیں بنانے کی طرف توجہ ہو رہی ہے اور غیر ملک تو بڑی جلدی جلدی آگے بڑھ رہے ہیں۔لیکن پاکستان اس کام میں ذرا پیچھے ہے۔ پاکستان بیرونی ممالک میں تو بعض بڑی بڑی مساجد بنا چکا ہے لیکن اپنے ملک میں مساجد بنانے کی طرف اس کی توجہ بہت کم ہے۔

بیرونی ممالک میں مساجد بنانے میں بڑی دقّت یہی ہے کہ ہمیں ایکسچینج نہیں ملتا۔ اگر ایکسچینج مل جائے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم اَور بھی مسجدیں بنا سکتے ہیں۔ اِس وقت ہیمبرگ میں مسجد بن چکی ہے، لندن میں بن چکی ہے، ہیگ میں بن چکی ہے۔ اب نیورمبرگ (Nuremberg) میں بنانے کی تجویز ہے۔ ایکسچینج کے متعلق گورنمنٹ کو مولویوں کا کچھ ایسا ڈر ہے کہ اس نے ہمارے لیے کچھ ایکسچینج منظور کیا تھا۔ ہمارا آدمی اُن کے پاس پہنچا اور اُس نے کہا ہمیں جو ایکسچینج آپ دیتے ہیں وہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ ہمارے مبلغ بہت زیادہ ہیں اور دوسری انجمنوں کے مبلغ بہت کم ہیں۔ ہمارے مبلغ اِس وقت یورپ میں بیس کے قریب ہیں اور اُن کے صرف تین مبلغ ہیں۔ آپ مبلغوں کے اعتبار سے ایکسچینج تقسیم کریں۔ ان کے تین مبلغ ہیں انہیں تین مبلغوں کا حصہ دیا جائے اور ہمارے بیس مبلغ ہیں ہمیں بیس مبلّغوں کا حصہ دیا جائے۔ انہوں نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر ہم کریں تو ملک میں شور پڑ جائے گا۔ ہم آپ کو صرف تیسرا حصہ ہی دیں گے۔ چاہے آپ کے بیس مبلغ ہوں اور اُن کے تین مبلغ ہوں۔ اگر ایکسچینج آسانی سے مل جائے تو میں سمجھتا ہوں اِس ملک میں مسجدیں بنانے کے علاوہ ہمارے امراء کو باہر کے ممالک میں بھی مسجدیں بنانے کی توفیق مل جائے گی۔ اس طرح میرے خیال میں باہر کے ممالک میں بھی بیس پچیس مسجدیں بن سکتی ہیں۔ ایکسچینج کی دِقّتیں دور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ گورنمنٹ کے افسران کے دلوں سے مولویوں کا ڈر جاتا رہے اور وہ ہمیں ایکسچینج میں سے ہمارا مناسب حصہ دیں۔ دوسرے خدا تعالیٰ ہمارے ملک کی ایکسچینج کی حالت کو درست کر دے یعنی اِس وقت جو وہ دوسرے ممالک کا مقروض ہے وہ حالت جاتی رہے اور اس کا غیر ممالک میں پونڈ کا ذخیرہ زیادہ ہو جائے اور اس طرح وہ ہمیں بہ افراط ایکسچینج دے سکے۔ اگر یہ آسانی پیدا ہو جائے تو میرا اپنا خیال ہے کہ بارہ مساجد تو جرمنی میں ہی بنی چاہییں۔ ہیمبرگ میں بن گئی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ ایکسچینج دے گا

تو نیورمبرگ میں بن جائے گی۔ پھر جب خدا تعالیٰ اور ایکسچینج دے گا تو فرینکفورٹ (Frankfurt) میں یا ڈوسل ڈارف (Dussel Darf) میں بن جائے گی۔ یہ تین ہو جائیں گی۔ پھر خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو ہنیور (Hanover) میں بن جائے گی۔ پھر خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو انزبروک (Innsbruck) میں بھی بن جائے گی۔ پھر توفیق دے گا تو ایک منشن (Munchen) میں جسے میونخ (Munich) بھی کہتے ہیں بن جائے گی جہاں سے ہٹلر نکلا تھا۔ یہ چھ ہو جائیں گی۔ پھر توفیق دے گا تو کیل (Keil) میں بن جائے گی جو جرمن کا بڑا بھاری پورٹ (بندرگاہ) ہے۔ یہ سات ہو جائیں گی۔ ان کے علاوہ بون (Bons) بڑا شہر ہے جو جرمنی کا دارالخلافہ ہے۔ پھر کولون (Cologne) بڑا شہر ہے۔ انہیں ملا کر نو مساجد بن جاتی ہیں۔ میں نے ایک دن گِنا تھا کہ صرف جرمنی میں دس بارہ مساجد کی ضرورت ہے۔ اگر اتنی مساجد وہاں بن جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کئی ہزار مسلمان ہو جائیں۔

جرمنی میں انگلستان اور دوسرے یورپین ممالک کے مقابلہ میں مَیں نے یہ خوبی دیکھی ہے کہ وہاں جو احمدی ہوتا ہے وہ چندہ بھی دیتا ہے۔ یہ بات دوسرے ملکوں میں نہیں۔ مثلاً سوئٹزرلینڈ میں دس دس سال سے بعض احمدی ہوئے ہیں لیکن وہ چندے نہیں دیتے۔ لیکن جرمنی میں جب میں گیا تو ایک شخص مجھے ملنے آیا۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس کے پاس شراب کا ایک بڑا کارخانہ تھا جو اسے باپ کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس نے مجھ سے فتویٰ پوچھا کہ میرے پاس شراب کا ایک کارخانہ ہے کیا میں اسے چھوڑ دوں؟ میں نے کہا وہ کارخانہ تم نے تو نہیں بنایا تمہارے باپ کی طرف سے ورثہ میں تم کو ملا ہے۔ تم آہستہ آہستہ اس سے اپنا روپیہ نکالو اور اسے کسی اَور کارخانہ میں لگاتے جاؤ۔ فوراً نہ چھوڑو۔ ہمارے مبلغ نے اس کے متعلق بتایا کہ وہ دو پونڈ ماہوار باقاعدہ چندہ دیتا ہے۔ اب وہ فوت ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے وہاں پھر ایک نیا احمدی بنایا۔ اس کے متعلق بھی اطلاع آئی ہے کہ وہ ایک پونڈ ماہوار چندہ دیتا ہے۔ اب وہ یہاں اپنی بیوی سمیت آ رہا ہے اور اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک اَور احمدی دوست کے ساتھ ترکی اور ایران سے ہوتا ہوا پاکستان آئے گا۔ شاید ستمبر میں وہ یہاں پہنچ جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے اندر اتنا اخلاص ہے کہ آنے سے پہلے اُس نے اپنی جگہ پر انتظام کر دیا ہے کہ اُس کے دوست اور رشتہ دار اس کا باقاعدہ چندہ دیتے رہیں۔ گویا وہ چھ ماہ کا عرصہ جو باہر رہے گا اس

میں اس نے انتظام کر دیا ہے کہ ایک پونڈ ماہوار چندہ باقاعدہ جماعت کو ملتا رہے۔ ایک پونڈ ماہوار کی بظاہر کوئی حیثیت نہیں مگر دس بیس ہزار احمدی ہو جائیں اور اس طرح دس بیس ہزار پونڈ ماہوار چندہ آ جائے تو اس سے ہر ماہ ایک مسجد بن سکتی ہے۔ خدا کرے یہ نومسلم یہاں آ جائے اور ہر ابتلا سے محفوظ رہے۔ یورپ کے لوگوں خصوصاً جرمنی کے لوگوں کے آنے میں ابتلا کا خطرہ رہتا ہے۔ جرمنی کے لوگ اگرچہ امارت میں بہت کم ہیں لیکن ان میں نزاکت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ویسے لڑائی میں وہ بہت مضبوط ہیں لیکن طبیعت کے لحاظ سے بڑے صفائی پسند ہیں اور جرمنی میں بہت زیادہ صفائی کا خیال پایا جاتا ہے۔ لندن میں جاؤ تو ہر جگہ کاغذات پڑے ہوئے نظر آئیں گے۔ جہاں کسی نے کوئی چیز کھائی وہیں کاغذ پھینک دیا۔ لیکن سوئٹزرلینڈ میں ہم رہے ہیں وہاں صفائی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ سارے شہر میں پھر جاؤ ایک کاغذ بھی کسی سڑک پر پڑا نہیں ملے گا۔ ہمارا ملک تو گندا ہے ہی۔ جرمنی کا ایک احمدی زندگی وقف کر کے لندن گیا اور وہاں سے مرتد ہو کر واپس آ گیا۔ صرف اس وجہ سے کہ لندن بڑا گندہ شہر ہے۔ تو جس کو لندن گندا شہر نظر آیا ربوہ اُسے کیسا نظر آئے گا۔ جہاں ہر جگہ پر بکروں کی آنتیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ٹلٹاک صاحب نے جب ربوہ آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے منع کیا کہ اُسے ابھی نہ بلاؤ، میں اپنا مکان بنا لوں اور اس میں فلش والا پاخانہ بنا لوں تب بلائیں۔ ورنہ اس کو ابتلاء آ جائے گا۔ چنانچہ پچھلے سال جب چودھری صاحب کا مکان بن گیا تو وہ یہاں آ گئے۔ ورنہ انہوں نے بہت عرصہ پہلے آ جانا تھا۔ اب ڈر آتا ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی آ رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کے ایمانوں کو سلامت رکھے۔ ہماری عدمِ صفائی کی وجہ سے ان کو کوئی ٹھوکر نہ لگے کیونکہ جرمن لوگ بڑے صفائی پسند ہیں۔ جب تک انہیں صفائی نظر نہ آئے اور یہ نہ دیکھیں کہ سب لوگ مشینوں کی طرح کام میں لگے ہوئے ہیں انہیں ٹھوکر لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ہم ہیمبرگ میں رہتے تھے۔ ہم دیکھتے کہ ہمارے سامنے گلی میں ایک مکان ٹُوٹا ہوا ہے مگر دوسری صبح دیکھتے کہ لوگ دیوؤں کی طرح اُس مکان کے بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور شام تک اُسے مکمل کر دیتے۔ مجھے ایک وزیر نے بتایا کہ ہم سب سے زیادہ اہمیت تعمیر کے کام کو دیتے ہیں۔ انگریزوں نے ہمارے شہر کو بموں سے اُڑایا تھا۔ اب ہم خود اسے تعمیر کر رہے ہیں۔ محلّہ والے سب لوگ آ جاتے ہیں اور مزدور بن کر مکان تعمیر کرا دیتے ہیں اور ایک پیسہ بھی اجرت کے طور پر نہیں لیتے۔ اس طرح ہم ہر روز تین چار مکانات بنا لیتے

ہیں اور سال میں ہم نے سارا ہیمبرگ بنالیا ہے۔

ہماری جماعت کے ایک نوجوان جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے اُن سے اِس بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی میری اس بات کی تائید کی اور کہا میں بھی وہاں سے آیا ہوں۔ وہاں یہی حال تھا۔ میں اپنے مکان کی کھڑکی میں سے دیکھتا تو ایک مکان گرا ہوا ہوتا تھا۔ مگر دوسرے دن دیکھتا تو وہ مکان تعمیر ہو چکا ہوتا۔ سارے کے سارے لوگ آپ ہی آ جاتے تھے اور مفت مکان بنا دیتے تھے اور کہتے تھے ہمارا شہر انگریزوں نے توڑا ہے اب ہم اسے خود تعمیر کریں گے۔ میں وہاں ایک یونیورسٹی کے ہسپتال میں اپنے معائنہ کے لیے گیا تو میں نے دیکھا کہ یونیورسٹی ٹوٹی ہوئی ہے اور جو چھتیں بنی ہوئی ہیں وہ تازہ تعمیر کردہ ہیں اور اُن سے تازہ پینٹ کی بُو آ رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹروں میں سے ایک سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ہماری یونیورسٹی بمباری کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ جو حصہ بنا ہوا آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہم نے اور طالبعلموں نے مل کر بنایا ہے۔ میں نے کہا ہمارے ملک میں تو کوئی ڈاکٹر ایسے کام کو ہاتھ نہ لگائے۔ اُس نے کہا ہم تو پروا نہیں کرتے۔ ہماری یہ یونیورسٹی بہت مشہور تھی۔ بمباری کی وجہ سے اس میں بڑے بڑے غار بن گئے تھے۔ چنانچہ اُس نے مجھے ایک کمرہ دکھایا اور ایک غار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اتنے بڑے بڑے غار تھے۔ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم خود کام کریں گے اور یونیورسٹی کی عمارت بنائیں گے۔ چنانچہ سارے ڈاکٹر اور طالبعلم کام میں لگ گئے اور یہ عمارت بنا لی۔ میں نے کہا واقعی یہ تمہاری ہی ہمت ہے۔ ہمارے ملک میں تو استاد ایک باورچی خانہ بنانے کو بھی تیار نہیں۔ اگر انہیں ایسا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ کہیں گے کہ کیا ہم اتنے ہی ذلیل ہیں کہ یہ کام کریں؟ تو یاد رکھو! باہر سے لوگ یہاں آ رہے ہیں ان کو مرتد کر کے نہ بھیجنا۔ صفائی رکھو۔

ایک امریکن آدمی ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ میں نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ جب وہ واپس گیا تو اُس نے ہمارے مبلغ کو بتایا کہ ربوہ بڑا اچھا شہر ہے مگر ایک نقص میں نے یہ دیکھا ہے کہ وہاں افسردگی سی چھائی ہوئی ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ وہاں درخت لگاتے، رَوِشیں1 بناتے، پختہ سڑکیں بناتے۔ یوں تو بڑی ہمت کی ہے کہ غیر آباد پہاڑوں کو آباد کر لیا ہے لیکن شہر میں جانے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر افسردگی سی طاری ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جلسہ سالانہ کے بعد میجر مرزا امیر احمد صاحب

نے ایک ماہ کا عرصہ وقف کیا تھا اور کہا تھا کہ میں یہاں رہ کر شہر کی صفائی کا انتظام کروں گا اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی کوشش کی وجہ سے شہر کافی حد تک صاف ہو گیا ہے۔ انہوں نے ایک نوجوان مرزا محمد صادق بیگ صاحب کو بھی کام سکھا دیا ہے۔ اب وہ ان کی غیر حاضری میں کام کر رہے ہیں۔ مگر ہم نے تو اپنی آنکھوں سے کبھی صفائی دیکھی نہیں۔ کالج کو جاتے ہوئے جہاں سے بھی موٹر پر گزرتے ہیں گند ہی گند نظر آتا ہے۔ ممکن ہے ان لوگوں کو صفائی نظر آتی ہو گی جنہوں نے مجھ سے بیان کیا ہے لیکن باہر سے آنے والے لوگوں کو بھی صفائی نظر آنی چاہیے"

(الفضل 11 مئی 1957ء)

---

1 : رَوِش: باغ کی پٹڑی (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

14

# ایک اٹالین عورت کی اسلام سے متعلق ایک اہم کتاب

(فرمودہ 10 مئی 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''رمضان کے آخری دنوں میں میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ چونکہ اس ماہ تلاوتِ قرآن کریم پر زیادہ زور دینا پڑا اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے اردو ترجمہ کا کام بھی کرنا پڑا۔ اِس وجہ سے طبیعت میں جو ضعف پیدا ہوا تھا وہ اَور بھی بڑھ گیا۔ طبیعت اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ یہاں کی گرمی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتی۔

19 راپریل کے خطبہ میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ امریکہ سے وہ کتاب آ گئی ہے جو ایک اٹالین عورت نے اسلام کے متعلق لکھی تھی۔ اس کے انگریزی ترجمہ میں کچھ مضمون چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے بھی لکھا تھا اور چودھری صاحب نے بتایا تھا کہ یہ کتاب نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ اس قسم کی اعلیٰ کتاب اسلام کے متعلق اب تک کسی مسلمان نے بھی نہیں لکھی۔ میں نے گھر سے اس کتاب کے متعلق دریافت کیا کہ کہاں ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ کتاب گھر میں نہیں آئی۔ دفتر سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی بتایا کہ دفتر میں یہ کتاب موجود نہیں۔ لائبریری سے پتا کیا تو انہوں نے بھی بتایا کہ یہ کتاب ابھی تک لائبریری میں نہیں آئی۔ آج اتفاقاً میں اپنے دفتر میں کوئی چیز

تلاش کرنے گیا تو اس کتاب کا ایک نسخہ جو امریکہ سے آیا تھا اور جس کا میں نے خطبہ میں ذکر کیا تھا وہاں پڑا تھا۔ گھر والوں کو جب میں نے بتایا تو انہوں نے کہا میرا خیال تھا کہ شاید اس کتاب کا مسودہ یہاں آیا ہے۔ حالانکہ مسودہ تو اُس کتاب کا آیا تھا جو امریکہ کے مشن کی طرف سے لکھی جارہی ہے۔ میں نے ایک خطبہ میں بتایا تھا کہ امریکہ میں ایک کتاب ایسی چھپی ہے جس میں اسلام کی ہتک کی گئی ہے اور میں نے کہا تھا کہ امریکہ کی جماعت اس کذب کا جواب لکھے۔ چنانچہ امریکہ کے ایک احمدی مبلغ نے اس کتاب کا جواب لکھا ہے اور اس کا مسودہ ہمارے پاس پہنچ چکا ہے۔ اب ہمیں اس کی اس طرح اصلاح کرنی ہے کہ اس میں اس کتاب کا نام نہ آئے۔ کیونکہ اس سے فتنہ اَور زیادہ بڑھ جائے گا۔ اور پھر اس کتاب کے شائع کرنے والوں نے معافی بھی مانگ لی ہے۔

یہ کتاب جو ایک اٹالین عورت نے لکھی ہے بڑی اعلیٰ ہے۔ میں نے ساری تو نہیں پڑھی۔ اس کی تمہید کی چند سطروں پر نظر پڑی تو وہاں لکھا تھا کہ قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اَب تک اُسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہونے کے وقت تھی۔ اب تک اسلام کے دشمن عیسائی، یہودی اور دوسرے مذاہب والے بھی اسے اسی طرح لیتے آئے ہیں اور مسلمان بھی اسے اسی طرح لیتے آئے ہیں۔ یہی ایک کتاب ہے جس میں نہ غیروں کو کوئی تبدیلی کرنے کا موقع ملا ہے اور نہ اپنوں کو۔ یہ چند تمہیدی سطور پڑھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب کی مصنف قرآن کریم کی صداقت کی قائل ہے۔ اس کتاب کو چھپوا کر دو تین لاکھ کی تعداد میں امریکہ کے رؤساء اور بڑے بڑے عہدیداروں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔ اگر اسے شروع شروع میں ایک ہزار کی تعداد میں بھی تقسیم کیا جائے تو اس پر قریباً پانچ ہزار ڈالر خرچ آئے گا۔ مجھے اس کی صحیح قیمت کا تو علم نہیں میں نے خود ہی اندازہ لگایا ہے۔ ویسے ہم امریکہ سے پتا کریں گے کہ اس کی قیمت کیا ہے اور اس کی اشاعت پر کیا خرچ آئے گا۔ اگر اس کتاب کی اشاعت کی جائے تو عیسائیوں کو پتا لگ جائے گا کہ ان کی اپنی ایک عورت جو نہایت قابل اور تعلیم یافتہ تھی اور کالج میں پروفیسر تھی اسلام کے متعلق کیا خیال رکھتی ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اِس کتاب کے مترجم نے یا کسی اَور نے اس عورت کو خط لکھا کہ اگر تمہارے اسلام کے متعلق وہ خیالات درست ہیں جو اس کتاب میں لکھے گئے ہیں تو تم ابھی تک مسلمان کیوں نہیں ہوئیں؟ تو اس عورت نے جواب دیا کہ اگر میں مسلمان ہوجاتی تو میری اس کتاب کا

عیسائیوں پر زیادہ اثر نہ ہوتا۔ اب تو وہ سمجھتے ہیں کہ میں انہی میں سے ایک ہوں اور اسلام کا مجھ پر اتنا اثر ہے کہ میں یہ خیالات ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔ یہ کتاب 1925ء میں لکھی گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کتاب کی خوب اشاعت کی جائے تو امریکہ میں اسلام کا اچھا اثر پڑے گا بلکہ امریکہ تو الگ رہا میں سمجھتا ہوں وہ وقت دور نہیں جب ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے گا اور وہ اسلام کی سچائی اور عظمت کی قائل ہو جائے گی"۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:

"میں نماز جمعہ کے بعد کچھ جنازے پڑھاؤں گا۔

1 صاحبزادہ عبداللطیف صاحب ٹوپی ضلع مردان جو صوبہ سرحد کے پرانے اور مخلص احمدی تھے اور بہت بڑے خاندان سے تھے وفات پا گئے ہیں۔ ان کا خاندان پیروں کا خاندان تھا اور صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب جو ان کے رشتہ کے بھائی تھے پندرہ بیس سال تک صوبہ سرحد میں وزارت اور دوسرے بڑے عُہدوں پر رہے تھے۔

2 ملک عبدالجبار خاں صاحب پسر ملک عبدالقادر خاں صاحب آف فیض اللہ چک ضلع گورداسپور حال کراچی۔ مرحوم موصی اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ روزہ کی حالت میں حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہوگئے۔

3 غلام محمد صاحب کوٹ کانا ضلع گجرات 313 صحابہ میں سے تھے۔ بہت تھوڑے احباب جنازہ میں شریک ہو سکے۔

4 چودھری فضل خاں صاحب کھوکھر تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور حال چک 60 تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور مخلص احمدی تھے۔ جنازہ میں بہت تھوڑے دوست شریک ہوئے۔

نماز جمعہ کے بعد میں یہ چاروں جنازے پڑھاؤں گا۔ دوست میرے ساتھ شریک ہوں"۔

(الفضل 18 مئی 1957ء)

15

# دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ترجمہ قرآن کریم کا کام جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

## قرآن کریم معارف کا ایک بڑا بھاری خزانہ ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو

(فرمودہ 17 مئی 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''عمر اور بیماری کے ساتھ انسان کی کیفیتیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے 1922ء میں مَیں نے سارے رمضان میں درس دیا تھا۔ اگست کا مہینہ تھا اور گرمی بڑی سخت تھی۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ میں ساری رات درس کے نوٹ لکھا کرتا تھا اور صبح روزہ رکھ کر درس دیتا تھا۔ دوپہر کے بعد جب میں باہر نکلتا تو گرمی کی شدّت کی وجہ سے حکیم محمد عمر صاحب جو اَب بہت بڈھے ہوگئے ہیں مسجد کے کنوئیں سے پانی بھر لاتے اور میرے سر پر ڈالتے۔ اس کے بعد میں پھر واپس جا کر درس دینا شروع کر دیتا۔ ظہر آ جاتی، عصر آ جاتی، پھر شام آ جاتی مَیں درس دیتا چلا جاتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ درس دیتے دیتے روزہ کھل جاتا۔ غرض کوئی بارہ تیرہ گھنٹے ہم درس دیتے تھے۔ تفسیر کبیر کی جو جلد پہلے چھپی تھی وہ اس درس کے نوٹوں کی وجہ سے ہے۔ لیکن اب بیماری کی وجہ سے جسم میں وہ برداشت نہیں رہی۔ پھر

عمر کا تقاضا بھی ہے۔

قرآن کریم کا اردو ترجمہ جو ابھی جاری ہے اور جس کی نظرِ ثانی ہو چکی تھی اس پر اب نظرِ ثالث ہو رہی ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ مولوی محمد یعقوب صاحب جنہیں میں ترجمہ ڈکٹیٹ کراتا ہوں اور مولوی نورالحق صاحب مجھ سے نظرِ ثالث کے بعد نظرِ رابع بھی کروائیں گے اور نظرِ رابع کے بعد کہیں گے نظرِ خامس کر دیجیے۔ پھر نظرِ خامس ہو جائے گی اور جلسہ سالانہ کے دن قریب آ جائیں گے تو کہیں گے نظرِ سادس بھی کر دیجیے۔ اس کے بعد نظرِ سابع ہو گی اور مجھے ڈر ہے کہ اِس طرح اگلا سال بھی کہیں گزر نہ جائے۔ کیونکہ نظرِ ثانی کے وقت ہم ایک ایک دن میں دو دو سیپارے کر لیتے تھے۔ لیکن اب دو دو دن میں ایک سیپارہ ختم ہوتا ہے اور اسی طرح نظریں بڑھتی گئیں تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ میں نے انہیں کہا ہے اور تاکید کی ہے کہ وہ کام جلدی ختم کرنے دیں۔

1938ء میں مَیں نے کسی قدر ترجمہ کر لیا تھا۔ پھر جابہ اور مری میں پچھلے سال باقی ترجمہ ختم کیا اور اس سال رمضان میں اس کی نظرِ ثانی شروع کی تھی جو یہیں ختم کر لی تھی۔ اُن دنوں بعض دفعہ دو دو سیپارے ایک دن میں ہو جاتے تھے۔ اگر نظرِ ثالث بھی اِسی اختصار سے ہوتی تو سات دنوں میں چودہ سیپارے ختم ہو جانے چاہییں تھے لیکن ہوئے صرف تین چار سیپارے ہیں۔ گو مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی نورالحق صاحب نے مجھے تسلی دلائی تھی کہ شروع کے پارے نظرِ ثانی کے وقت بھی مشکل سے ہوئے تھے بعد کے سیپارے جلدی ہو گئے تھے اور یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ جب تک پیالہ ہونٹوں کو نہ لگ جائے اور پانی پی نہ لیا جائے انسان کو تسلی نہیں ہوتی۔ مجھے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ ہاں! اگر اگلے سیپارے عملاً جلدی ہو جائیں تو دیکھیں گے۔ فِی الْحال تو یہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے۔ بہرحال ہماری یہ کوشش ہے کہ ستمبر یا اکتوبر میں سارا قرآن کریم چھپ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق دے۔

بیچ میں آرام کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ کیونکہ لمبا کام کرنا پڑتا ہے۔ جن دنوں میں ہم نظرِ ثانی کر رہے تھے اُن دنوں بعض اوقات ہمیں آٹھ آٹھ، نو نو گھنٹے متواتر کام کرنا پڑا اور اُن دنوں دو دو سیپارے بھی ہو جاتے تھے لیکن عام دنوں میں ایک ایک سیپارہ یا ڈیڑھ ڈیڑھ سیپارہ ہی ہوتا تھا اور اُن دنوں میں بھی ہم چار چار گھنٹے روز کام کرتے تھے۔ اب بھی تین تین گھنٹے روزانہ کام ہوتا رہا ہے۔

بیماری لمبی ہو جانے کی وجہ سے قدرتاً کوفت زیادہ ہوتی ہے۔ پہلے اِتنی کوفت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر اَب شدید بیماری کو دو سال کے قریب عرصہ ہو چکا ہے اور چونکہ بیماری زیادہ عرصہ جسم پر طاری رہی ہے اس لیے جلد ہی کوفت کی وجہ سے جسم گِر جاتا ہے۔ بہرحال ہمارا ارادہ یہ ہے کہ چاہے کوفت ہی ہو کام ختم ہو جائے۔ اب بھی بعض اوقات کام کرتے کرتے بیماری کی وجہ سے مدہوش ہو جاتا ہوں۔ اور بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نیچے گر جاؤں گا۔ سامنے سے مولوی محمد یعقوب صاحب کہہ دیتے ہیں کہ حضور! کام بہت زیادہ ہو گیا ہے اب بس کر دیں۔ مگر میں اس بیہوشی میں بھی کہتا ہوں کہ کام کرتے چلے جاؤ چاہے رات کے بارہ بج جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی۔ گو ہم کام کریں گے۔ باقی چھاپنے والوں کی بات ہے۔ یہ لوگ بھی وقت پر چھاپ دیں۔ اگر انہوں نے اس ترجمہ کو وقت پر نہ چھاپا تو خدا تعالیٰ کے سامنے وہ ذمہ دار ہوں گے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ ہم تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ واپس جاتے ہی کام میں تیزی پیدا کر دیں گے اور اگلے ہفتہ سے زیادہ سے زیادہ کام انہیں بھیجنا شروع کر دیں گے۔ باقی چھاپنا ان کا کام ہے۔ اگر یہ لوگ اِس ترجمہ کو وقت پر شائع کر دیں تو اُمید ہے ستمبر اکتوبر میں کام ختم ہو جائے گا۔ شمس صاحب نے بھی جو جِلد قرآن کریم کے حجم کا اندازہ بتانے کے لیے مجھے دکھائی ہے وہ مجھے بہت بوجھل نظر آئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے پاس ایکسچینج نہیں اور ہلکا کاغذ فارن (FOREIGN) سے ملتا ہے اور گورنمنٹ اِسے امپورٹ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے میں نے کہا ہے چاہے جِلد بوجھل ہی ہے لیکن اِس سال ترجمہ چھپ جائے تا لوگ اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیں ورنہ دل میں یہ بوجھ رہتا ہے کہ ابھی کام ختم نہیں ہوا۔

خدا کی قدرت ہے کہ پہلے سیپارے ترجمہ کے لحاظ سے بڑے مشکل ہیں اور یہی میں نے پیر منظور محمد صاحب مرحوم کے کہنے پر 1938ء میں کر لیے تھے۔ انہوں نے جب قاعدہ یسرنا القرآن مجھے ہبہ کیا اور اِس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ اگر میں اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کر دوں تو وہ اسے یسرنا القرآن کی طرز پر شائع کر دیں گے۔ چنانچہ میں نے اُس وقت کام کرنا شروع کر دیا اور سات آٹھ سیپارے مکمل کر لیے۔ اس کے بعد یہ کام رُک گیا۔ پچھلے سال جابہ اور مری میں مَیں نے اِس کام کو ختم کیا۔ لیکن دس بارہ ماہ تک اِس پر نظرِ ثانی نہ ہو سکی۔ گزشتہ رمضان میں اِس پر نظرِ ثانی ہوئی اور اب نظرِ ثالث ہو رہی ہے۔ اگر یہ ترجمہ چھپ جائے تو جس قسم کا یہ ترجمہ ہے یہ بات سمجھ میں آتی

ہے کہ جتنے تر جمے اِس وقت تک ہو چکے ہیں اُن سب سے یہ زیادہ مکمل ہے۔ مگر پورا پتا اُسی وقت لگے گا جب تھوڑی عربی جاننے والے اسے دیکھیں گے۔ جن کے دلوں میں شُبہ بھی پیدا ہوا اور وہ دیکھیں کہ ان کا وہ شُبہ اس ترجمہ سے دور ہو گیا ہے یا نہیں۔ اگر کسی کو عربی بالکل ہی نہ آتی ہو تو اُسے یہ ترجمہ سمجھ نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں تو شُبہ پیدا ہوگا ہی نہیں۔ اور اگر عربی زیادہ آتی ہو تو پھر بھی اس کو شُبہ نہیں ہوگا کیونکہ اُسے کوئی شُبہ ہوگا تو وہ خود تحقیقات کر کے اس کو دور کر لے گا۔ غرض صرف درمیانی درجہ کا علم رکھنے والا ہی اس ترجمہ پر جرح کر سکتا ہے نہ میں کر سکتا ہوں اور نہ کوئی اَور عالم کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہم جو جرح کریں گے وہ ہمارے نزدیک پہلے ہی حل ہے۔ اگر ترجمہ میں کوئی مشکل پیدا ہوگی تو ہمارا عربی کا علم حل کر دے گا۔ اس لیے ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ رائے وہی قائم کرے گا جس کو کچھ عربی بھی آتی ہو اور وہ دیکھے کہ جو کچھ عربی میں لکھا گیا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ اور پھر وہ کوئی بڑا عالم بھی نہ ہو کہ اُس کا دماغ خود ہی مشکل حل کر لے مگر بہر حال یہ ترجمہ وقت پر چھپ جائے تو لوگوں کے مختلف گروہ اس پر غور کریں گے اور وہ غور کر کے بیسیوں اعتراضات کریں گے۔ اور پھر جب ہم کو موقع ملے گا تو اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دیں گے کیونکہ قرآن شریف علم کا ایک بڑا بھاری خزانہ ہے اور اس کے اوپر حاوی ہونا کسی انسان کا کام نہیں۔

کہتے ہیں کوئی سائیس 1 تھا ایک دفعہ اس کے مالک نے جو کوئی نواب زادہ تھا۔ اس سے کہا تم یوں کرو تو وہ کہنے لگا۔ سائیسی کا علم ایک دریا ہے تمہیں اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ تو اگر سائیسی کا علم دریا ہے تو قرآن کریم کا علم تو سمندر سے بھی کئی ہزار گُنا زیادہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ قرآن کریم میں جو مضامین بیان ہوئے ہیں اگر ساتوں سمندر سیاہی بن جائیں اور سات سمندر اَور اُن میں ڈال دیئے جائیں تب بھی وہ مضامین ختم نہیں ہوں گے۔ 2 اور پھر ان کو کوئی انسان ترجمہ کے اندر کیسے لا سکتا ہے۔ وہ تو اپنی طرف سے یہی کرے گا کہ ایک ناقص چیز پیش کر دے۔ لوگ اُس پر اعتراض کرتے جائیں اور اصلاح ہوتی جائے۔ کیونکہ قیامت تک لوگوں کو نئے نئے مضامین سُوجھیں گے اور وہ اس کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اِس طرح زمانہ گزرتا چلا جائے گا لیکن سینکڑوں، لاکھوں، کروڑوں بلکہ اربوں سال میں بھی قرآن کریم کے معارف ختم نہیں ہوں گے۔ اس لیے یہ بات تو سرے سے ہی غلط ہے کہ میں کوئی کامل ترجمہ قرآن کریم کا کروں گا۔ کیونکہ

میں جانتا ہوں کہ کامل وہی ہے جو عربی زبان میں خداتعالیٰ نے اُتارا ہے۔ میں جو ترجمہ کروں گا وہ بہرحال ناقص ہی ہوگا اور مجھ سے پہلوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی ناقص ہے۔ مجھے ان کے تراجم میں نقائص نظر آتے ہیں اور ہزار سال بعد آنے والوں کو میرے ترجمہ میں نقص نظر آئیں گے۔ قرآن کریم کے مقابلہ میں جو کچھ بھی ہوگا وہ ناقص ہی ہوگا۔ یہ کوئی مسیح کے پرندے تھوڑے ہی ہیں جو ''رَل مِل جائیں'' گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ مولویوں کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام پرندے پیدا کیا کرتے تھے۔ میں نے ایک مولوی سے پوچھا کہ آپ کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام پرندے پیدا کیا کرتے تھے۔ یہ جو پرندے ہوا میں اُڑ رہے ہیں اُن میں خداتعالیٰ کے پرندے کونسے ہیں اور مسیح علیہ السلام کے بنائے ہوئے پرندے کونسے ہیں؟ مولوی صاحب پنجابی تھے وہ کہنے لگے ''مرزا صاحب! میں تہانوں کی دسّاں اوہ تے ہن رَل مِل گئے ہن''۔ یعنی میں آپ کو کیا بتاؤں وہ تو اَب مل جُل گئے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کے پرندے تو ''رَل مِل'' جاتے ہیں لیکن خداتعالیٰ کا کلام ''رَل مِل'' نہیں سکتا۔ وہ بہرحال اس بات کا ہر وقت مقتضی رہے گا کہ اس میں سے نئے نئے مضامین نکالے جائیں۔

پس ہم اِنْشَاءَ اللّٰہُ کوشش کریں گے کہ ترجمہ کا کام جلد ختم ہو جائے۔ چھاپنے والے چھاپنے کی کوشش کریں گے اور خداتعالیٰ چاہے تو یہ ترجمہ ستمبر یا اکتوبر میں چھپ جائے گا۔ چھاپنے والوں کے پیسے تو خرچ نہیں ہوں گے اور نہ انہیں محنت کرنی پڑتی ہے۔ ترجمہ بھی ہم کریں گے اور پیسے بھی ہم دیں گے۔ لیکن انہیں مفت میں ثواب مل جائے گا۔ ہزاروں آدمی اسے پڑھیں گے اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اِتنا آسان ثواب کسے مل سکتا ہے۔ اگر اس کی بھی کوئی ناقدری کرے تو وہ بہت بڑا بدقسمت ہے۔ چاہیے کہ کیا کاتب اور کیا چھاپنے والے اور کیا منتظم اور پھر کیا وہ لوگ جن کو میں ترجمہ ڈکٹیٹ کرواتا ہوں وہ رات دن ایک کر کے اِس کام کو ایک دفعہ پورا کر دیں تا لوگ اس سے فائدہ اُٹھانا شروع کر دیں اور ان کے لیے ثواب کا ایک رستہ کھل جائے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ترجمہ چھپ جانے سے پہلے کوئی ہم میں سے مر گیا تو وہ ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ اگر ترجمہ مکمل ہو جائے اور وہ چھپے نہیں تو چھاپنے والا ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ اور اگر وہ چھپ جائے اور لوگ اسے

پڑھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں تو قیامت تک ہم لوگوں کے لیے یعنی ترجمہ کرنے والے کے لیے، ترجمہ لکھنے والوں کے لیے، چھاپنے اور چھپوانے والوں کے لیے ثواب جاری رہے گا۔ تھوڑی سی اُور چند ماہ کی محنت کا سوال ہے۔ اس کے بعد قیامت تک ثواب کا رستہ کھلا رہے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ثواب کا وہ رستہ ضائع نہ ہو"۔ (الفضل 31 مئی 1957ء)

---

1 : **سائیس**: گھوڑے کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے والا (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

2 : قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۱۰﴾ (**الکہف**:110)

(16)

# اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اس کا ہمارے ساتھ ہونا یقیناً ہماری صداقت کی دلیل ہے

ہمارا اصل مقصود خدا ہے اگر وہ ہمیں مل گیا ہے تو پھر دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی

(فرمودہ 31 مئی 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں ایک یہ بھی الہام ہے کہ

''خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے''۔1

تعجب ہے کہ مبائعین اور غیر مبائعین اس امر پر بحث کرتے رہے ہیں کہ ہم میں سے مسلمان کون ہے۔ حالانکہ جہاں تک مسلمان ہونے کا سوال ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام موجود ہے۔ اگر مبائعین کو غیر مبائعین میں سے کوئی غیر مسلم قرار دیتا ہے یا غیر مبائعین کو مبائعین میں سے کوئی غیر مسلم قرار دیتا ہے تو اس الہام کے ماتحت وہ مجرم ہے۔ اصل چیز جس پر بحث ہونی چاہیے تھی وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے؟ ورنہ یہ کہنا کہ ہم ہیں تو مسلمان لیکن خدا ہمارے ساتھ نہیں ایک بے معنٰی بات بن جاتی ہے اور ایسے اسلام کو لے کر کسی نے کرنا کیا ہے۔ اصل بات جسے دیکھنا چاہیے

وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ اور یہ بات محمد حسن چیمہ کے مضمون سے حل ہو جاتی ہے۔ اس نے ''پیغامِ صلح'' میں ہمارے متعلق لکھا کہ چونکہ ان لوگوں میں تنظیم پائی جاتی ہے اس لیے یہ ترقی کر رہے ہیں۔ اب اس الہام میں کوئی وجہ تو خدا نے معیّن نہیں کی کہ میں کس وجہ سے ایک فریق کا ساتھ دوں گا۔ اور جب خدا نے کوئی وجہ نہیں بتائی تو بہرحال ترقی کرنے کی کوئی بھی وجہ ہو وہ ہر حالت میں قابلِ قدر ہوگی۔ اگر چیمہ کہتا ہے کہ مبائعین تنظیم کی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنے ہیں کہ چونکہ ان لوگوں میں تنظیم پائی جاتی ہے اس لیے خدا ان کے ساتھ ہے۔ اب چاہے تنظیم کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہو یا مسجدیں بنوانے کی وجہ سے ساتھ ہو یا کسی اَور وجہ سے ساتھ ہو بہرحال اُس کا ہمارے ساتھ ہونا ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ ہمیں اِس سے کیا غرض ہے کہ ہم یہ بحث کرتے پھریں کہ غیر ممالک میں مسجدیں بنانے کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہے یا اپنے اندر تنظیم پیدا کرنے کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور جب وہ ہمارے ساتھ ہے تو لوگ اس طرف کیوں جائیں گے جس طرف خدا نہیں۔ وہ تو لازماً اُس طرف جائیں گے جدھر خدا ہوگا۔

جیسے ایک پرانے احمدی کا میں نے بارہا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ مجھے قرآن کریم کی وہ دس آیتیں لکھ دیں جن سے حضرت مسیح کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہوتا ہے۔ اُن دنوں حضرت خلیفہ اوّل سے مولوی محمد حسین صاحب بحث کے لیے شرطیں طے کر رہے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ قرآن سے دلائل پیش ہوں گے اور مولوی محمد حسین صاحب کہتے کہ حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔ آخر بحث کو لمبا ہوتے دیکھ کر حضرت خلیفہ اوّل نے اتنا مان لیا کہ بخاری بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اِس پر بڑے خوش تھے کہ میں آخر انہیں حدیث کی طرف لے آیا۔ جب یہ اُن کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب! مجھے قرآن کی وہ آیتیں لکھ دیجیے جن سے حضرت مسیحؑ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ تو مولوی محمد حسین صاحب کو غصہ آ گیا اور کہنے لگے میں اتنی دیر تک نور الدین سے بحث کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا قرآن سے اِس مسئلہ پر بحث ہونی چاہیے اور میں کہتا تھا حدیث سے۔ آخر میں نے اُس سے منوا لیا کہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے مگر تُو پھر اس بحث کو قرآن کی طرف لے گیا ہے۔ وہ آدمی

نیک تھا۔ اس نے مولوی صاحب کا یہ جواب سنا تو اس پر سکتہ کی سی حالت طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا کہ مولوی صاحب! اچھا! پھر جدھر قرآن ہے اُدھر ہی میں ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس آ گیا اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔

اِسی طرح ایک مخلص انسان کہے گا کہ جب خدا مبائعین کیساتھ ہے تو پھر جدھر خدا ہے اُدھر ہی میں ہوں۔ وہ اس فریق کے ساتھ کیوں ملے گا جو مسلمان تو ہو مگر خدا اس کے ساتھ نہ ہو۔ پس اصل چیز جو دیکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی شخص اس نقطہ نگاہ سے غور کرے گا تو اسے ہمارے متعلق اقرار کرنا پڑے گا بلکہ ایک ہندو تک کو بھی ماننا پڑے گا کہ خدا اِن لوگوں کے ساتھ ہے اور انہوں نے ہمیشہ ترقی کی ہے۔ 1953ء میں مخالفت کا ایک عظیم الشان طوفان اُٹھا مگر اُس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہی کامیابی عطا فرمائی۔ پھر انکوائری کمیشن میں خود ججوں نے پیغامیوں کے متعلق کہا کہ ان کا مقام احراریوں کے ساتھ ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام کہ

''خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے''۔

مبائعین اور غیر مبائعین کے درمیان ایک فیصلہ کن الہام ہے۔ یہ سوال کہ اختلاف کیوں ہوا اور اس کی کیا وجوہ تھیں؟ یہ ایک لمبا سوال ہے۔ اصل بات جو دیکھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ اس اختلاف کے نتیجہ میں خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کے ساتھ ہو گیا اور جب خدا ایک کے ساتھ ہو گیا تو جس کے ساتھ خدا ہے اسے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوسکتی۔ اگر خدا غیر مبائعین کے ساتھ ہے تو ان کے لیے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں اور اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو ہمارے لیے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں۔ اب چاہے کسی غیر سے پوچھ لیا جائے کہ خدا غیر مبائعین کے ساتھ نظر آتا ہے یا مبائعین کے ساتھ تو وہ یہی جواب دے گا کہ ہمیں تو خدا مبائعین کے ساتھ ہی نظر آتا ہے اور 1914ء سے لے کر اَب تک وہ جو کام بھی کرتا ہے جماعت مبائعین کی تائید میں کرتا ہے۔ بلکہ اب تو ''پیغام صلح'' نے بھی مان لیا کہ ہماری ترقی تنظیم کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ یہ ترقی خواہ کسی وجہ سے ہو اِس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمیں اِس سے کیا غرض ہے کہ تنظیم کی وجہ سے خدا نے ہمارا ساتھ دیا ہے یا کسی اَور وجہ سے۔ ہمیں تو خدا سے غرض ہے۔

جیسے مشہور ہے کہ ایک بڑھیا یوسف کی خریداری کے لیے سوت کی ایک اَٹی لے کر آئی۔ کسی نے اس سے کہا کہ یوسف تو بڑی قیمتی چیز ہے اس کی تو لاکھوں روپے قیمت پڑے گی اور تُو سوت کی ایک اَٹی لے کر اُس کو خریدنے کے لیے آ گئی ہے۔ اس نے کہا خبر نہیں لاکھوں والے نہ آئیں اور اس اَٹی کے بدلے میں مجھے یوسف مل جائے۔ جس طرح اس بُڑھیا کو صرف یوسف کی خریداری کی ضرورت تھی، اس امر کی اُس کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہ تھی کہ وہ لاکھوں سے ملتا ہے یا اَٹّی سے، اِسی طرح ہمیں تو خدا کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں وہ اَٹی سے مل گیا تب بھی وہ خدا ہے اور اگر وہ کروڑوں سے مل گیا تب بھی وہ خدا ہے، اگر وہ مسجدوں سے ملا ہے تب بھی خدا ہے اور اگر وہ تنظیم سے ملا ہے تب بھی خدا ہے۔ پس یہ الہام ہماری صداقت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اس بحث میں نہ پڑو کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ تم یہ دیکھو کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔

ایک مصری اخبار ''الفتح'' نے ایک دفعہ لکھا کہ تیرہ سَو سال میں بڑے بڑے مسلمان بادشاہ گزرے ہیں مگر ان میں سے کسی کو اسلام کی اشاعت کی وہ توفیق نہیں ملی جو اس چھوٹی سی جماعت کو مل رہی ہے۔ پس ہمیں اس سے کیا کہ علماء ہمیں کافر کہتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں کافر کہتے ہیں تو بیشک کہتے رہیں ہمیں تو خدا چاہیے کیونکہ اس کی ہمیں ضرورت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک راجہ نے ایک دفعہ بینگن کی بُھجیا کھائی جو اُسے بڑی مزیدار معلوم ہوئی۔ وہ دربار میں آیا اور کہنے لگا کہ بینگن بڑی اچھی چیز ہے۔ آج میں نے اس کی بُھجیا کھائی ہے جو بڑی مزیدار تھی۔ اِس پر ایک درباری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا حضور! بینگن تو عجیب چیز ہے۔ جس وقت یہ پودے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے تو بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی ایک کونہ میں سر نیچے اور پیر اونچے کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہو اور پھر حضور! اگر طب کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں تو حضور کو معلوم ہوگا کہ اس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک ایک کر کے بینگن کی خوبیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اس کے بعد چند دن متواتر جو راجہ نے بینگن استعمال کیے تو اُسے بواسیر ہو گئی۔ اِس پر وہ دربار میں آ کر کہنے لگا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ بینگن بڑی اچھی چیز ہے مگر معلوم ہوتا ہے اس میں بھی نقص ہیں۔ میں نے چند دن بینگن کھائے تو مجھے بواسیر

ہوگئی ہے۔ اِس پر وہی درباری پھر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا حضور! بینگن بڑی خراب چیز ہے۔ طب کی کتابوں میں اس کا یہ نقص بھی لکھا ہے، وہ نقص بھی لکھا ہے۔ طب کی کتابوں میں آخر ہر چیز کے فوائد کا بھی ذکر ہوتا ہے اور نقصانات کا بھی۔ اس نے نقصانات بتانے شروع کر دیئے کہ اس میں یہ بھی خرابی ہوتی ہے اور وہ بھی خرابی ہوتی ہے۔ اور پھر کہنے لگا حضور! اس کی شکل بھی دیکھیے کتنی منحوس ہوتی ہے۔ جس وقت یہ کمبخت پودے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے تو بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چور کے ہاتھ منہ کالے کر کے اسے صلیب پر لٹکایا ہوا ہے۔ درباریوں نے بعد میں اُسے بڑی ملامت کی اور کہا تُو بڑا بے حیا ہے۔ اُس دن تُو بینگن کی اتنی تعریف کر رہا تھا اور آج تُو نے اس کی مذمت شروع کر دی۔ وہ کہنے لگا میں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نہیں۔

اِسی طرح ہم بھی خدا کے نوکر ہیں مولویوں کے نہیں۔ اگر خدا کسی وجہ سے ہمارا ساتھ دینے لگتا ہے تو چاہے وہ کتنی چھوٹی وجہ ہو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ وہ چھوٹی وجہ ہے۔ اگر ایک چھوٹی وجہ سے ہی خدا ہمارے ساتھ ہوگیا ہے اور اس کی تائید ہمارے شاملِ حال ہوگئی ہے تو ہمیں اس وجہ کے چھوٹا ہونے کی کوئی پروا نہیں ہوگی کیونکہ ہمارا اصل مقصود خدا ہے اور ہم خدا کے نوکر ہیں مولویوں کے نہیں۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہوگیا تو ہماری غرض پوری ہوگئی۔ اب ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا ہمیں اچھا کہتی ہے یا بُرا کہتی ہے۔ اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو دنیا کی مخالفت ہماری نگاہ میں ایک ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں رکھتی"۔ (الفضل 8 جون 1957ء)

---

1 : تذکرہ صفحہ 604۔ ایڈیشن چہارم 2004ء

17

# اگر انسان پورے یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارے تو اس کی پکار کبھی ضائع نہیں جاتی اور خدا اس کی مدد کے لیے دوڑا چلا آتا ہے

(فرمودہ 14 جون 1957ء)

تشہد، تعوذ، سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ 1

اس کے بعد فرمایا:

"اس آیت میں دعا کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان گُر بتایا ہے۔ میں تو آج خطبہ پڑھ رہا ہوں یا اس سے پہلے بھی بعض دفعہ اس آیت کے متعلق خطبات پڑھ چکا ہوں لیکن یہ آیت تیرہ سو سال سے قرآن کریم میں موجود ہے۔ پس یہ آج کا نسخہ نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کہ جب کبھی

میرے بندے انسانی خداؤں سے ڈر کر پوچھیں کہ ہمارا آسمانی خدا کہاں ہے؟ ہم پر تو فرعون نے اور نمرود نے اور شدّاد نے اتنا تصرّف کر لیا ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں جائیں اور کس طرح مصائب اور آفات سے رہائی حاصل کریں۔ وہ تو عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور ہمیں نظر نہیں آتا۔ تو تُو انہیں کہہ دے کہ تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ میں خود تمہارے قریب آیا ہوا ہوں۔ اگر تمہارا باپ تمہارے کام آ سکتا یا تمہارا چچا تمہاری مدد کر سکتا یا اَور کوئی رشتہ دار تمہارے قریب ہوتا تو تمہیں دوڑ کر اُس کے پاس جانا پڑتا مگر اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ دوڑ کر تمہارے قریب آیا ہوا ہوں۔ پس تمہاری فریاد کے سنے جانے میں کوئی وقت نہیں لگ سکتا۔ دنیا میں تو تمہیں مدد حاصل کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں کے پاس دوڑنا پڑتا ہے مگر یہاں یہ کیفیت نہیں بلکہ یہاں میں آپ دوڑ کر تمہارے قریب آ گیا ہوں۔ پھر تمہیں کیا مشکل پیش آ سکتی ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جو شخص بھی کامل طور پر دعا کرنے والا ہو میں اُس کی دعا کو قبول کیا کرتا ہوں اور اُسے کبھی خالی ہاتھ اپنی بارگاہ سے واپس نہیں لَوٹاتا۔ مگر شرط یہ ہے کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ آخر تمہاری میرے ساتھ کوئی رشتہ داری تو نہیں۔ نہ میں تم میں سے کسی کا باپ ہوں اور نہ میں کسی کا بیٹا ہوں۔ میرے ساتھ تمہارا تعلق تو دوستی اور محبت سے ہی قائم ہے۔ اور دوستی میں یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی باتیں مانی جاتی ہیں۔ پس بے شک میں ان کی دعائیں سننے کے لیے تیار ہوں مگر وہ بھی تو میری سنیں اور میری باتیں مانیں۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ وہ تو چاہتے ہیں کہ میں اُن کی سنوں مگر وہ میری بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ میں اُن کی سنوں تو وہ میری بھی سنیں اور میرے احکام پر چلیں۔ آگے فرماتا ہے وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ اب یہ سیدھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام وہی مانے گا جو اُن پر ایمان لائے گا۔ آخر ایک ہندو کیوں حج کرے گا؟ ایک ہندو کیوں روزہ رکھے گا؟ ایک ہندو کیوں زکوٰۃ دے گا؟ یا ایک عیسائی کیوں روزہ رکھے گا؟ وہ کیوں حج کرے گا؟ وہ کیوں زکوٰۃ دے گا؟ ایک عیسائی یا ہندو تبھی روزہ رکھے گا اور تبھی حج کرے گا اور تبھی زکوٰۃ دے گا جب وہ مسلمان ہو جائے گا۔ پس جب خدا تعالیٰ نے پہلے کہہ دیا کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ انہیں چاہیے کہ وہ میری باتیں بھی مانیں تو ایمان اس کے اندر آ گیا۔ پھر وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ کیوں کہا؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ میں تو احکام پر عمل کرنے کی ہدایت ہے اور وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ میں

اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم صرف احکام پر ہی عمل نہ کرو۔ بلکہ اس بات پر بھی یقین رکھو کہ میں تمہاری دعائیں سن سکتا ہوں اور ان کے مطابق دنیا میں تغیرات پیدا کرسکتا ہوں۔ اگر تم یہ یقین نہیں رکھتے تو پھر تمہارا دعا کرنا ہنسی اور تمسخر ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص بُت کے آگے روتا بھی رہے اور چیخیں مار مار کر دعائیں بھی کرتا رہے تو بُت نے کیا کر لینا ہے۔ اِسی طرح اگر ایک شخص خدا تعالیٰ کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے۔ لیکن دل میں یہ یقین نہیں رکھتا کہ خدا اُس کی دعاؤں کو سن سکتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی ہتک کرتا اور اسے ایک بُت کا درجہ دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ پورے یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کبھی ضائع نہیں جاسکتی۔ خدا تعالیٰ اس کی مدد کے لیے دوڑا چلا آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک رشتہ دار عورت جو غالباً اُن کی پھوپھی تھیں اُن کی کسی دوسری عورت سے لڑائی ہوگئی۔ جوش میں اُن کی پھوپھی نے اُس عورت کو تھپڑ مارا جس سے اُس کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس عورت کا بیٹا یا بھتیجا مسلمان تھا۔ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعوٰی دائر کر دیا اور کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! جس طرح میری والدہ یا چچی کا دانت توڑا گیا ہے اِسی طرح ابوہریرہؓ کی پھوپھی کا بھی دانت توڑا جائے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ ایک مخلص صحابی تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سمجھایا کہ معاف کر دو مگر اس نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! میں معاف نہیں کرسکتا۔ میرے دل میں بڑی آگ ہے۔ جب تک ان کی پھوپھی کا بھی دانت نہیں نکالا جائے گا مجھے تسلی نہیں ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پھر سمجھایا اور فرمایا کہ جانے دو۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے باوجود وہ نہ مانا تو حضرت ابوہریرہؓ نے سمجھ لیا کہ جو انسانی زور ہوسکتا تھا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی ہوسکتا تھا۔ جب اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے تو اَب خدا ہی باقی رہ گیا ہے۔ اُس کے سامنے مجھے اپنا ہاتھ پھیلانا چاہیے۔ چنانچہ وہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ خدا کی قسم! میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اِس فقرہ کا اُن کے منہ سے نکلنا تھا کہ وہی مسلمان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو بھی ردّ کر چکا تھا خدا کا نام سن کر ڈر گیا اور کہنے لگا یَا رَسُولَ اللّٰہ! میں معاف کرتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں

بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے سر میں مٹی پڑی ہوئی ہوتی ہے اور جن کے کپڑے میلے کچیلے ہوتے ہیں مگر جب وہ کسی معاملہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کریں تو خدا آسمان سے ان کی قسم کو پورا کرنے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔2

اب دیکھو! ابوہریرہؓ ایک غریب آدمی تھے۔ مگر جب انہوں نے قسم کھائی تو خدا آسمان سے ان کی مدد کے لیے اُتر آیا۔ اور وہی مسلمان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو بھی ردّ کر چکا تھا اس نے بدلہ لینا ترک کر دیا۔ تو مومن کی دعا خدا تعالیٰ کے عرش کو بھی ہلا دیتی ہے اور اس کے فرشتے انسان کی مدد کے لیے آسمان سے اُترنے لگ جاتے ہیں۔

مجھے اِس خطبہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ پچھلے دنوں متواتر مجھے مختلف مقامات سے احمدیوں کے خطوط پہنچے ہیں کہ مخالف انہیں دِق کر رہے ہیں۔ بعض نے اپنے افسروں کے متعلق لکھا ہے، بعض نے اپنے علاقہ کے رئیسوں کے متعلق لکھا ہے، بعض نے علماء کے متعلق لکھا ہے اور بعض نے اَور بعض صاحبِ اثر لوگوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ انہیں احمدیت کی وجہ سے تنگ کر رہے ہیں۔ میں ان سب سے کہتا ہوں کہ میں اُنہی جیسا ایک انسان ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ میں ایک بشر رسول ہوں اور میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کا بھی خادم ہوں۔ پھر میرے بشر ہونے میں کیا شُبہ ہوسکتا ہے۔ پس میں ان کی ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔ ان کی ضرورت خدا ہی پوری کر سکتا ہے۔ پس ان کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دعا کریں اور اُنہی الفاظ میں کریں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ **اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ**۔3 یعنی اے خدا ہمارے دشمن اتنے طاقتور ہوگئے ہیں کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم ان کی چھاتیوں کے آگے تجھے کھڑا کرتے ہیں تا کہ وہ شر جو دشمن ہمیں پہنچانا چاہتے ہیں اُن سے ہم محفوظ رہیں اور تیری تائید اور نُصرت ہمارے شاملِ حال رہے۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ اس دعا کے نتیجہ میں بڑے سے بڑے طاقتور آدمی بھی اپنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں اور ان کی تمام تدبیریں خاک میں مل جاتی ہیں۔ پس میں جماعت سے کہتا ہوں کہ وہ قرآن کریم کی اس آیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر غور کریں اور ان حالات میں خدا تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ **اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ**۔ اگر تم ان الفاظ میں خدا تعالیٰ

سے دعا کرتے رہو گے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تمہارے دشمن آسمان سے بھی اونچے چلے جائیں گے تو خدا کے فرشتے ان کی ٹانگیں پکڑ کر اس طرح کھینچیں گے کہ ان کے جسم کا ذرّہ ذرّہ ہوا میں اُڑ جائے گا۔

1953ء میں جب فسادات ہوئے تو جھنگ کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ گستاخی تو ہوگی مگر میں حکم پہنچانے پر مجبور ہوں۔ ہوم سیکرٹری کی طرف سے گورنر صاحب کا آپ کے نام حکم آیا ہے کہ آپ احرار کے متعلق کوئی بات نہ کہیں اور نہ اخبار میں اس کے متعلق کچھ لکھیں کیونکہ اس طرح جوش پیدا ہوتا ہے۔ میں نے کہا ظلم احرار کر رہے ہیں یا ہم کر رہے ہیں؟ ہمارے آدمیوں کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے یا احرار کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے؟ ہمارے آدمی قتل ہو رہے ہیں یا احرار کے آدمی قتل ہو رہے ہیں؟ اگر ہماری جماعت کے افراد مارے جا رہے ہیں۔ اگر ہماری جماعت کے افراد کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے اور اگر ہماری جماعت کے افراد کے گھروں کو جلایا جا رہا ہے تو چاہیے تھا کہ نوٹس اُن کو دیا جاتا۔ مجھے کیوں نوٹس دیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں تو نوکر ہوں۔ گورنر صاحب کا آرڈر آیا تھا جسے میں پہنچانے پر مجبور تھا۔ ورنہ میں نے تو پہلے ہی معذرت کر دی ہے کہ مجھے اِس گستاخی کی معافی دی جائے۔ جب وہ اٹھنے لگا تو میں نے کہا تم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب مجھے بھی اپنا فرض ادا کرنے دو۔ تمہارے گورنر کو یہ دعوٰی ہے کہ وہ حکومتِ پاکستان کا نمائندہ ہے اور مجھے یہ دعوٰی ہے کہ میں ربُّ العرش کا نمائندہ ہوں۔ تم اپنے آپ کو اسی لیے محفوظ سمجھتے ہو کہ تم حکومت کی طرف سے آئے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ اگر میری ہتک ہوئی تو گورنمنٹ خود ہتک کرنے والے کو پکڑ لے گی۔ پس اگر تم کو یہ یقین ہے کہ میری ہتک پر یہ گورنر میری مدد کو پہنچے گا۔ تو اگر میں خدا کا گورنر ہوں تو کیا خدا میری مدد کے لیے نہیں آئے گا؟ اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ جاؤ اور اپنے افسروں سے کہہ دو کہ قریب ہی میرا خدا ان کی گردنیں پکڑ لے گا اور جس طرح تمہارے گورنر نے اپنا حکم بھیج کر میری گردن مروڑی ہے۔ اِسی طرح میرا خدا اُس کی گردن مروڑ کر رکھ دے گا۔ چنانچہ سات دن کے اندر اندر گورنر کو برطرف کر دیا گیا اور اُسے واپس بلا لیا گیا۔

اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ بعد میں جب سپرنٹنڈنٹ پولیس میری تلاشی کے لیے آیا (اب چونکہ وہ پنشن لے چکا ہے اس لیے اس بات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں) تو اُس نے کہا

کہ مجھے تو یہ حکم ہے کہ میں زنانے میں بھی گھس کر تلاشی لوں۔ مگر میرے دل میں آپ کا بڑا ادب ہے۔ آپ مجھے صرف اپنی دہلیز میں پیر رکھنے دیں۔ میں لکھ دوں گا کہ میں نے تلاشی لے لی ہے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر گورنمنٹ نے مجھ سے پوچھا تو میں یہی کہوں گا کہ میری کوئی تلاشی نہیں لی گئی۔ اس لیے میرے ساتھ چلو اور تلاشی لو۔ پھر میں اُسے اپنے ساتھ لے گیا اور میں نے کہا یہ کاغذات موجود ہیں ان کو دیکھ لو۔ وہ بار بار معذرت کرتا اور کہتا کہ حکم پورا ہو گیا۔ مگر میں نے کہا اِس طرح نہیں پہلے سارے کاغذات دیکھ لو پھر حکم پورا ہو گا۔ اُس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی اندر بلا لیا تھا۔ چنانچہ سارے کاغذات اُسے دکھائے گئے تا کہ گورنمنٹ کا حکم پورا ہو جائے۔ اِس طرح خدا نے فوراً وہ بات پوری کر دی جو میری زبان سے نکلی تھی۔ اب کُجا گورنر اور کُجا میری ذات۔ مگر سات دن کے اندر اندر اُسے گورنری سے رُخصت کر دیا گیا اور اب تک وہ وکالتیں کرتا پھرتا ہے۔

پس دعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکلات کا ازالہ چاہو اور یاد رکھو کہ خواہ تمہاری مخالفت کرنے والے تمہارے ہمسائے ہوں یا علمائے دین ہوں، یا بڑے بڑے تاجر اور کارخانہ دار ہوں یا قوم کے لیڈر اور رئیس ہوں۔ اگر تم اخلاص سے یہ دعا کرو گے کہ **اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجۡعَلُكَ فِىۡ نُحُوۡرِهِمۡ وَنَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ شُرُوۡرِهِمۡ**۔ تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم ان کے پاؤں کی خاک بھی ہو گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُن کی گردنیں مروڑ دے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ صرف کُنۡ کہتا ہے اور زمین و آسمان میں تغیر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر تم اخلاص سے اُس سے دعا کرتے رہو گے تو خدا تعالیٰ کہے گا کہ اے زمین و آسمان! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تمہارا ذرّہ ذرّہ اس شخص کی تائید میں لگ جائے۔ بے شک تمہارا مخالف پانی چھان چھان کر پیئے۔ رات اور دن پرہیز کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ کہے گا کہ اے ہیضہ کے کیڑو! تم اتنی تعداد میں اس شخص کے اندر داخل ہو جاؤ کہ دنیا کی کوئی دوائی اس پر اثر نہ کر سکے۔ اے انفلوئنزا کے کیڑو! تم اتنی تعداد میں اس شخص کے اندر داخل ہو جاؤ کہ دنیا کی کوئی دوائی اس پر اثر نہ کر سکے۔ اے طاعون کے کیڑو! تم اتنی تعداد میں اس شخص کے اندر داخل ہو جاؤ کہ دنیا کی کوئی دوائی اس پر اثر نہ کر سکے اور یہ تڑپ تڑپ کر مر جائے اور میرا مومن بندہ خوش ہو جائے کہ میں نے اس کی تائید کی ہے۔

پس میں تمہیں یہی نصیحت کرتا ہوں بیشک مجھے خط لکھ دینا بھی ایک مفید بات ہے۔ اس سے

مجھے تحریک ہوتی ہے اور میں دعا کر دیتا ہوں۔ مگر اصل طریق یہی ہے کہ تم خود عجز وانکسار سے خدا تعالیٰ کے آگے جھکو اور اس سے دعائیں کرو کہ وہ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آخر یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ تم نے تو خدا تعالیٰ کے مامور کو مان لیا مگر خدا تعالیٰ بات نہیں مانے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا احسان اپنے سر پر نہیں رکھتا۔

قرآن کریم میں آتا ہے کہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر کے خدا تعالیٰ پر احسان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم احسان مت جتاؤ۔ خدا نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی ہے۔4 پس جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کے مامور کو قبول کرتا ہے تو چونکہ خدا تعالیٰ یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس پر کوئی احسان رکھے اس لیے وہ فوراً اُسے اپنے انعامات سے نوازنا شروع کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر تم کو تکلیف دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ کیونکہ اگر وہ تکلیف دور نہ ہوئی تو قیامت کے دن تم خدا تعالیٰ سے کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے ہمیں دنیا میں یہ یہ تکلیفیں دی تھیں۔ اے خدا! تُو بتا کہ تُو نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اللہ تعالیٰ اس کا یہی جواب دے سکتا ہے کہ تمہارے بڑے بڑے دشمن تھے جن کو میں نے ہلاک کر دیا اور تمہیں انکی شرارتوں سے محفوظ رکھا۔

آخر صحابہؓ کو بھی بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں۔ جب مرنے کے بعد وہ خدا تعالیٰ سے کہیں گے کہ الٰہی! تیری خاطر ہم نے اپنا وطن چھوڑا، بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کو چھوڑا، لڑائیاں کیں، مالی اور جانی قربانی کی تو خدا تعالیٰ انہیں کہے گا کہ تمہیں یاد ہے تم سوکھی روٹیاں کھاتے تھے اور تمہیں تن کے پورے کپڑے بھی میسر نہیں تھے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ تمہارا امام نماز پڑھاتا تو سجدہ میں جاتے وقت وہ ننگا ہو جاتا تھا مگر پھر میں نے سارے عرب کا تمہیں بادشاہ بنا دیا اور مکہ کے وہ بڑے بڑے سردار جو تمہیں جوتیاں مار لیتے تھے وہ تمہارے سامنے غلاموں کی طرح پھرنے لگے۔ اب بتاؤ! میں نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا تھا۔ اور یقیناً انہیں ماننا پڑے گا کہ خدا نے جو اُن پر احسان کیا تھا اگلے جہان میں جو نعمتیں انہیں ملیں گی ان کو جانے دو۔ اس جہان کا انعام ہی اس خدمت کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا جو انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کے لیے کی۔ پس خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو اور یقین رکھو کہ وہ تمہاری سنے گا۔ پھر دیکھ لینا کہ بڑی سے بڑی طاقت بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

دیکھو! مفتی محمد صادق صاحب جب امریکہ گئے تو سرکاری عملہ نے انہیں روک لیا اور امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اُس وقت میں نے ایک نظم لکھی جو "کلام محمود" میں ہے اور جس کا ایک شعر یہ ہے کہ

غم اپنے دوستوں کا بھی کھانا پڑے ہمیں
اغیار کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے ہمیں

اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حکومت جس نے انہیں روکا تھا ٹوٹ گئی اور اب جو دوسری حکومت قائم ہوئی ہے اُس نے حکم دے دیا ہے کہ احمدی مبلّغوں کے آنے میں کوئی روک نہ پیدا کی جائے۔ بلکہ اب صرف احمدی مبلّغوں کو ہی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ ہر سال پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے صرف جرمن اور انگریز وہاں جا سکتے تھے مگر اب پاکستانی اور ہندوستانی بھی بڑی تعداد میں وہاں جا سکتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے فضلوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور انسانوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ یہ انسان تمہارے پاؤں کی انگلی کی میل سے بھی زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور جب خدا چاہے گا انہیں کچل کر رکھ دے گا۔ مخالفتیں ایک عارضی چیز ہیں۔ تمہیں اصل توکل خدا پر رکھنا چاہیے کہ وہی مدد کرنے والا اور دشمنوں پر غلبہ دینے والا ہے"۔

(الفضل 22 جون 1957ء)

---

1: البقرة: 187

2: صحیح بخاری کتاب التفسیر باب "والجروح قصاص" میں حضرت انس بن مالک کی پھوپھی کا ذکر ہے۔

3: سنن ابی داؤد کتاب الصلاة (کتاب الوتر) باب ما یقول الرّجلُ اذا خاف قومًا

4: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات: 18)

18

# سچا مومن وہ ہے جو خدا کے مقام اور اس کے رسول کے درجہ میں فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھے

(فرمودہ 21 جون 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم میں ایک لفظ ربّانی کا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔1 تم ربّانی بن کے رہو۔ مختلف صحابہؓ نے مختلف اوقات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں سنی ہیں ان کے مطابق بعض نے تو یہ کہا ہے کہ ربّانی وہ ہیں جو چھوٹے علوم پہلے پڑھاتے ہیں اور بڑے بعد میں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت دی تھی کہ ہم ہر شخص کو اس کے درجہ کے مطابق جگہ دیں۔ اگر ہم ہر شخص کو اُس کے درجہ کے مطابق جگہ دیتے ہیں تب تو ہم خدا تعالیٰ کے حضور نیک سمجھے جاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے الفاظ یہ ہیں کہ اُمِرْنَا أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ عَلٰى مَنَازِلِهِمْ۔2 یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص کا درجہ اور مقام ہے اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہم اس کے ساتھ سلوک کریں۔ ان الفاظ میں درحقیقت اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سچا مومن وہ ہے جو خدا کو خدا کا، رسول کو رسول کا اور صحابیؓ کو صحابیؓ کا

مقام دیتا ہے۔ بعض لوگ جو اس حقیقت کو مدّ نظر نہیں رکھتے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے رسول کو خدا کا مقام دے دیتے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ہتک ہوتی ہے اور بعض دفعہ رسول کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کرنے لگ جاتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو لوگوں سے کہہ دے کہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔3 میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں۔ مگر مسلمانوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے بلکہ آپ کو بشر کہنا حرام ہے اور جو شخص آپ کو بشر کہتا ہے وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ گویا انہوں نے رسول کو خدا کا مقام دیا ہے۔ حالانکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت فرمایا تھا کہ خدا یہود پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے اور انہیں خدائی کا درجہ دے دیا ہے۔4 یہ تو آپ کا فتویٰ ہے جو آپ نے یہود کے متعلق دیا مگر مسلمانوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ آپ کو بشر کہنا بھی ناجائز ہے۔ حالانکہ اصل نیکی یہ تھی کہ خدا کو خدا کا، رسول کو رسول کا اور صحابی کو صحابی کا درجہ دیا جاتا۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا اور درجے گھٹا تا بڑھاتا رہتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ہو جاتا ہے۔ اور ایسا آدمی کبھی عزت نہیں پاتا، نہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اور نہ رسول کی نظر میں۔ کیونکہ وہ رسول کو خدا کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔

مثلاً مسیح ناصریؑ کی امت نے حضرت مسیح ناصریؑ کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔ مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت مسیحؑ سے اس بارہ میں پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ خدایا! میں نے تو کبھی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے میرے مرنے کے بعد کیا ہے۔ اب آپ کا اختیار ہے کہ چاہیں تو انہیں معاف کر دیں اور چاہیں تو سزا دے دیں۔5 گویا جس کو انہوں نے خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ بجائے اِس کے کہ وہ اپنی امت کے اس فعل پر فخر کرتا وہ خدا سے یہی کہے گا کہ خدایا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے میرے مرنے کے بعد کہا ہے۔ اب تیرا اختیار ہے کہ تُو اُن سے جو چاہے سلوک کرے۔ یہ تیرے بندے ہیں تُو چاہے تو انہیں معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے دے۔ مگر مسلمانوں نے اس سے بھی بڑھ کر کمال کر دیا۔

حضرت خلیفہ اوّل کی ایک بہن ایک پیر صاحب کی مُرید تھیں۔ وہ قادیان میں آئیں اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ جب واپس گئیں تو ان کے

پِیر صاحب کہنے لگے کہ تجھے کیا ہو گیا کہ تُو نے مرزا صاحب کی بیعت کر لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے نور الدین نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ وہ آئیں تو حضرت خلیفہ اوّل سے انہوں نے اِس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اگر پھر کبھی پِیر صاحب سے ملنے کا اتفاق ہو تو انہیں کہنا کہ آپ کے عمل آپ کے ساتھ ہیں اور میرے عمل میرے ساتھ ہیں۔ میں نے تو مرزا صاحب کو اس لیے مانا ہے کہ اگر آپؑ کو نہ مانا تو قیامت کے دن مجھے جوتیاں پڑیں گی۔ آپ بتائیں کہ آپ اس دن کیا کریں گے؟ جب وہ واپس گئیں تو انہوں نے پِیر صاحب سے جا کر یہی بات کہہ دی۔ وہ کہنے لگا یہ نور الدین کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ اُسی نے تجھے یہ بات سمجھا کر میرے پاس بھیجا ہے مگر تمہیں اِس بارہ میں کسی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔ جب قیامت کا دن آئے گا اور پُلِ صراط پر سب لوگ اکٹھے ہوں گے تو تمہارے گناہ میں خود اُٹھا لوں گا اور تم دگڑ دگڑ کرتے ہوئے جنت میں چلے جانا۔ انہوں نے کہا پِیر صاحب! ہم تو جنت میں چلے گئے پھر آپ کا کیا بنے گا؟ وہ کہنے لگا جب فرشتے میرے پاس آئیں گے تو میں انہیں لال لال آنکھیں نکال کر کہوں گا کہ کیا ہمارے نانا امام حسینؓ کی شہادت کافی نہیں تھی کہ آج قیامت کے دن ہمیں بھی ستایا جاتا ہے۔ بس یہ سنتے ہی فرشتے دوڑ جائیں گے اور ہم دگڑ دگڑ کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

غرض عیسائی جس کو خدا قرار دیتے ہیں وہ تو کہتا ہے کہ خدایا! یہ تیرے بندے ہیں۔ آپ چاہیں تو انہیں سزا دے دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔ مگر مسلمان کہتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو لال لال آنکھیں دکھائیں گے جس سے وہ ڈر کر بھاگ جائیں گے اور ہم دگڑ دگڑ کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ غرض مسلمان اِس معاملہ میں عیسائیوں سے بھی آگے نکل گئے **اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ**۔ وہ بزرگ جنہوں نے خدا تعالیٰ کی توحید کی اشاعت کے لیے رات دن کوششیں کیں اور اسلام کا جھنڈا بلند رکھا میں ان کا ذکر نہیں کر رہا۔ جیسے حضرت ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی ہیں یا حضرت احمد صاحب سرہندی ہیں یا حضرت سید احمد صاحب بریلوی ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے توحید کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ میں صرف ان بدبختوں کا ذکر کر رہا ہوں جنہوں نے دین کو ہنسی بنا دیا اور اسلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو اُسے بدنام کرنے والی ہیں۔

ایک قصّہ مشہور ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیجا کہ جاؤ اور محمد رسول اللہ کو

لے آؤ۔ وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خدا نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ جب آپ چل پڑے تو راستہ میں کوہ قاف آ گیا۔ گویا کوہِ قاف آسمان کے رستہ میں آتا ہے۔ اب جبریل کو رستہ نظر نہ آئے کہ کدھر جانا ہے۔ کبھی دائیں جائیں، کبھی بائیں جائیں، کبھی اِدھر جائیں، کبھی اُدھر جائیں مگر کچھ پتا نہ چلے کہ رستہ کونسا ہے۔ اُدھر آسمان سے خدا تعالیٰ نے آوازیں دینی شروع کر دیں کہ جبریل! انہیں لاتے کیوں نہیں؟ آخر گھبرا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی رستہ تلاش کرو۔ جبریل نے کہا کر تو رہا ہوں مگر کچھ پتا نہیں چلتا۔ آخر چلتے چلتے کچھ بھنگی چرسی فقیر نظر آئے جو حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کے ماننے والے تھے۔ جبریل اُن کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہمیں تو کوئی رستہ نظر نہیں آتا آپ ہی بتائیں کہ اب ہم آسمان پر کس طرح جائیں؟ وہ کہنے لگے کہ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پہلے ہم بھنگ گھوٹ لیں پھر تمہیں بتائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے اطمینان سے بھنگ گھوٹنی شروع کر دی۔ وہ پھر گھبرائے اور کہا کہ جلدی بتائیں بہت دیر ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا آرام سے بیٹھو، ابھی ہم بھنگ گھوٹ رہے ہیں۔ جب بھنگ گھوٹ چکے تو انہوں نے بھنگ کے نَغْدَہ 6 کا ایک گولہ سا بنایا اور "یا مولا علی" کہہ کر زور سے کوہِ قاف پر مارا۔ اُس گولے کا لگنا تھا کہ پہاڑ پھٹ گیا اور رستہ بن گیا۔ جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور دوڑتے ہوئے خدا کے پاس پہنچے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا تھا اُس نے آپؐ سے باتیں کیں۔ جب باتیں ہو چکیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ الٰہی! آپ نے جو اِتنی تکلیف فرمائی ہے تو اَب ذرا اپنا دیدار بھی کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹایا تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیٹھے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الٰہی! یہ دیدار تو زمین پر روزانہ ہو جاتا ہے۔ یہاں بلانے کی آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا "اس میں بھی رمز تھی۔" گویا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت علیؓ خدا تھے اور معراج پر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گئے تو اس میں بھی ایک رمز تھی۔ یہ آجکل کے مسلمانوں کی کیفیت ہے مگر وہ متقی اور پرہیزگار جو اُمّتِ محمدیہ میں لاکھوں لاکھ گزرے ہیں انہوں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ میں صرف اُن بھنگیوں اور چرسیوں کا ذکر کر رہا ہوں جن کا کام لوگوں سے بھیک مانگنا ہوتا ہے اور جو رات دن نشہ میں مدہوش رہتے ہیں اور اسلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اسے اعتراضات کا نشانہ بنانے والی ہوتی ہیں۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ ایک بھنگی فقیر سے

شکست کھانی پڑی۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا ''دلا کچھ دستگیر دے نام دا''۔ میں اُس وقت جوان تھا اور نیا نیا پڑھ کر نکلا تھا۔ میں نے کہا میں دستگیر کے نام پر کچھ نہیں دے سکتا۔ وہ بڑا ہوشیار تھا۔ کہنے لگا ''ہے کوئی خدا دے سِوا دستگیر''؟ یعنی کیا خدا کے سِوا کوئی اَور بھی دستگیر ہے؟ اِس پر مجھے خاموش ہونا پڑا۔

پس جاہل فقیروں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے عجیب وغریب باتیں بنا رکھی ہیں۔ مگر جو حقیقی موحّد تھے انہوں نے اپنی جانیں دے دیں، قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں، دشمنوں سے ماریں کھائیں مگر اپنے عقائد میں انہوں نے تبدیلی نہیں آنے دی۔ مثلاً خلقِ قرآن کے مسئلہ پر بحث ہوئی تو امام احمد بن حنبلؒ نے مار کھا کر اپنے ہاتھ تڑوا لیے مگر بادشاہ سے دبے نہیں۔ وہ یہی کہتے رہے کہ قرآن مخلوق نہیں مقول ہے۔ یعنی یہ خدا تعالیٰ کا قول ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو پیدا کی گئی ہو۔ ایسا ہی کئی اَور بزرگوں نے لوگوں سے ماریں کھائیں، جیل خانے دیکھے مگر پروا نہیں کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی روشنی سے آج ساری دنیا منور ہو رہی ہے۔

یہ لوگ گو بعد میں آئے مگر درحقیقت یہ بھی صحابی ہی ہیں اور ان پر وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ[7] کہ میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ یہ لوگ بھی گو بعد میں آئے مگر اپنے قُرب اور محبت کی وجہ سے صحابہؓ کے مقام کو پہنچ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کی بناء پر ستارے بن گئے جن سے ایک دنیا راہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ ان لوگوں کی برکتوں اور رحمتوں سے جو لوگوں کو فیض پہنچا ہے اِس کے مقابلہ میں عوام کی کفر اور الحاد کی باتیں بالکل حقیر ہو جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کفر اور الحاد کے باوجود جو حقیقی موحّد تھے اُن کی برکت سے خدا تعالیٰ کی باتیں دنیا میں قائم ہوتی رہتی ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑھتی رہتی ہے۔ مُلحد فقیر اپنے اعمال کے متعلق آپ جواب دِہ ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے اپنی جانیں دے دیں قیامت کے دن بڑے بڑے درجے حاصل کریں گے''۔ (الفضل 27 جون 1957ء)

---

1: آل عمران: 80

2: صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب للامام مسلمؒ میں ''اَمَرَنَا رسولُ اللّٰہ اَنْ نُنَزِّلَ النّاسَ مَنَازِلَھُمْ'' کے الفاظ ہیں۔

3: بنی اسرائیل :94

4: صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ و ابی بکرؓ و عمرؓ

5: مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۸﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ (المائدة: 118، 119)

6: نَغْدَہ: گھوٹی ہوئی بھنگ یا کسی دوا یا بوٹی کا پھوک (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 20 صفحہ 170 کراچی 2005ء)

7: تفسیر الرازی زیر آیت سورۃ البقرۃ آیت 1

# (19)

# مومن کو چاہیے کہ وہ ہر حالت میں میانہ روی سے کام لے

(فرمودہ 12 جولائی 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''انسان کی پیدائش خدا تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ افراط اور تفریط دونوں ہی اس کے لیے مُضِر ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ظاہری موسم کی افراط اور تفریط بھی اسے نقصان پہنچاتی ہے۔ زیادہ گرمی ہو تو وہ بھی صحت کو خراب کر دیتی ہے اور زیادہ سردی ہو تو وہ بھی صحت کو خراب کر دیتی ہے۔ یہی کیفیت اخلاقی اور روحانی امور کی بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ مالی معاملات کے متعلق ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ رکھو یعنی بُخل سے کام لو تو یہ بھی بُرا ہے اور اگر تم اسے بالکل کھول دو یعنی حد سے زیادہ خرچ کرنا شروع کر دو تو یہ بھی بُرا ہے۔1

اصل طریق یہی ہے کہ تم میانہ روی سے کام لو اور صحیح رنگ میں اپنا مال خرچ کرو۔ جس میں نہ تو بُخل پایا جائے اور نہ ہی اسراف کا پہلو پایا جائے۔ اسی طرح صدقہ و خیرات جو بظاہر ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اِس میں بھی اسلام نے اس ہدایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی فوت ہونے لگے تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں اپنا سارا مال صدقہ دوں۔ آپ نے فرمایا یہ خدا تعالیٰ کو پسند نہیں

کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے بیوی بچے دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرتے پھریں گے۔ انہوں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ ! پھر میں دو تہائی کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی زیادہ ہے۔ انہوں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ ! پھر مجھے نصف مال صدقہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی زیادہ ہے۔ انہوں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ ! پھر میں کتنے حصہ کی وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا تم ایک تہائی کی وصیت کرو اور دو تہائی اپنے رشتہ داروں کے لیے رہنے دو۔2

غرض صدقہ و خیرات جو ایک بہت بڑی نیکی ہے اس میں بھی اسلام نے میانہ روی سے کام لینے کی ہدایت فرمائی ہے اور اپنا سارا مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ہاں! اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ہبہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ ہبہ کی تکلیف خود اُسے بھی پہنچتی ہے۔ مثلاً ایک شخص جس کی سالانہ آمد ایک لاکھ روپیہ ہے وہ اگر اس آمد کو ہبہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔ وہ ہبہ سے پہلے اگر آٹھ ہزار یا چار ہزار یا تین ہزار روپیہ ماہوار میں گزارہ کررہا تھا تو ہبہ کے ذریعہ اس نے اپنے آپ کو بھی اس آمد سے محروم کرلیا۔

پس ہبہ ایک علیحدہ چیز ہے اور اسلام نے اسے جائز رکھا ہے۔ کیونکہ ہبہ میں انسان اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو ہی اپنی جائیداد سے محروم نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم کرلیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے قربانی کرنے کے لیے تیار ہو تو شریعت اس کے جذبۂ قربانی میں روک نہیں بنتی۔ لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں تو ایک لاکھ روپیہ سالانہ آمد اپنے نفس پر خرچ کرتا رہتا ہے اور مرتے وقت چاہتا ہے کہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ خود تو سارے روپیہ سے فائدہ اٹھاتا رہا لیکن جب مرنے لگا تو اس نے چاہا کہ اب اس کے بیوی بچے اور دوسرے رشتہ دار جس طرح چاہیں گزارہ کریں اور ان کے لیے کوئی روپیہ باقی نہ رہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ مرنے والا صرف ایک تہائی تک کی وصیت کرے۔ یعنی اگر کسی کی ایک لاکھ روپیہ آمد ہو تو وہ اس کے لیے 1/3 حصہ یعنی تینتیس ہزار کی وصیت کرسکتا ہے۔ ہاں! اگر وہ اپنی زندگی میں اسے ہبہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے عمل سے ثابت کردیا ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے کے لیے تیار ہے۔ اور جو شخص خود اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے کے لیے تیار ہو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو بھی اِسی قسم کے حالات میں سے

گزرنے دے۔ غرض میانہ روی ہر حالت میں ایک ضروری چیز ہے۔ جسمانیات میں بھی یہی بات چلتی ہے اور اخلاق میں بھی یہی بات چلتی ہے اور روحانیات میں بھی یہی بات چلتی ہے۔ بہر حال ایک مومن کے لیے ہر حالت میں اقتصاد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اُسے مال ملے تب بھی اسے اپنا مال نہ تو حد سے زیادہ لُٹانا چاہیے اور نہ بُخل سے کام لینا چاہیے۔ اِسی طرح نہ حد سے زیادہ نمازیں پڑھنی چاہییں اور نہ نمازوں کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک رسّی لٹک رہی ہے۔ آپ نے حضرت زینبؓ سے جو آپ کی بیوی تھیں اور بڑی عابدہ زاہدہ تھیں دریافت فرمایا کہ یہ رسّی کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے نمازیں پڑھتے پڑھتے اونگھ آنے لگتی ہے تو میں اِس رسّی سے سہارا لے لیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اسے اتار دو۔ یہ کوئی عبادت نہیں۔ عبادت اُسی حد تک کرنی چاہیے جب تک کہ دل میں بشاشت قائم رہے۔ جب اونگھ آنے لگ جائے تو سمجھ لو کہ اب خدائی فیصلہ یہی ہے کہ اس وقت عبادت کو چھوڑ دیا جائے۔ پس یہ رسّی اتار دو اور آئندہ اُسی وقت تک نماز پڑھا کرو جب تک تمہارا جسم اسے برداشت کر سکے۔3

اِسی طرح دیکھ لو روزہ کتنی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنے والا شیطان ہے۔4 اِسی طرح آپ نے فرمایا کہ جمعہ کا دن خاص طور پر مقرر کر کے روزہ نہ رکھا کرو۔5 گویا نماز میں بھی شرط رکھ دی، روزہ میں بھی شرط رکھ دی، ذکرِ الٰہی میں بھی شرط رکھ دی اور ہدایت دے دی کہ ہر کام میں میانہ روی ملحوظ رکھو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ایک ہمشیرہ تھیں جو بڑی کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والی تھیں۔ ایک دن وہ اپنی بہن سے ملنے گئے تو وہ کہنے لگیں بھائی! اچھا ہو گیا کہ آپ آ گئے۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی تھی۔ انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگیں میں جب نماز پڑھتی ہوں تو مجھے نماز میں اتنا مزہ نہیں آتا جتنا ذکرِ الٰہی میں آتا ہے۔ وہ کہنے لگے بہن! یہ دوزخ کی طرف پہلا قدم ہے۔ اگر تم نے جلدی اپنی اصلاح نہ کی تو شیطان کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ وہ تمہیں ورغلا کر کہے گا کہ نوافل میں فرائض سے بھی زیادہ مزا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ تمہاری فرض نماز بھی چھوٹ جائے گی۔ پھر انہوں نے اپنی بہن کو لَاحَوْلَ پڑھنے کی تاکید کی تاکہ شیطانی وساوس دور ہوں۔ ایک دن اُن کی بہن آ کر کہنے لگیں کہ بھائی! تمہاری بات بالکل ٹھیک نکلی۔ میں نے وظیفہ کرنا شروع کیا تو ایک دن میں نے

رؤیا میں دیکھا کہ شیطان بندر کی شکل میں میرے سامنے بیٹھا ہے اور مجھے کہہ رہا ہے کہ میرا پہلا قدم یہ تھا کہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھ کر تجھے نمازوں میں سُست کروں اور دوسرا قدم یہ تھا کہ تم سے فرض نماز بھی چُھڑا دوں۔ مگر تمہارا بھائی چالاک نکلا اور اس نے تمہیں بچالیا۔

تو کسی چیز کی زیادتی بھی انسان کے لیے مفید نہیں ہوتی۔ نہ ذکرِ الٰہی کی زیادتی مفید ہوتی ہے، نہ نمازوں کی زیادتی مفید ہوتی ہے، نہ روزوں کی زیادتی مفید ہوتی اور نہ صدقہ وخیرات کی زیادتی مفید ہوتی ہے۔ اگر انسان اِن امور میں حد سے زیادہ نکل جائے تو یہی زیادتی اُس کے لیے مُضِر ہو جاتی ہے۔ پس ان سب باتوں سے انسان کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے"۔

(الفضل 25 جولائی 1957ء)

---

1: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴿۳۰﴾ (بنی اسرائیل:30)

2: صحیح بخاری کتاب الوصایا باب ان یترک و رثتَهٗ اغنیاء خَیْرٌ مِن اَنْ یتکففُوا الناسَ۔

3: صحیح بخاری کتاب التهجد باب ما یکره من التشدید فی العبادةِ.

4: صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم الفطر میں " نهیٰ رسولُ اللّٰه عن صیامهما" کے الفاظ ہیں۔

5: صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم الجمعة واذا اَصْبح صائمًا یوم الجمعة فعلَیهِ اَنْ یُفطَر

20

# مشکلات و مصائب عارضی چیزیں ہیں تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اِس یقین پر قائم رہو کہ بالآخر تم ہی کامیاب ہو گے

(فرمودہ 19 جولائی 1957ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''عربی زبان میں ایک مثل ہے کہ مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ کہ جو شخص کسی ایسی چیز کا جس کا بار بار تجربہ ہو چکا ہو دوبارہ تجربہ کرنا چاہے اُسے ہمیشہ ندامت لاحق ہوتی ہے۔ اِس مثل کا مفہوم درحقیقت یہی ہے کہ جو چیزیں ثابت شدہ ہوں اور متواتر اُن کا تجربہ کیا جا چکا ہو ان کے متعلق کسی قسم کا شُبہ دل میں پیدا کرنا اور پچھلے تجربہ کے خلاف عمل کرنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ اب دنیا میں انسان نامعلوم ہزاروں سال سے ہے یا لاکھوں سال سے ہے یا جیالوجسٹوں کے خیال کے مطابق اربوں سال سے ہے۔ بہرحال جب سے اس نے بشر کی حیثیت سے اپنے آپ کو محسوس کیا ہے موت اِس کے ساتھ لگی چلی آ رہی ہے۔ جو لوگ ڈارون کی تھیوری کے قائل ہیں اور درحقیقت وہی ہیں جو دنیا

کی عمر کروڑوں اور اربوں سال قرار دیتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ انسان سے پہلے ایک اَور مسنگ لنک (MISSING LINK) تھا جس کے متعلق زیادہ تر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ گوریلا کی قسم میں سے تھا۔ لیکن اگر انسان کو دیکھو تو وہ بھی مرتا چلا آتا ہے۔ اور اگر گوریلا کو دیکھو تو وہ بھی مرتا چلا آتا ہے۔ اسی طرح گوریلا سے سینکڑوں سال پہلے جو جانور تھے وہ بھی مرتے چلے آئے ہیں۔ غرض دنیا میں جتنے قسم کے ایسے جانور ہیں جو انسان سے ملتے ہیں اور جو پیدائشِ انسانی سے سینکڑوں سال پہلے پائے جاتے تھے اور جنہیں ڈارون تھیوری کے ماتحت نسلِ انسانی کے باپ دادا قرار دیا جاتا ہے وہ بھی مرتے چلے آئے ہیں اور انسان بھی مرتا چلا آیا ہے۔ اگر اتنے لمبے تجربہ کے بعد بھی کوئی شخص موت کو بھول جاتا ہے تو وہ یقیناً ہدایت سے دور چلا جاتا اور شیطان کے قریب ہو جاتا ہے۔ لیکن اِس کے مقابلہ میں ایک دوسرا تجربہ بھی ہے اور وہ بھی ہزاروں سال سے چلا آرہا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو شخص خدا پر توکل کرتا اور اُس پر سچا یقین رکھتا ہے وہ آخر کامیاب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ دیکھ لو آدمؑ نے توکّل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ نوحؑ نے توکّل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ ہودؑ نے توکّل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، ابراہیمؑ نے توکّل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، لوطؑ نے توکّل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، شعیبؑ نے توکل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، موسٰیؑ نے توکل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، عیسٰیؑ نے توکل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے، اِسی طرح بعد میں اُمّتِ محمدیہ میں ہزاروں ہزار اولیاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے توکل کیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ قرآن کریم میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔1 کہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس مت ہو۔ کیونکہ اُس کی رحمت سے وہی مایوس ہوتا ہے جو کافر ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا ہو اُس کے سامنے لازماً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہیں گے، موسٰیؑ بھی رہیں گے، عیسٰیؑ بھی رہیں گے، الیاسؑ بھی رہیں گے، زکریاؑ بھی رہیں گے، شعیبؑ بھی رہیں گے، لوطؑ بھی رہیں گے، ابراہیمؑ بھی رہیں گے، نوحؑ بھی رہیں گے، آدمؑ بھی رہیں گے اور ان کی زندگیوں کو دیکھ کر وہ کبھی مایوس نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کی زندگیوں میں ہزاروں واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ کوئی انسان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ کامیاب

ہو جائیں گے مگر پھر وہ کامیاب ہو گئے۔

غرض دنیا میں ہمیں یہ دونوں باتیں نظر آتی ہیں کہ جب لوگ موت کو بھول جاتے ہیں۔ تب بھی وہ خدا سے دور ہو جاتے ہیں اور شیطان سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ خدا تعالیٰ پر توکل ترک کر دیتے ہیں اور اس کی نُصرت اور تائید کے واقعات کو بھول کر اُمید چھوڑ بیٹھتے ہیں تب بھی وہ خدا تعالیٰ سے دور ہو جاتے اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ورنہ جو شخص خدا تعالیٰ پر سچا توکل رکھتا ہے اُس کی اُمید بڑی مضبوط ہوا کرتی ہے اور وہ کسی حالت میں بھی مایوسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کے ہزاروں فرستادے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے انتہائی مشکلات میں بھی خدا تعالیٰ پر اُمید نہیں چھوڑی اور آخر خدا نے انہیں کامیاب کر دیا۔

حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے زمانہ کا بادشاہ ان کا مخالف ہو گیا۔ وہ اُس وقت بہار کی طرف کسی جنگ پر جا رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ جب میں واپس آؤں گا تو انہیں سزا دوں گا۔ اُن کے مُریدوں نے یہ بات سنی تو وہ بڑے گھبرائے اور انہوں نے شاہ صاحب سے آ کر کہا کہ حضور! جو لوگ شاہی دربار میں رسوخ رکھتے ہیں اگر اُن کے ذریعہ بادشاہ کے پاس سفارش ہو جائے تو بہتر ہو گا۔ آپ نے فرمایا ''ہنوز دلّی دور است''۔ ابھی تو اس نے لڑائی کے لیے جانا ہے اور پھر دشمن سے جنگ کرنی ہے۔ ابھی سے کسی فکر کی کیا ضرورت ہے۔ اِس وقت تو وہ دلّی میں موجود ہے اور لڑائی کے لیے گیا بھی نہیں۔ پھر آٹھ دس دن اَور گزر گئے تو مُرید پھر گھبرائے ہوئے آپ کے پاس آئے اور کہا حضور! اب تو آٹھ دس دن گزر چکے ہیں اور بادشاہ لڑائی کے لیے جا چکا ہے اب تو کوئی علاج سوچنا چاہیے۔ مگر آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ ''ہنوز دلّی دور است''۔ آخر جس جنگ پر وہ گیا تھا اُس کے متعلق خبر آ گئی کہ اس میں بادشاہ کو فتح حاصل ہو گئی ہے اور وہ واپس آ رہا ہے۔ مُرید پھر گھبرائے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور بادشاہ کی واپسی کی خبر دی۔ مگر آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ ''ہنوز دلّی دور است''۔ ابھی تو وہ دو چار سَو میل کے فاصلہ پر ہے ابھی کسی فکر کی کیا ضرورت ہے؟ جب وہ آٹھ دس منزل کے فاصلہ پر پہنچ گیا تو وہ پھر آئے اور انہوں نے کہا کہ اب تو وہ بہت قریب آ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''ہنوز دلّی دور است''۔ جب وہ اَور زیادہ قریب آ گیا اور دو تین منزل پر پہنچ گیا تو پھر آپ کے مُرید سخت گھبراہٹ کی حالت میں آپ کے پاس پہنچے۔ مگر آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ ''ہنوز دلّی دور است''۔

آخر ایک دن پتا لگا کہ بادشاہ کی فوجیں فصیلوں کے باہر ٹھہر گئی ہیں۔ اُن کے مُرید یہ خبر سن کر پھر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور! اب تو وہ دلّی کی فصیلوں تک آ پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا "ہنوز دلّی دوراست"۔ ابھی تو وہ فصیل کے باہر ہے اندر تو داخل نہیں ہوا کہ ہمیں گھبراہٹ ہو۔ اسی رات ولیعہد نے فتح کی خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کی اور شاہانہ جشن منایا۔ ہزاروں لوگ اس دعوت اور رقص وسرود کی محفل میں شریک ہوئے۔ ولیعہد نے اس دعوت کا انتظام ایک بہت بڑے محل کی چھت پر کیا تھا۔ چونکہ چھت پر بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اس لیے اچانک چھت نیچے آ گرا اور بادشاہ اور اس کا ولیعہد دونوں دب کر ہلاک ہو گئے۔ صبح جب بادشاہ کی موت کی خبر آئی تو انہوں نے کہا کیا میں تمہیں نہیں کہتا تھا کہ "ہنوز دلّی دوراست"؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ہم نے ایسے کئی واقعات دیکھے ہیں۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب بڑے گھبرائے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ حضور! فلاں ہندو مجسٹریٹ جس کے سامنے آپ کا مقدمہ ہے اُس پر آریوں نے بڑا زور ڈالا ہے کہ یہ قوم کی خدمت کا موقع ہے تم جس طرح بھی ہو سکے مرزا صاحب کو قید کر دو اور سنا ہے کہ مجسٹریٹ نے بھی ان سے وعدہ کر لیا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ کوئی انگریز وکیل مقرر کر لیا جائے۔ اِس طرح کچھ مدت کے لیے حضور کسی دوسرے ضلع میں چلے جائیں اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ عدالت میں بھجوا دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کس کی طاقت ہے کہ وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکے۔ چنانچہ خدا کی شان ہے کہ ابھی وہ فیصلہ سنانے نہیں پایا تھا کہ تبدیل ہو گیا۔

غرض خدا تعالیٰ کی نُصرت اور اُس کی تائیدات کے کرشمے ہمیشہ ہماری نظروں کے سامنے رہتے ہیں۔ کچھ کہانیوں اور قصّوں کے ذریعہ اور کچھ اپنے مشاہدات اور تجربات کے ذریعہ۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نواسے کو جو حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے اور جن کا نام غالباً موسیٰ رضا تھا بادشاہ نے لوگوں کی شکایتوں پر قید کر دیا اور آخر مختلف مقامات سے بدلتے ہوئے انہیں مکہ بھجوا دیا۔ اُس نے سمجھا کہ چونکہ وہاں کے لوگوں پر شیعیت کا اثر نہیں اس لیے انہیں مکہ میں بھجوانا زیادہ مناسب ہوگا۔ ایک دن بادشاہ نے رات کے وقت

جیل خانہ کے افسروں کو کہلا بھیجا کہ میں فلاں قیدی کو دیکھنا چاہتا ہوں تم جیل کے دروازے کھلے رکھو۔ جب بادشاہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ قید خانہ میں رسیوں سے جکڑے پڑے ہیں۔ وہ بڑی احتیاط سے ان رسیوں کو کھولتا جاتا اور ساتھ ساتھ روتا جاتا تھا۔ پھر ان کے جسم پر ان رسیوں کے جو نشانات پڑ گئے تھے ان کو اپنے ہاتھ سے ملتا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا ہارون! یہ کیا بات ہے؟ کل تک تو تمہارے جیلر مجھ پر بڑی بڑی سختیاں کرتے تھے مگر آج تم خود رسیوں کے بند کھول رہے اور رو رہے ہو۔ ہارون الرشید نے کہا میں بھی اِس سال حج کو آیا تھا۔ آج رات جب میں محل میں سو رہا تھا تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ آپ میرے کمرہ میں آئے اور آپ نے زور سے مجھے ٹھوکر ماری اور فرمایا او بد بخت! تجھے شرم نہیں آتی کہ میرا بیٹا جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے، اس کے ہاتھوں میں رسیاں بندھی ہیں اور اس کے جسم کو جکڑا گیا ہے اور تُو اپنے محل میں آرام سے سو رہا ہے؟ اس پر میں نے اُسی وقت اٹھ کر جیل والوں کو اطلاع بھجوائی کہ میں آ رہا ہوں دروازے کھلے رکھے جائیں۔

یہ ایک واقعہ نہیں ایسے ہزاروں واقعات ہیں جن سے پتا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مدد دینے پر آتا ہے تو وہ ایسے ذرائع سے مدد دیتا ہے جو انسان کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ ہماری جماعت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے فرمائے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ الہاماً فرمایا کہ

> ”خدا تیرے نام کو اُس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلّت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے۔ لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور اُن کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔ اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروزِ قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور

معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حَسْبِ الْاِخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے"۔2

مگر اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے باوجود میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑی سی مصیبت بھی آتی ہے تو جماعت کے بعض دوست گھبرانے لگ جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ مشکلات آدمؑ کے وقت میں بھی تھیں، نوحؑ کے وقت میں بھی تھیں، ابراہیمؑ کے وقت میں بھی تھیں، موسیٰؑ کے وقت میں بھی تھیں، عیسیٰؑ کے وقت میں بھی تھیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی تھیں۔ جب آج بھی وہی خدا موجود ہے جو اُن کے زمانہ میں تھا تو کیا وجہ ہے کہ ہم مایوس ہو جائیں۔ کیا ہمارے ایمان اتنے بھی نہیں جتنے موسیٰؑ کے ماننے والوں کے تھے یا عیسیٰؑ کے ماننے والوں کے تھے یا شعیبؑ اور زکریاؑ اور ہودؑ کے ماننے والوں کے تھے یا ابراہیمؑ کے ماننے والوں کے تھے یا نوحؑ کے ماننے والوں کے تھے، یا آدمؑ کے ماننے والوں کے تھے؟ ان کے ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ پر اپنی اُمید قائم رکھی اور آخر انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ بلکہ اُن پر وہ زمانہ بھی آیا جب کُفّار نے یہ خیال کر لیا کہ ان پر کوئی عذاب نہیں آئے گا اور جو خبریں اللہ تعالیٰ کے انبیاء نے ان کی تباہی کے متعلق دی تھیں وہ بالکل جھوٹی تھیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا۔3 غلطی سے بعض لوگ اِس آیت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جب رسول، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو گئے اور مومنوں نے خیال کر لیا کہ اُن سے جو فتوحات کے دعوے کیے گئے تھے وہ جھوٹے تھے تو اچانک اُن کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ حالانکہ نہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مایوسی نبیوں کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے اور نہ مومنوں کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا ہو کہ خدا تعالیٰ نے اُن سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔

درحقیقت اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ شرارت میں بڑھتے چلے گئے تو ایک طرف تو رسول اُن کی ہدایت سے مایوس ہو گئے اور دوسری طرف کُفّار بھی مطمئن ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان سے جو عذاب کے وعدے کیے گئے ہیں وہ پورے نہیں ہوں گے اور نبیوں کی پیشگوئیاں غلط تھیں۔ تب خدا تعالیٰ کی نُصرت آ گئی اور اُس نے ائمۃ الکفر کو تباہ کر کے رستہ صاف کر دیا۔

غرض جو کچھ پہلوں سے ہوا ہے وہی ہم سے بھی ہوگا۔ خدا بدل نہیں گیا بلکہ جو خدا پہلے تھا، وہی اب بھی موجود ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں اُسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ مجھے اُسی خدا نے مبعوث فرمایا ہے جس خدا نے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تھا۔ پس ہر قسم کے وہم احمدیوں کو اپنے دل سے دور کر دینے چاہییں اور انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے عزت اور کامیابی کا مقام مقدّر ہو چکا ہے۔ بے شک درمیانی عرصہ میں مشکلات بھی آئیں گی مگر وہ عارضی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی ہوائیں چلائے گا جن سے وہ تمام مشکلات اُڑ جائیں گی اور اس کی برکتیں ان کو حاصل ہوں گی۔ سوائے ان لوگوں کے جو اُس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو جھوٹا سمجھا اور اُس کے وعدوں پر انہوں نے یقین نہ رکھا۔ مگر ایمان اور یقین رکھنے والے اور مشکلات میں ثبات و استقلال سے کام لینے والے لوگ کامیاب ہوں گے کیونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور جو لوگ خدا کے دامن کو پکڑے رکھتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں''۔

(الفضل 10 / اگست 1957ء)

---

1 : یوسف: 88

2 : تذکرۃ صفحہ 112۔ ایڈیشن چہارم 2004ء

3 : یوسف: 111

21

# جب بھی مشکلات پیش آئیں صبر سے کام لو اور دعاؤں میں لگ جاؤ

(فرمودہ 26 جولائی 1957ء بمقام مری)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَاصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ـ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ـ 1

اس کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم کی یہ آیت اپنے اندر ایک وسیع مضمون لیے ہوئے ہے جسے ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا مذہبی جماعتوں کے لیے ضروری ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے وَاصْبِرْ ۔اے مخاطب! تُو صبر سے کام لے اور مخالفتوں سے گھبرا نہیں۔ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔بے شک صبر سے کام لینا بظاہر مشکل ہوتا ہے۔لیکن انسان اگر دعا سے کام لے تو اسے صبر کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔بعض دفعہ غلطی سے انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ میرا نفس میرے

قابو میں ہے مگر فرماتا ہے تمہارا اپنے نفس پر اعتبار کرنا غلط ہے۔ تمہیں یہ توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی میسر آ سکتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ پھر فرماتا ہے۔ اگر تم صبر سے کام لوگے اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو گے تو خدا تعالیٰ خود تمہارے مخالفوں کو ناکام کر دے گا۔ پس یہ خیال نہ کرو کہ تمہارے صبر کی وجہ سے مخالف دلیر ہو جائے گا اور وہ تم پر چڑھ آئے گا بلکہ تمہارا صبر تمہارے مخالفوں کی تدابیر کے لیے تباہی کا باعث بنے گا۔ پس ان کے متعلق غم مت کر۔ خدائی فیصلہ یہی ہے کہ جو مومنوں کو بلاوجہ تکلیف دیتا ہے وہ تباہ کر دیا جاتا ہے۔

تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوا۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ان کے مخالف ہمیشہ تباہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ اُمّتِ محمدیہ کے اولیاء اور مجددین سے بھی یہی سلوک ہوتا رہا۔ حضرت سید احمد صاحب سرہندیؒ کو جہانگیر نے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا مگر پھر وہی جہانگیر قلعہ میں آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے معافی مانگی اور انہیں رہا کیا۔ غرض صبر کے نتیجہ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نُصرت ظاہر ہوتی ہے مگر صبر کرنا آسان بات نہیں ہوتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک پروفیسر عبداللہ ہوا کرتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا بھلا کہتا وہ اُس سے لڑ پڑتے۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب نے ان کی شکایت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ انہیں سمجھایا جائے۔ آپ نے پروفیسر عبداللہ صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ دیکھیں! صبر سے کام لیں اور اگر مجھے کوئی بُرا بھلا بھی کہے تو اشتعال میں نہ آیا کریں۔ اس پر وہ بڑے جوش سے کہنے لگے کہ میں ایسی بات نہیں مان سکتا۔ آپ کے پِیر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کوئی گالی دے تو آپ اُس سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور میرے پِیر یعنی آپ کو کوئی گالی دے تو آپ کہتے ہیں صبر سے کام لو۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

ان کے اندر اِس قدر جوش پایا جاتا تھا کہ جب کرم دین کے مقدمہ کا فیصلہ ہونے لگا جس میں مجسٹریٹ نے آپ کو سزا دینے کا ارادہ کیا ہوا تھا تو وہ ایک بڑا سا پتھر اُٹھائے پھرتے تھے

کہ اگر مجسٹریٹ نے سزا دی تو وہ اُسے پتھر مار کر مار ڈالیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑنے کا حکم دے دیا تا کہ وہ جوش میں آ کر حملہ نہ کر بیٹھیں۔

غرض صبر کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے اور جب کوئی صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اُس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ میں یہی پیشگوئی کی گئی ہے کہ مخالفین کے متعلق غم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ ان کو تباہ کر دے۔ چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے کتنی شرارتیں کیں۔ مگر آخر وہ خائب و خاسر ہو کر رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فتح یاب ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صفا پہاڑی پر بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ابوجہل آ نکلا اور اس نے بغیر کوئی بات کہے آپؐ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟ میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی گھر کے دروازہ میں کھڑی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتی اور پیچ و تاب کھاتی رہی۔ شام کو حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو لونڈی غصہ سے کہنے لگی۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ پتھر پر چپ کر کے بیٹھا تھا کہ ابوجہل نے اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ حمزہؓ اُسی وقت خانہ کعبہ میں پہنچے جہاں تمام رؤسائے مکہ بیٹھے تھے اور ابوجہل بھی اُن میں موجود تھا۔ انہوں نے جاتے ہی زور سے ابوجہل کے منہ پر کمان ماری اور کہا تُو نے آج میرے بھتیجے کو تھپڑ مارا ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ ابوجہل پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ کہنے لگا۔ بے شک میرا ہی قصور تھا کہ میں نے اسے بلا وجہ مارا۔ اس کے بعد حمزہؓ سیدھے اُس مکان پر گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور اسلام قبول کر لیا۔2 اب دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صبر سے کام لیا تھا مگر خدا نے آپؐ کی طرف سے اُسی وقت بدلہ لے لیا۔

اِسی طرح بدر میں کُفّارِ مکہ کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے۔ ابوجہل نے دعا کی تھی کہ الٰہی اگر محمد رسول اللہ سچا ہے تو ہم پر پتھر پڑیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ابوجہل مارا گیا اور اس کے ساتھیوں پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔3

اِسی طرح ایک دفعہ زمانہ نبوت میں ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا ابوجہل نے میرا کچھ قرض دینا ہے مگر وہ دیتا نہیں۔ آپؐ حلف الفضول میں شامل تھے۔ آپ مجھے قرض دلا دیں۔ آپؐ اُسی وقت اُس کے ساتھ چل پڑے اور ابوجہل سے جا کر بات کی۔ ابوجہل فوراً اندر گیا اور اس نے روپیہ لا کر دے دیا۔ بعد میں جب کُفّارِ مکہ نے اسے طعنہ دیا تو اس نے کہا کہ جب محمد رسول اللہ میرے پاس آئے تھے تو خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ دومست اونٹ اس کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور اگر میں نے ذرا بھی انکار کیا تو وہ مجھے کھا جائیں گے۔ جس پر میں ڈر گیا اور میں نے روپیہ لا کر دے دیا۔4 یہ خدائی نشان تھا جس کے نتیجہ میں محمد رسول اللہ کی اس نے مدد کی اور دشمن کے دل میں اس نے رعب پیدا کر دیا۔

اِسی طرح طائف سے واپسی پر چونکہ ملکی قانون کے مطابق آپ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے آپ نے اپنے ایک شدید مخالف کو پیغام بھیجا کہ میں مکہ میں آنا چاہتا ہوں کیا تم اپنی پناہ میں مجھے داخل کر سکتے ہو؟ اُس نے فوراً اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ ننگی تلواریں لو اور اُن کے سایہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ننگی تلواریں لیے آپ کے آگے آگے آئے اور یہ کہتے آتے تھے کہ اگر کسی نے ذرا بھی سر اٹھایا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اِس طرح خدا نے ایک شدید ترین دشمن سے آپ کی حفاظت کروائی اور آپ سلامتی سے اپنے گھر پہنچ گئے 5۔

غرض یہ موقع پر خدائی تائید اور نُصرت کے نظارے ہمیں آپ کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک مقام پر فرماتا ہے کہ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى 6 یعنی اے محمد رسول اللہ! بدر کے موقع پر جو تُو نے کنکروں کی مُٹھی پھینکی تھی وہ بظاہر تُو نے پھینکی تھی لیکن اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا کہ ایک ہزار کا لشکر اندھا ہو گیا اور اُس نے بھاگ کر مکہ میں جا کر سانس لیا۔

اِسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر جبکہ کئی ہزار کا لشکر مدینہ کے اردگرد ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو ایسی تیز ہوا چلائی کہ دشمن کی آگیں بُجھ گئیں۔ عرب لوگ آگ بجھنا منحوس خیال کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جرنیل بھاگ گئے۔ خود ابوسفیان اِس قدر گھبرایا کہ اُسے اونٹ کا گُھٹنا کھولنا بھی یاد نہ رہا۔ وہ اسی حالت میں اُس پر سوار ہو گیا اور اُسے لاتیں مارنے لگ گیا۔ آخر کسی

نے کہا کہ ہوش سے تو کام لو۔ اونٹ کا تو گُھٹنا بندھا ہوا ہے۔7 غرض اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کے دلوں میں رُعب پیدا کر دیا کہ وہ ایک وہمہ کا شکار ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی ہزاروں مشکلات آئیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان مشکلات میں آپ کی تائید کی۔ ایک دفعہ آپ انارکلی میں سے گزر رہے تھے کہ ایک پاگل نے زور سے آپ کو دوہتڑ مارا جس سے آپ گر گئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب کو اُس وقت جوش آیا اور انہوں نے اسے مارنا چاہا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے منع فرما دیا۔ بعد میں اس شخص کا بھائی احمدی ہو گیا۔ وہ ہمیشہ اِس واقعہ پر رویا کرتا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کرتا رہتا تھا کہ میرے بھائی کو معاف کر دیں۔ اُس نے آپ کی بڑی ہتک کی ہے۔ غرض صبر اپنے اندر بڑے شیریں نتائج رکھتا ہے۔ دوستوں کو چاہیے کہ انہیں جب بھی مشکلات پیش آئیں صبر سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں لگ جائیں۔ یقیناً اللہ ان کی مشکلات کو دور کر دے گا اور انہیں کامیاب و بامراد کرے گا''۔

(الفضل 25/اکتوبر 1961ء)

---

1 : النحل:128

2 : سیرة ابن هشام جلد اول صفحه 338، 339 اسلام حمزةؓ دمشق 2005ء

3 : صحیح بخاری کتاب التفسیر سورة الانفال باب '' وما كان الله ليعذبهم وا نت فيهم''

4 : سیرة ابن هشام جلد 1 صفحہ 440 تا 442 مطبوعہ دمشق 2005ء

5 : طبقات ابن سعد جلد 1 صفحه 212 مطبوعه بیروت 1985ء

6 : الانفال:18

7 : السيرة النبوية لابن هشام جلد 2 صفحہ 1019 زیرعنوان مناداة ابى سفيان فيهم بالرّحيل دمشق 2005ء

(22)

# دعا کرو کہ اسلام مغربی ممالک میں جلد ترقی کرے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہوں

(فرمودہ 9 اگست 1957ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں مہدی کی علامت یہ ہوگی کہ اُس وقت سورج مغرب کی طرف سے چڑھے گا۔1 اِسی طرح قرآن کریم میں بھی اس بارہ میں بہت سے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اقوام جو مسیح ناصریؑ کو ماننے والی ہیں ایک دن عیسائیت سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف مائل ہونا شروع کر دیں گی۔ اور پھر واقعات نے بھی ان پیشگوئیوں کو ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں امریکہ میں سب سے پہلے ایک انگریز نے اسلام قبول کیا۔ الیگزنڈر رسل ویب اُس کا نام تھا اور امریکن ایمبیسی میں فلپائن میں کام کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انگریزی اشتہارات کی جب یورپ اور امریکہ میں اشاعت ہوئی تو اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کی تحریک پیدا ہوئی اور اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خط و کتابت شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا

اور اسلام کی اشاعت کے لیے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ بعد میں وہ ہندوستان میں بھی آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس نے ملنے کی خواہش کی مگر مولویوں نے اُسے کہا کہ اگر تم مرزا صاحب سے ملے تو مسلمان تمہیں چندہ نہیں دیں گے۔ چنانچہ وہ اُن کے بہکانے کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہ ملا۔ مگر آخر بہت مایوسی سے وہ یہاں سے واپس گیا۔ کیونکہ اُسے کہا گیا تھا کہ دوسرے مسلمان تمہاری بہت مدد کریں گے اور تمہیں اشاعتِ اسلام کے لیے بڑا چندہ دیں گے مگر دوسرے مسلمانوں نے اُس کی کوئی مدد نہ کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے قریب اُس نے آپ کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی نصیحت کو نہ مان کر بہت دکھ اٹھایا ہے۔ آپ نے مجھے بروقت بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کے اندر خدمتِ دین کا کوئی جوش نہیں پایا جاتا۔ مگر میں نے اسے نہ مانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں آپ کی ملاقات سے محروم ہو گیا۔ بہرحال وہ آخر وقت تک مسلمان رہا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس کے مخلصانہ تعلقات قائم رہے۔ تو سب سے پہلا مسلمان امریکہ میں ہی ہوا تھا۔ اب بھی میں دیکھتا ہوں کہ جماعت کی ترقی یورپین ملکوں کی نسبت امریکہ میں سب سے زیادہ ہو رہی ہے۔

بعض یورپین ممالک میں بھی احمدیت پھیل رہی ہے اور وہ بھی مغربی علاقے ہی ہیں مگر امریکہ میں ترقی کے زیادہ آثار پائے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہاں کے بعض مبلغین سے مجھے خفگی پیدا ہوئی اور میں نے جماعت پر بھی ناراضگی کا اظہار کیا کہ تم نے ان فضول باتوں کو اپنے اندر کیوں داخل ہونے دیا ہے؟ اس پر وہاں کے ایک نوجوان نے مجھے خط لکھا کہ ہم تو بالکل جماعت کے ساتھ ہیں اور کسی قسم کے تفرقہ کو پسند نہیں کرتے۔ میں نے کہا میں تمہاری بات کو نہیں مانتا۔ مجھے جماعت کی طرف سے پیغام آنا چاہیے کہ وہ خلیفہ کے پیچھے ہیں۔ لڑنے والے مبلغین کے ساتھ نہیں ہیں۔ اِس پر اُس نے تار کے ذریعہ مجھے جماعت کا یہ پیغام پہنچا دیا۔ میں نے اُسے پھر لکھا کہ میں تار کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ تم ان سے دستخط لے کر مجھے بھجواؤ۔ چنانچہ اُس نے دستخط لے کر بھجوا دیئے جو مجھے پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے خلیفہ کی بیعت کی ہے۔ اگر مبلّغوں میں اختلاف بھی ہو گیا ہے تو ہم اس کی پروا نہیں کرتے۔ یہ ہمت جو انہوں نے دکھائی ہے بڑی بھاری ہے۔ بے شک فتنہ منافقین کے دوران میں پاکستان کے احمدیوں نے بھی بڑی وفاداری دکھائی ہے لیکن پاکستان کے احمدیوں اور وہاں کے

احمدیوں میں فرق ہے۔ یہاں چالیس چالیس اور پچاس پچاس سال سے لوگ احمدی ہیں اور وہاں بعض کو احمدی ہوئے صرف ایک ایک سال ہوا ہے اور پھر وہ ہم سے بہت دور رہتے ہیں۔ مگر اَب انہوں نے لکھا ہے کہ ہم آپ کے خطوط کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں کہ آپ ہمارے بہت قریب ہو گئے ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا ہے کہ بے شک فتنہ تو پیدا ہو گیا تھا مگر اُس کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ آپ لوگ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ میں آپ کے قریب ہو گیا ہوں بلکہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ لوگ میرے قریب ہو گئے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آہستہ آہستہ وہاں کی جماعت میں ترقی ہوتی چلی جائے گی جس کے نتیجہ میں شاید سورج کا مغرب سے نکلنا امریکہ کے ذریعہ ہی پورا ہو جائے اور پھر آہستہ آہستہ یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی اس کا ظہور شروع ہو جائے۔

انگلستان پر افسوس آتا ہے کہ وہاں کی جماعت نے ابھی ترقی نہیں کی۔ حالانکہ انگلستان میں زیادہ تر خدمت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے گئے ہیں مگر ابھی تک انگلستان کے رہنے والوں میں سے ایسے دس بیس آدمی بھی پیدا نہیں ہوئے جو اپنی ذات میں مخلص اور اسلام کی اشاعت کرنے والے ہوں۔ امریکہ میں ایسے سینکڑوں لوگ ہیں۔ جرمنی میں بھی دس پندرہ آدمی ہیں اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جرمنی میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک جماعت پہنچ جائے گی اور امریکہ میں تو بعید نہیں کہ تھوڑے عرصہ میں ہی لاکھ دو لاکھ تک جماعت پہنچ جائے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ پہنچ جائے۔

بہرحال ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کہ اُس کی پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی اُس سے دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اپنے فضل سے ان پیشگوئیوں کو جلد پورا فرمائے۔ یہ بھی انسان کے لیے برکت کی بات ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں کرتا رہے کہ اس کی پیشگوئیاں جلد پوری ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندہ سے بہت خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ گو اس نے میری ہی پیشگوئیوں کو مجھ سے جلد پورا کرنے کی التجا کی ہے مگر اِس سے ظاہر ہے کہ یہ دنیا میں میرے قول کو سچا ثابت کرنا چاہتا ہے اور اگر یہ مجھے سچا ثابت کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اسے سچی اور بے عیب زندگی عطا کرنی چاہیے کیونکہ اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی رضا میری رضا میں اور اس کی خوشی میری خوشی میں ہے۔

غرض ایسے معاملات میں دعا کرنا خود دعا کرنے والے کے لیے بھی مفید ہوتا ہے۔

جو شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! جلد مغرب سے سورج نکل آئے! یا اللہ! جلد مغربی ممالک میں اسلام پھیل جائے وہ دوسرے لفظوں میں یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بات جلد پوری ہو جائے۔ اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام پورا ہو اور اس کی پیشگوئیوں کا جلد ظہور ہو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی خوشنودی بھی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے''۔ (الفضل 21/اگست 1957ء)

1: صحیح بخاری کتاب الفتن باب خروج النّار

23

# جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ خدائی تقدیر مصیبت اور عذاب کے رنگ میں جاری ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی دعا کرنے پر اُسے ٹال سکتا ہے

(فرمودہ 16راگست 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۔1 ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس کے نشانوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے متعلق محافظ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ آسمان دنیا کا محافظ ہے حالانکہ بظاہر کہنا چاہیے تھا کہ ہم نے آسمان کو محافظ بنایا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا کی حفاظت ہو رہی ہے بلکہ اِس کی بجائے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میں نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے۔ محفوظ کے بظاہر معنے تو یہ ہوتے ہیں کہ وہ خود محفوظ ہے لیکن اِس سے مسلمانوں کی توجہ

اِس امر کی طرف بھی پھرائی گئی ہے کہ کئی دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بڑے زور سے مسلمانوں کو تقدیر کے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور تقدیر کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ایک فیصلہ کرتا ہے جو زمین پر نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ انسان کے لیے بُرا فیصلہ ہوتا ہے تو اُس کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر اچھا ہو تو اسکو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارے ملک میں بھی کہتے ہیں کہ جو لکھی ہے وہ تو ہو کر رہنی ہے۔ مگر اس جگہ اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو کو بیان فرمایا ہے کہ تقدیر ٹل بھی سکتی ہے۔ آخر آسمانی تقدیر کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ وہ تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی ٹپکنے والی چھت ہو تو جب بھی برسات ہو گی پانی ٹپکنے لگ جائے گا۔ مگر آسمان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اسے ایک محفوظ چھت بنایا ہے۔ یعنی اگر تم چاہو تو آسمان کو اِس طرح بند کر سکتے ہو کہ کوئی بُری تقدیر تم پر نازل ہی نہ ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر کوئی ٹپکنے والی چھت ہو تو اُس چھت پر چڑھ کر ہی اُس کے سوراخ کو بند کیا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی بُری تقدیر کو روکنا چاہے تو اُسے بھی آسمان پر چڑھ کر ہی اسے روکنا پڑے گا۔ پس جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اصل علاج یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے اور اُس سے دعائیں کرے کہ وہ اپنی بُری تقدیروں کو روک دے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے دل میں اچھی تقدیر روکنے کی خواہش نہیں ہو گی۔ اس کے دل میں یہی خواہش ہو گی کہ بُری تقدیریں نہ آئیں۔ اور بُری تقدیروں کے روکنے کا یہی طریق ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے اور اُس سے دعاؤں سے کام لے۔ پس اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ بُری تقدیر کے آثار دیکھ کر یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ اس تقدیر نے تو ٹلنا ہی نہیں غلطی پر ہیں۔ تقدیر ٹل سکتی ہے۔ بُری تقدیر کے نازل ہونے کے یہ معنے ہیں کہ تمہارے آسمان میں کسی گناہ کی وجہ سے سوراخ ہو گیا ہے اور اس سوراخ میں سے بُری تقدیر تم پر آ گرتی ہے۔ اگر تم آسمان پر جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو تو وہ بُری تقدیر بھی ٹل سکتی ہے۔

غرض اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم صرف یہ نہ سمجھا کرو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فلاں عذاب آ گیا ہے اب یہ کیسے ٹل سکتا ہے۔ بلکہ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اس نے خود ہی تمہاری کامیابی کے لیے بھی ایک راستہ کھول دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص آسمان پر جا کر اپنی قسمت کے آسمان کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے بلکہ اس حد تک بدل سکتا ہے کہ وہ کُلّی طور پر

محفوظ ہو جائے اور بُری تقدیر اس پر نازل ہی نہ ہوا کرے۔ گویا صرف اتنا ہی تغیر نہیں ہوسکتا کہ کچھ بُری تقدیریں آ جائیں اور کچھ اچھی بلکہ فرماتا ہے وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا۔ اگر آسمان پر جا کر کوئی شخص اُس کی مرمت کر دے اور اُس کے تمام سوراخوں کو بند کر دے۔ تو خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا بھی عذاب مقدّر ہو اور خواہ کتنی بھی خطرناک تقدیریں مقدّر ہوں اُس کی دعائیں ہر قسم کی بُری تقدیروں کو روک دیتی ہیں۔

دیکھو! دعا تو بڑی چیز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بھائی کو اسہال آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اُسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور اس نے شہد پلایا مگر اسہال زیادہ ہو گئے۔ وہ پھر آپ کے پاس آیا اور اس کا ذکر کیا۔ آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ جاؤ اور شہد پلاؤ۔ وہ پھر گیا اور اس نے شہد پلایا مگر اسہال پھر زیادہ ہو گئے۔ اس پر وہ تیسری دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور خدا کا کلام سچا ہے۔ جاؤ اور اُسے شہد پلاؤ۔ یعنی جب خدا نے شہد کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں شفا ہے تو خدا تعالیٰ کی بات کس طرح غلط ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے اندر سے ایک سخت سُدہ نکلا اور اُسے شفاء ہو گئی۔2

اب دیکھو! یہ بھی ایک خدائی تقدیر تھی مگر شہد دعا کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ دعا تو ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے عذابوں کو دور کر دیتی ہے۔ اور دعا ایسا تریاق ہے جو قوموں کے عذابوں کو بھی دور کر دیتا ہے۔ بہرحال جس طرح شہد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں شفا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے خدا کا کلام جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ 3 یعنی جب مجھ سے کوئی پکارنے والا دعا کرتا ہے تو میں اُس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ ضرورت صرف یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے لیے صحیح راستہ اور نیکی کا راستہ تجویز کرے۔ اِسی طرح فرماتا ہے کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ 4 کہ مضطر کی اللہ تعالیٰ کے سوا اَور کون دعا سنتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہر مضطر کی دعا سنتا ہوں تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس کی دعا ردّ ہو جائے گی۔ آخر تقدیر کا زیادہ تر اثر مضطر پر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ مضطر وہی ہوتا ہے جس کو اپنی نجات اور کامیابی کا

کوئی رستہ نظر نہ آئے۔ معمولی کھانسی اور بخار ہو اور انسان ڈاکٹروں کے پاس جائے تو وہ کہتے ہیں گھبراؤ نہیں۔ اچھے ہو جاؤ گے۔ لیکن جب کسی مریض کی حالت زیادہ خطرناک ہو جائے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اب اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ یہ تقدیر بُری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عام صورتوں میں تو علاج ممکن ہے لیکن خطرناک صورتوں میں ممکن نہیں ہوتا۔ اور اُس وقت انسان مضطر ہوتا ہے اور گھبرا کر ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ کہ جب مضطر یعنی تدبیروں سے مایوس ہو جانے والا انسان اسے پکارتا ہے تو بتاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا کون اُس کی پکار کو سنتا اور اُس کی حاجت کو پورا کرتا ہے؟ گویا جب لوگ دنیا کے مصائب سے تنگ آ جاتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ میرے خلاف خدا کی تقدیر جاری ہو گئی ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اُس کی دعاؤں کو سنتا اور تقدیروں کو ٹال دیتا ہے۔ غرض بُری تقدیر کو روکنے کا ذریعہ یہی ہے کہ انسان دعاؤں سے کام لے۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ کسی انسان کی کیا طاقت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کو روک سکے۔ سو اس کے متعلق ایک مشہور قصّہ یاد رکھنا چاہیے۔ روس کا ایک بادشاہ تھا۔ اُس کا ایک چپڑاسی ہوا کرتا تھا جس کا نام ٹالسٹائے تھا۔ اب تو وہ خاندان نواب بنا ہوا ہے لیکن شروع زمانہ میں جو روس کا بادشاہ تھا ٹالسٹائے اُس کا چپڑاسی ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو کوئی ضروری کام تھا۔ اُس نے ٹالسٹائے سے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آج کسی کو قلعہ میں داخل نہ ہونے دو۔ میں بعض مسائل پر غور کر رہا ہوں اور مجھے تخلیہ کی ضرورت ہے۔ ٹالسٹائے نے کہا بہت اچھا۔ اس نے کہا دیکھو! میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ آج قلعہ میں کوئی شخص داخل نہ ہو۔ وہ کہنے لگا حضور! میں کسی کو داخل نہیں ہونے دوں گا۔ اتنے میں دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ ٹالسٹائے نے دیکھا تو وہ شہزادہ تھا۔ چپڑاسی نے اُسے روکا اور کہا حضور! آج اندر نہیں جانا۔ اس نے بڑے جوش سے کہا کہ تمہاری کیا طاقت ہے کہ مجھ کو جو شاہی خاندان کا فرد ہوں اندر داخل ہونے سے روکو۔ اس نے کہا حضور! میں کیا کروں؟ مجھے بادشاہ کی طرف سے حکم ہے کہ میں آج کسی کو اندر داخل نہ ہونے دوں۔ اس نے کہا اس حکم کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ روسی کانسٹی ٹیوشن کے مطابق بادشاہ شہزادوں کے حقوق تلف نہیں کر سکتا۔ اس لیے آگے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں ماروں گا۔ اُس نے کہا حضور! میں اندر نہیں جانے دوں گا۔ شہزادہ نے کوڑا اٹھایا اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا اور کوڑے کھاتا رہا۔ مارنے کے بعد اس نے سمجھا کہ اب یہ مجھے

رستہ دے دے گا۔ مگر جب وہ آگے بڑھنے لگا تو ٹالسٹائے نے اسے پھر روک دیا اور کہا حضور! شہزادے ہیں میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر میں اندر نہیں جانے دوں گا۔ اتنے میں شور کی آواز بادشاہ نے بھی سن لی۔ اس نے اوپر سے آواز دی کہ ٹالسٹائے کون ہے؟ اس پر شہزادے نے بڑے غصے سے کہا حضور! اس نے میری سخت ہتک کی ہے۔ بادشاہ نے کہا تم دونوں اوپر آ جاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں اوپر چلے گئے۔ بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا کہ اس نے کیا ہتک کی ہے؟ اس نے کہا میں شہزادہ ہوں مگر اس نے مجھے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔ بادشاہ نے ٹالسٹائے سے کہا کیا تم نے اسے روکا تھا؟ اس نے کہا ہاں حضور! روکا تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہیں پتا نہیں تھا کہ یہ شہزادہ ہے؟ اس نے کہا حضور پتا تھا۔ بادشاہ نے کہا پھر تم نے کیوں روکا؟ اُس نے کہا حضور نے فرمایا تھا کہ کسی کو اندر نہیں آنے دینا۔ اِس پر بادشاہ نے شہزادہ سے کہا میں اوپر سے دیکھتا رہا ہوں کہ یہ میرا نام لیتا رہا مگر تم پھر بھی اسے کوڑے مارتے رہے۔ اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ٹالسٹائے تمہیں اُسی طرح کوڑے مارے جس طرح تم نے اسے مارے ہیں۔ چنانچہ اُس نے ٹالسٹائے سے کہا کوڑا اٹھاؤ اور اسے مارو۔ اِس پر شہزادہ کہنے لگا روسی کانسٹی ٹیوشن کے مطابق کوئی غیر فوجی کسی فوجی کو نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا ٹالسٹائے! میں نے تم کو لیفٹیننٹ بنا دیا ہے۔ اب کوڑا لو اور اسے مارو۔ شہزادہ کہنے لگا حضور! یہ بھی قانون ہے کہ کوئی عام آدمی شہزادے کو نہیں مار سکتا۔ اُس نے کہا اچھا! کونٹ ٹالسٹائے تم اسے مارو۔ گویا کونٹ (COUNT) کے لفظ سے ہی اُسے نواب بنا دیا۔ پرانے زمانہ میں جب کسی کو نواب بناتے تھے تو بادشاہ اسے اعزاز کے طور پر اپنی سوٹی دیا کرتا تھا۔ اس نے بھی ٹالسٹائے کو سوٹی دی اور کہا اسے مارو۔ چنانچہ ٹالسٹائے نے اُسے مارا۔ اُس دن سے وہ خاندان اب تک کونٹ چلا آتا ہے۔

اب دیکھو! گو روس کی کانسٹی ٹیوشن کچھ اَور تھی مگر بادشاہ نے بتا دیا کہ میں اسے توڑ بھی سکتا ہوں۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ بے شک بُری تقدیریں بھی ہوتی ہیں مگر ان تقدیروں کو توڑنے والے ہم موجود ہیں۔ تم یہ کیوں کہتے ہو کہ یہ خدا کی تقدیر ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ جس کو بنانے کا حق ہے اُس کو توڑنے کا بھی حق ہے۔ چنانچہ دیکھ لو پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن بنی تو اِس میں ایک ''دفعہ'' انہوں نے یہ بھی رکھ دی کہ اتنے ممبر ہوں تو یہ کانسٹی ٹیوشن بدلی جا سکتی ہے۔ چونکہ آجکل جمہوریت کا دور ہے اِس لیے ممبروں کی تعیین کر دی گئی ہے۔ ورنہ انگریز کے زمانہ میں

اکیلا وائسرائے ہی کانسٹی ٹیوشن کو بدل دیتا تھا اور کسی میں طاقت نہیں ہوتی تھی کہ اس کے سامنے بول سکے۔

غرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ بعض تقدیریں بے شک خطرناک ہوتی ہیں مگران تقدیروں کوتوڑنے والی چیز بھی موجود ہے۔ اگر تم آسمان پر چڑھ کر اس کے سوراخوں کو بند کر دوتو کوئی بُری تقدیر تم پر نازل نہیں ہوسکتی۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ تقدیر کہے گی ہٹ جاؤ۔ میں خدا کی تقدیر ہوں۔ مجھے آگے جانے کا راستہ دو۔ مگر دعا اُس کی راہ میں حائل ہوجائے گی اور کہے گی کہ چل پرے ہٹ۔ میں بھی خدا کی ایک تقدیر ہوں جو تمہیں روکنے پر مقرر ہوں۔ پس ہٹ جاؤ میں تمہیں نیچے نہیں جانے دوں گی۔ یہیں سے ردّ کردوں گی۔ اِس طرح بُری تقدیر ہٹ جائے گی اور انسان ضرر سے بچ جائے گا"۔ (الفضل 30/اگست 1957ء)

1 :الانبیاء :33

2 :جامع الترمذی ابواب الطبّ باب ماجاء فی التداوی بالعسل.

3 :البقرة:187

4 :النمل:63

# (24)

# اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا کی پُر معارف تفسیر

(فرمودہ 23راگست 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ـ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا 1

اِس کے بعد فرمایا:

''ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عبادت کی طرف توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ عبادات ہی تیرا بڑا سہارا ہیں تو ان کی طرف توجہ کر۔ اگر تُو عبادات کی طرف توجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ایک ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کا نام مقامِ محمود ہے۔

مسلمانوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مقامِ محمود جنت میں ایک بہت بلند مقام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا۔ ہمیں اِس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں مقام سب سے اعلیٰ ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ غیر مذاہب والے اِس کو

کب مان سکتے ہیں۔ عیسائی اور ہندو اور یہودی وغیرہ اسے کب تسلیم کر سکتے ہیں۔ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور روس کے دہریہ اس سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ وہ تو نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں اور نہ مرنے کے بعد جینے کے قائل ہیں۔ اُن کو یہ کہنا کہ ہمارے رسولؐ سب انبیاء سے افضل ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہیں جنت میں ایک بڑا اعلیٰ مقام عطا کیا جائے گا جس کا نام مقامِ محمود ہوگا ایک عبث بات ہے۔ وہ تو کہیں گے کہ ہم تو ان باتوں کے قائل ہی نہیں۔ ہم تو اس بات کے بھی قائل نہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد ایک چمچہ گھی کا یا ایک چمچہ شکر کا بھی ملے گا۔ تم یہ کیا کہتے ہو کہ تمہارے رسول کو مقامِ محمود ملے گا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ ہوشیاری کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ آخری زمانہ میں ہمارا مسیح جسمانی طور پر آسمان سے اترے گا اور بادشاہت اُسی کی ہو جائے گی۔ اُن پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دکھاؤ تمہارے مسیحؑ کی بادشاہت کہاں ہے؟ وہ کہیں گے ہم تو قیامت سے قریب اس بادشاہت کے قائل ہیں، اِس وقت تو نہیں۔ پس وہ تو پھر بھی کچھ جواب دے سکتے ہیں مگر مسلمان اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محمود کو جنت تک محدود رکھیں تو اُن کے اعتراض کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر ہم اُن سے کہیں کہ آؤ اور دکھاؤ کہ مسیحؑ کی بادشاہت کہاں ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ تم پہلے قیامت کا دن دکھاؤ۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے قریب اُس کی بادشاہت قائم ہو گی۔ اگر تم اُس کی بادشاہت دیکھنا چاہتے ہو تو قیامت کا دن بھی دکھاؤ۔ پھر دنیوی طور پر ہمیں وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسیح کے ماننے والے ہیں اور ہماری حکومت اِس وقت دنیا پر قائم ہے۔ مگر تم کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں مقامِ محمود ملے گا۔ اور حالت یہ ہے کہ آج سب سے زیادہ گالیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مل رہی ہیں۔ ہندو ہیں، عیسائی ہیں، روس کے دہریہ ہیں، بدھ ہیں، ان میں سے جو بھی اسلام پر کوئی کتاب لکھتا ہے وہ سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے۔ پس تمہارا جنت والا انعام تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس دنیا میں تمہیں جو کچھ مل رہا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ مقامِ محمود کے خلاف ہے۔

سو یاد رکھنا چاہیے کہ مقامِ محمود بے شک جنت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا مگر اس دنیا میں بھی آپ کو مقامِ محمود عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا میں اسی مقامِ محمود کی طرف اشارہ ہے جو دنیا میں آپ کو ملے گا۔ اور پھر اس مقام کے حصول کا طریق بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۔ان آیات میں گو ضمیریں مفرد کی استعمال کی گئی ہیں اور بظاہر ان آیات کا خطاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مُراد آپ کی امت کے افراد ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جہاں مخاطب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جاتا ہے مگر مُراد آپ کی امت کے افراد ہوتے ہیں۔ ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر فرد کو مخاطب کرتا اور فرماتا ہے کہ اے رسول اللہ کے امتی! تُو نمازیں قائم کر۔ خصوصاً سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے خوب تاریک ہو جانے کے وقت تک کی مختلف گھڑیوں میں۔ اور اِسی طرح فجر کے وقت قرآن کریم بھی پڑھا کر کیونکہ فجر کے وقت قرآن کریم کا پڑھنا ایک مقبول عمل ہے۔ مفردات میں لکھا ہے کہ مَشْهُوْدًا کے یہ بھی معنے ہیں کہ ایسے آدمی کو شفا اور رحمت ملے گی۔ پس دوسرے معنے اِس کے یہ بھی ہیں کہ اُس کو دنیوی زندگی میں اعلیٰ مقام جو خوشی والا ہوگا ملے گا۔ فجر کا وقت وہ ہوتا ہے جب اندھیرا جا رہا ہوتا ہے اور سورج کی روشنی نمودار ہونے والی ہوتی ہے۔ لیکن اِس جگہ فجر سے یہ مُراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کا نور پھیلنے کے سامان پیدا ہو رہے ہوں اور کفر و الحاد کی تاریکیاں دور ہونے کا وقت آ جائے۔ تو اُس وقت قرآن کریم کو خوب پھیلاؤ اور اس کی دنیا میں اشاعت کرو۔

علماء کہتے ہیں کہ اِس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اُس وقت فرشتے خدا تعالیٰ کا کلام سننے کے لیے آتے ہیں۔ مگر یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کون دیکھتا ہے اور اُن کا آنا جانا کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ عیسائی تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض ڈھکوسلے ہیں لیکن میں نے جو معنے کیے ہیں اور جو لغتِ عربی کی کتابوں کے عین مطابق ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان معنوں کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس آیت کے یہ معنے کیے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اسلام کا نور پھیلانے کے سامان پیدا فرمائے تم قرآن کریم کی اشاعت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ تب تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صحت اور رحمت ملے گی

اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود ملے گا۔ چنانچہ دیکھ لو یہ نظارہ ایسا ہے جو اس دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا کہ

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار 2

ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ بڑے بڑے عیسائی جو عیسائیت پر جان دیا کرتے تھے اب اسلام کی تعریف میں کلمات کہہ رہے ہیں۔ اور وہی عیسائی مصنف جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کئی قسم کے الزامات لگایا کرتے تھے اب ان کو غلط قرار دے کر ان کی تردید کر رہے ہیں۔ یہی وہ امر ہے جس کی طرف ان آیات میں توجہ دلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کو لازم پکڑو یعنی جب پھر اسلام کا نور پھیلنے لگے اور اسلام پر فجر کا زمانہ آ جائے تو تم قرآن کریم کو پھیلانے کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

مشہود کے معنے صرف یہی نہیں ہوتے کہ کوئی آ کر دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ جیسے مسلمانوں نے کہہ دیا کہ اگر صبح کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو فرشتے آ کر سنتے ہیں۔ بلکہ مشہود کے معنے عزت والی چیز کے بھی ہوتے ہیں۔ دنیا میں لوگ اُسی چیز کو دیکھنے کے لیے جایا کرتے ہیں جس کی عزت اور شہرت قائم ہو۔ جیسے قطب صاحب کی لاٹ ہے۔ لوگ اسے اکثر دیکھنے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اُس کی شہرت ہے اور وہ مسلمانوں کی نگاہ میں معزّز ہے۔ اِسی طرح اگر حضرت نظام الدین صاحبؒ اولیاء کو کوئی نہ جانتا، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ کو کوئی نہ جانتا، حضرت بختیار کاکی صاحبؒ کو کوئی نہ جانتا تو لوگ ان کے مزار پر کیوں جاتے؟ اگر حضرت فریدالدین صاحبؒ شکر گنج والوں کو کوئی نہ جانتا تو اُن کا دروازہ دیکھنے کے لیے لوگ کیوں جایا کرتے؟ اِسی طرح ملتان میں کئی بزرگوں کی قبریں ہیں۔ اگر پہلے سے اُن کی شُہرت نیک قائم نہ ہوتی تو لوگ ان بزرگوں کے مقابر دیکھنے کے لیے کیوں جاتے؟ یہی مفہوم اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا کا ہے کہ وہ شخص جو ایسے نور کے وقت میں قرآن کریم کی اشاعت کرے گا اور اس کے علوم کو پھیلائے گا اور اس کے احکام کو رائج کرے گا اس کی اس کوشش اور جدوجہد کے نتیجہ میں جہاں قرآن کی عظمت قائم ہوگی وہاں ساتھ ہی اس کی عزت بھی قائم کر دی جائے گی۔ جیسے نظام الدین صاحب اولیاءؒ کے مقبرہ کی

عظمت قائم ہوئی تو ساتھ ہی ساتھ اُن کی بھی عظمت قائم ہوگئی۔ چنانچہ جو بھی ان کے مزار پر جاتے ہیں ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔

پس اِس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ صبح کے وقت تلاوت کی جائے تو فرشتے اس تلاوت کو سننے کے لیے آتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صبح کا قرآن بڑی بزرگی والا ہے یعنی جو صبح کا قرآن پڑھتا ہے اُسے روحانی بزرگی عطا کی جاتی ہے۔ اِس جگہ صبح سے ظاہری صبح مُراد نہیں۔ بلکہ مُراد یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی اشاعت کا زمانہ آئے گا تو وہ لوگ جو اس کی اشاعت میں حصہ لیں گے بڑی عزتیں پائیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے مبلغ غیر ممالک میں اکیلے اکیلے جاتے ہیں۔ پھر ان کا گھٹیا کھانا اور گھٹیا لباس ہوتا ہے۔ مگر بڑے بڑے وزراء اور لیڈر، ان کی عزت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص انہیں تحقیر سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ خود ان کی عزت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

پاکستان کے ایک جرنیل اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ گئے۔ ان کی بیوی احمدی ہیں۔ ایک دن میاں بیوی دونوں ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں ہمارا ایک مبلّغ بھی وہاں آ گیا۔ ہمارے مبلغین کو چونکہ خرچ کم ملتا ہے اِس لیے اُن کا لباس معمولی ہوتا ہے۔ وہ آیا تو اُس کے کپڑوں پر شِکن پڑے ہوئے تھے اور شِکن کو وہ لوگ بہت بُرا خیال کرتے ہیں۔ بوٹ بھی خراب سا تھا اور ٹوپی بھی ادنیٰ قسم کی تھی۔ اس پاکستانی جرنیل کی بیوی نے مجھے لکھا اور بعد میں جب وہ مجھے ملی تو اس نے مجھے زبانی سنایا کہ ہمارے مبلغ کو دیکھتے ہی میرا خاوند کہنے لگا کہ دیکھو! وہ تمہارا مبلّغ آ گیا ہے۔ وہ کہنے لگی اللہ تعالیٰ نے میری عزت رکھ لی۔ اُسی وقت جماعت تبلیغی کے کچھ آدمی وہاں آ گئے۔ انہوں نے بڑے بڑے جبّے پہنے ہوئے تھے۔ گُھٹنوں تک پائنچے اُٹھائے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں تھالیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ میزوں پر بیٹھ کر انہوں نے ہاتھوں سے ہی کھانا کھانا شروع کر دیا اور پگڑیوں سے اپنے ہاتھ پونچھنے شروع کر دیئے۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا جرنیل صاحب! دیکھیے وہ آپ کے مبلّغ بھی آ گئے ہیں۔ اِس پر وہ بڑا شرمندہ ہوا۔

غرض اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا کے یہی معنے ہیں کہ جب ترقیٔ اسلام کا زمانہ آئے گا تو جو لوگ قرآن کی اشاعت کرنے والے ہوں گے تو خواہ وہ کتنے بھی غریب ہوں اور کیسے ہی حقیر ہوں بڑی عزتیں پائیں گے۔ باقی لوگ مال و دولت کے ذریعہ سے عزت حاصل

کرتے ہیں مگر وہ لوگ اشاعتِ قرآن کے ذریعہ سے ترقی کریں گے اور اشاعتِ قرآن کے ذریعہ سے ہی عزت حاصل کریں گے۔

دیکھ لو! ربوہ سے ہمارا آدمی اگر کسی سرکاری افسر کو ملنے کے لیے جائے تو بعض دفعہ دس دس دن تک اُسے ملاقات کا موقع نہیں ملتا۔ مگر بیرونی ممالک کے بادشاہ اور وزرائے اعظم تک ہمارے مبلّغین کا احترام کرتے اور اُن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایران کا بادشاہ لندن گیا تو اسے ہمارے مبلّغ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ اُس نے قرآن کریم کو بوسہ دیا، اُسے سر پر رکھا اور ہمارے مبلّغ سے کہا کہ میں آپ کا بڑا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یہ تحفہ دیا۔ اب مجھے بھی اجازت دیجیے کہ میں بھی آپ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کروں۔ چنانچہ اُس نے واپس جا کر اپنے امبیسیڈر کی معرفت ایک نہایت اعلیٰ قسم کا قطب نما ہماری مسجد کے لیے تحفہ کے طور پر بھجوا دیا۔ میں جب علاج کے سلسلہ میں لندن گیا تو مجھے مولود صاحب3 نے وہ قطب نما دکھایا تھا۔ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کا قطب نما تھا اور ایک خوبصورت ڈبّہ میں رکھا ہوا تھا۔ غرض جہاں بادشاہِ ایران کے پاس بڑے بڑے دولت مندوں کی بھی رسائی نہیں ہوتی وہاں وہ ہمارے مبلّغ کا شکریہ ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بھی اجازت دیجیے کہ میں واپس جا کر آپ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھجواؤں اور پھر وہ اپنے امبیسیڈر کی معرفت تحفہ بھجواتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے میری طرف سے قبول کیا جائے۔ کیونکہ آپ لوگ اسلام کی اشاعت کر رہے ہیں۔ غرض بڑے بڑے آدمی ہمارے مبلّغین سے ملنے میں اپنی عزت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان سے اپنے تعلقات بڑھائیں۔

ایک مبلّغ نے لکھا ہے کہ اُس نے جرمنی کے ایک پرانے شہر کے بڑے افسروں کے سامنے قرآن کریم تحفہ کے طور پر پیش کیا اور اُن سے خواہش کی کہ وہ سرکاری زمین میں سے کچھ زمین ہمارے پاس بیچ دیں۔ کیونکہ وہ پبلک کی زمینوں سے بہت سستی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا اور اب ہم اُس جگہ پر مسجد بنانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ اعزاز ہمارے مبلغین کو اِسی لیے حاصل ہے کہ وہ قرآن کریم کی اشاعت کر رہے ہیں اور اس کی تعلیم لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔ دوسری جگہوں پر بھی یہی حال ہے۔ انڈونیشیا کے پریذیڈنٹ کو قرآن کریم پیش کیا گیا تو اُس نے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ اُسے چُوما، اپنے سر پر رکھا اور پھر ہمارے مبلّغ کا شکریہ ادا کیا۔ سرکاری فوٹوگرافروں نے بھی

اس تقریب کے فوٹو لیے جس میں ہمارا رئیس التبلیغ قرآن دے رہا ہے اور پریذیڈنٹ اُسے چُوم رہا اور اپنے سر پر رکھ رہا ہے۔

غرض ہر جگہ اللہ تعالیٰ ہمارے مبلغین کو قرآن کریم کی وجہ سے اپنی برکتوں سے حصہ دے رہا ہے۔ ایک ملک جس کا نام لینا مناسب نہیں۔ اس کی ایک حکومت کے پریذیڈنٹ کے پاس ایک بڑا آدمی آیا اور اس نے کہا کہ آپ لوگ احمدی جماعت سے میل جول رکھتے ہیں مجھے بھی ان سے ایک قرآن تحفۃً لے دیجیے۔ ہمارے ملک میں قرآن نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر وہ مجھے تحفۃً قرآن دے دیں تو میں اسے عجائبات کے طور پر اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ انہوں نے فلاں آدمی کو قرآن کریم تحفہ کے طور پر دیا ہے لیکن میں اس سے بڑی پوزیشن کا ہوں۔ اگر یہ مجھے قرآن کریم دے دیں تو اِس سے ہمارے ملک میں بھی قرآن کی اشاعت ہو جائے گی۔ اِسی طرح جب مبارک احمد گیا تو اس نے قرآن تحفہ کے طور پر بڑے بڑے آدمیوں کو دیا اور انہوں نے اسے خوشی سے قبول کیا۔ بعض نے سرکاری کاموں کی وجہ سے معذوری بھی ظاہر کی مگر باقی سب نے اعزاز واکرام کیا۔ ملاقات کا موقع دیا اور ہماری جماعت کا شکریہ ادا کیا۔ اور جو لوگ ملاقات کا موقع نہیں دیتے خود اُن کے ملک والے اُن کے خلاف ہو جاتے ہیں۔

1924ء میں جب میں یورپ گیا تو روم میں بھی ٹھہرا۔ وہاں میں نے پوپ کو لکھا کہ تم عیسائیت کے پہلوان ہو اور میں اسلام کا پہلوان ہوں۔ مجھے ملاقات کا موقع دو تا کہ بالمشافہ اسلام اور عیسائیت کے متعلق میں بات کر سکوں۔ اس کے جواب میں پوپ کے سیکرٹری کی طرف سے مجھے چٹھی آئی کہ پوپ صاحب کی طبیعت خراب ہے اس لیے وہ مل نہیں سکتے۔ اُنہی دنوں اٹلی کے ایک اخبار کا ایڈیٹر جو سوشلسٹ تھا مجھے ملنے آیا۔ وہ ایسا اخبار تھا جس کے دن میں بارہ ایڈیشن نکلتے تھے۔ ہمارے ''الفضل'' کا دن میں صرف ایک ایڈیشن نکلتا ہے اور وہ بھی صرف چند ہزار کی تعداد میں۔ مگر اس کے ایک دن میں بارہ ایڈیشن نکلتے تھے اور ہر ایڈیشن پچیس پچیس ہزار چھپتا تھا۔ باتوں باتوں میں اس نے ذکر کیا کہ میں اصل میں شنگھائی میں پروفیسر ہوں۔ میں نے کہا پھر تم یہاں کس طرح آئے اور اخبار کے ایڈیٹر کس طرح بن گئے؟ اُس نے کہا کہ اس اخبار کا ایڈیٹر میرا دوست تھا۔ وہ ایک لمبے عرصہ تک کام کرنے کے بعد بیمار ہو گیا تو اس نے رُخصت لینی چاہی۔ اُس نے مجھے لکھا کہ تم میرے

دوست ہو چھ ماہ کے لیے آ جاؤ اور میری جگہ کام کرو۔ بہر حال اس نے مجھے کہا کہ آپ یہاں پہلی دفعہ آئے ہیں یہ بڑا اچھا موقع ہے آپ پوپ سے ملاقات کی کوشش کریں۔ ہمیں مسلمانوں کے لیڈر کے خیالات سننے کا موقع مل جائے گا اور بالمقابل عیسائیوں کے لیڈر کے خیالات سننے کا بھی موقع مل جائے گا۔ میں نے کہا میں نے تو خود اُس سے ملاقات کی کوشش کی تھی مگر اُس کے سیکرٹری کی طرف سے جواب آ گیا ہے کہ پوپ صاحب کی طبیعت اچھی نہیں۔ کہنے لگا آپ ایک دفعہ پھر انہیں میری خاطر لکھیں۔ میں نے کہا اِس کے معنے تو یہ ہیں کہ تم مجھے بے عزت کروانا چاہتے ہو۔ کیونکہ اُس نے ملاقات کا موقع نہیں دینا۔ کہنے لگا ہماری نظروں میں تو اِس سے آپ کی عزت بڑھے گی کم نہیں ہوگی۔ آپ اس ملک میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور مناسب یہی ہے کہ پوپ سے بھی ملاقات ہو جائے۔ میں نے اُس کے کہنے پر پھر خط لکھ دیا۔ اِس کے جواب میں اُس کے چیف سیکرٹری کی مجھے چٹھی آئی کہ پوپ کا محل آجکل زیرِ مرمت ہے اس لیے افسوس ہے کہ وہ ملاقات نہیں کر سکتے۔ دو چار دن کے بعد پھر وہی ایڈیٹر ملنے کے لیے آیا تو اُس نے پوچھا کہ کیا پوپ کی طرف سے کوئی جواب آیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے یہ جواب دیا ہے۔ تم پڑھ لو۔ اِس چٹھی کو پڑھ کر اسے بڑا غصہ آیا اور کہنے لگا کہ اب میں اپنے اخبار میں اس کی خبر لوں گا۔ میں نے کہا ایسا نہ کرو۔ عیسائیوں نے شور مچا دینا ہے اور تمہارے اخبار پر اس کا اثر پڑے گا۔ کہنے لگا مجھے اس کی پروا نہیں۔ میرے اخبار کو زیادہ تر سوشلسٹ خریدتے ہیں اور وہ ان باتوں پر بُرا نہیں مناتے۔ چنانچہ دوسرے دن اخبار چھپا تو اُس میں اُس نے ایک بڑا مضمون لکھا کہ یہاں آجکل مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لیڈر آیا ہوا ہے۔ اُس نے پوپ کو خط لکھا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ملاقات کا موقع دیا جائے تا کہ اسلام اور عیسائیت کے متعلق باہم گفتگو ہو جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ موقع بڑا اچھا تھا اور اگر ملاقات ہو جاتی تو پتا لگ جاتا کہ ہمارے لیڈر اپنے مذہب سے کتنے واقف ہیں اور مسلمانوں کے لیڈر اپنے مذہب سے کتنی واقفیت رکھتے ہیں۔ مگر پوپ کے چیف سیکرٹری نے اُس کا یہ جواب دیا کہ پوپ کا محل آجکل زیرِ مرمت ہے اِس لیے وہ ملاقات نہیں کر سکتے۔ اِس کے بعد اس نے طنزاً لکھا کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اب پوپ کا محل قیامت تک زیرِ مرمت ہی رہے گا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ بہانہ محض جھوٹا ہے۔ اصل غرض ملاقات سے گریز کرنا ہے۔

اب دیکھو روم عیسائیت کا گڑھ ہے مگر وہاں کے ایک بڑے بھاری اخبار نے پوپ کے

انکار پر بُرا منایا اور اس کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا اور اب تو اس واقعہ پر بتّیس سال گزرے چکے ہیں اور زمانہ روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے اور اسلام سے عیسائیت کا بُغض کم ہو رہا ہے۔ ہم جب پہلی دفعہ گئے تھے اُس وقت لوگوں کو اسلام کی طرف اِتنی توجہ نہ تھی۔ اُس وقت میں نے لندن میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی جو خدا تعالیٰ کے فضل سے جلد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اب میں بیماری کے علاج کے لیے گیا تو اس کی مرمت بھی کروادی ہے۔ اس کے بعد اب ہیگ میں مسجد بنی ہے، ہیمبرگ میں مسجد بنی ہے اور تین چار اَور مساجد بنانے کی کوشش میں ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ان مساجد کے بنانے کی بھی توفیق دے دی۔ تو یورپ کے دس بارہ مشہور مقامات میں ہماری مسجدیں بن جائیں گی۔ وہ مساجد جو دوستوں نے خود بنالی ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ ایسٹ افریقہ میں دو بن چکی ہیں اور دو کی بنیادیں رکھی جا چکی ہیں۔ انڈونیشیا میں دس پندرہ سال کے عرصہ میں پچیس چھبیس بن چکی ہیں، ویسٹ افریقہ میں تو اَور بھی زیادہ ہیں۔ اُن کو ملا کر سو سے زیادہ مسجدیں بن جاتی ہیں۔ امریکہ میں بھی ایک مسجد ہے اور ایک اَور مسجد بنانے کا ارادہ ہے۔ ایک اَور مسجد جو امریکہ کے ایک میاں بیوی نے اپنی جائیداد وقف کر کے بنوائی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ غرض دنیا کے مختلف ممالک میں ہماری جماعت کے ذریعہ مساجد بن چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور کئی مساجد تعمیر ہونے والی ہیں اور اُمید کی جاتی ہے کہ شاید چند سالوں میں ہی ہزار ڈیڑھ ہزار مسجد بن جائے گی اور یہ کیفیت نظر آنے لگے گی کہ جو شخص بھی بیرونی ممالک کے سفر کے لیے نکلے گا وہ جس ملک میں بھی جائے گا یہ کہہ سکے گا کہ یہاں احمدیہ مسجد موجود ہے"۔ (الفضل 7 ستمبر 1957ء)

---

1: بنی اسرائیل :80

2: درثمین اردو صفحہ 130 زیر عنوان " مناجات اور تبلیغ حق"

3: مولود صاحب: ان سے مراد مولود احمد خان صاحب سابق امام مسجد لنڈن ہیں جو حضرت ماسٹر محمد آسان دہلوی کے بیٹے ہیں۔ (تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 229)

25

# دنیا میں جب سے انبیاء وخلفاء کا سلسلہ جاری ہے صداقت کی ہمیشہ مخالفت ہوتی رہی ہے حالانکہ اُن کی لائی ہوئی تعلیم ہی بنی نوع انسان کو فلاح اور کامیابی تک پہنچانے والی ہوتی ہے

(فرمودہ 30/اگست 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسٰیؑ کو فرعون کی طرف بھیجا1 لیکن بجائے اِس کے کہ لوگ موسٰیؑ کی پیروی کرتے انہوں نے فرعون کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کی جو تعلیم تھی وہ صحیح راستہ دکھانے والی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی جو گمراہی کی طرف لے جانے والا تھا اُس کی بات تو انہوں نے مان لی اور جو ہدایت کی طرف لے جانے والا تھا اُس کی بات نہ مانی۔

بدقسمتی سے یہی طریقہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے

تو آپ نے جو تعلیم دی وہ بنی نوع انسان کو فلاح اور کامیابی کے مقام تک پہنچانے والی تھی۔ مگر آپ کے وطن کے لوگوں نے اس کا انکار کر دیا اور چلے تو ابو جہل کے پیچھے چلے جو فرعون کا ایک روحانی قائم مقام تھا اور اُس کی ہر گندی اور فساد پھیلانے والی تعلیم کو انہوں نے قبول کر لیا۔ مثلاً یہی کہ غریبوں اور مسکینوں کو کچھ نہ دو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو ردّ کر دیا۔ آپؐ کے بعد بھی یہی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو صحابہؓ آپ پر ایمان لے آئے۔ مگر سارے عرب نے بغاوت کر دی اور انہوں نے وہی طریق اختیار کیا جو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا تھا اور اُس وقت کے فرعون کے پیچھے چل پڑے۔ اُس وقت کے فرعون مسیلمہ کذّاب، اسود عنسی اور سجاح وغیرہ تھے جنہوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور لوگ اُن کے متبع ہو گئے مگر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین تھا اور لوگوں کے اندر صحیح اسلامی روح پیدا کرنے والا تھا اُس کو چھوڑ دیا۔ پھر آپ کے بعد حضرت عمرؓ کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا تب بھی یہی ہوا۔ حضرت عمرؓ اپنی وفات کے قریب حج کے لیے گئے تو بعض کم بختوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عمرؓ مر جائیں گے تو ہم فلاں کو خلیفہ بنائیں گے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے 2۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اُن کے زمانہ میں بھی عبداللہ بن سبا جیسے لوگوں نے فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہ شخص بھی مصری تھا جیسا کہ فرعون مصری تھا۔ اور لوگوں نے اس کی بات ماننی شروع کر دی۔ ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔ تب بھی لوگوں نے یہی طریق اختیار کیا۔ حضرت علیؓ کو پہلے تو خلیفہ بننے پر مجبور کیا گیا اور پھر ایک چھوٹا سا عذر کر کے کہ معاویہؓ سے صلح کیوں کی؟ انہی لوگوں نے جنہوں نے آپ کو خلافت کے لیے کھڑا کیا تھا بغاوت کر دی اور خوارج کے نام سے الگ ہو گئے۔ اور انہوں نے دو صدیوں تک اسلام میں وہ تہلکہ مچایا کہ لوگوں کا امن بالکل برباد ہو گیا۔ یہاں تک کہ تاریخوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ تم علیؓ کو کیا سمجھتے ہو؟ اُس صحابی نے کہا ایک نیک اور پاک انسان۔ انہوں نے کہا عمرؓ اور عثمانؓ کو کیا سمجھتے ہو؟ اُس نے کہا اللہ کے خلیفے۔ انہوں نے تلوار میان سے نکالی اور اُسے قتل کر دیا۔ پھر یہ فتنہ صرف دوسَو سال تک ختم نہیں ہوا بلکہ آج تک خارجیوں کا وجود چلا آ رہا ہے۔ عمان میں زنجبار میں انہی کی حکومت ہے۔

میں جب انگلینڈ گیا تو کچھ مسلمان طالبعلم جو زنجبار سے وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے

گئے ہوئے تھے مجھے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے کہا آپ بتائیں کہ مسلمانوں کا کوئی علاج بھی ہوگا یا یہ اسی طرح آپس میں لڑتے رہیں گے؟ میں نے کہا جب تک آپ لوگ اپنے ملک کے مولویوں کے پیچھے چلتے رہیں گے یہی حال رہے گا۔ پھر میں نے کہا ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کا ایک مولوی نیروبی میں گیا اور اس نے لوگوں کو اُکسایا کہ احمدیوں کو مار ڈالو۔ انہوں نے کہا واقعہ اس طرح نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ نیروبی سے ہمارے ہاں ایک مولوی آیا تھا اور اس نے لوگوں کو اشتعال دلایا تھا۔ میں نے کہا اُدھر سے اِدھر آیا ہو یا اِدھر سے اُدھر گیا ہو تم نے مانی شیطان کی، خدا کی نہیں مانی۔ تم کہتے ہو کہ زنجبار سے مولوی نہیں گیا تھا بلکہ نیروبی سے زنجبار آیا تھا مگر اِس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ تم مولویوں کے پیچھے چلے۔ اور جب تک اِس طرح کرتے رہو گے مسلمانوں کی لڑائی آپس میں جاری رہے گی۔ وہ لڑکے تھے کہنے لگے ابھی تو ہم تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن جب ہم واپس گئے تو ہم اپنے ملک میں رواداری کی تعلیم پھیلانے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اِس کے بعد جب وہاں ریڈیو پر بھی ہماری جماعت کے خلاف پراپیگنڈا ہونے لگا تو ہماری جماعت کے توجہ دلانے پر زنجبار کے بادشاہ نے احمدیوں کو بلایا اور کہا کہ ریڈیو سے جو اعلانات احمدیوں کے خلاف ہو رہے ہیں آئندہ کے لیے میں انہیں بند کر دوں گا۔

بہرحال جب سے اللہ تعالیٰ کے انبیاء وخلفاء کا سلسلہ جاری ہے۔ صداقت کی ہمیشہ مخالفت ہوتی چلی آئی ہے۔ اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا اور امتِ محمدیہ میں مختلف اولیاء پیدا ہوئے۔ تب بھی یہی ہوا کہ لوگوں نے ان کی نہ سنی۔ بلکہ ان کے دشمنوں کی سنی جو اپنے وقت کے فرعون تھے اور ان کے پیچھے چل پڑے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے صدیوں بعد حضرت سید احمد صاحب سرہندیؒ ہوئے تو لوگوں نے جہانگیر کے کان بھرنے شروع کیے کہ یہ شخص باغی ہے اسے جلدی سنبھالیں ورنہ سخت فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اِس پر جہانگیر نے انہیں گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ مگر پھر بعض لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ یہ نیک آدمی ہے اسے رہا کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا بیڑا غرق ہو جائے۔ پھر ان کے بعد بھی جو بزرگ ہوئے ان سے یہی سلوک ہوا۔ بلکہ اِس سے پہلے حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ اور حضرت فریدالدین صاحب شکر گنجؒ وغیرہ کی بھی مخالفت ہوئی۔

حضرت محمد غوث صاحبؒ جن کا مقبرہ لاہور میں ہے وہ کشمیر سے آئے تھے۔ یہاں آ کر اُن کی بھی بڑی مخالفت ہوئی۔ غرض خواہ یہ بزرگ ملتان میں گزرے ہوں یا پاک پتن میں گزرے ہوں یا دلّی میں گزرے ہوں یا اجمیر میں گزرے ہوں یا آگرہ میں گزرے ہوں یہ آیت ہمیشہ سچی ثابت ہوتی رہی کہ ہم نے موسٰیؑ کو فرعون کے پاس اچھی تعلیم دے کر بھیجا تھا مگر لوگوں نے بُری تعلیم کو قبول کرلیا اور اچھی تعلیم کو قبول نہ کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے اور نامعلوم کب تک چلتا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بے شک جماعت نے ترقی کی ہے لیکن مخالفت نے بھی ترقی کی ہے۔ اور لوگوں کو اشتعال دلاتے ہوئے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ جماعت واجبُ الْقتل ہے اس کے افراد کو مار ڈالنا چاہیے۔ بلکہ بعض اخباروں میں لکھا ہوتا ہے کہ احمدی جماعت نے پاکستان کے مقابلہ میں ایک متوازی حکومت بنائی ہوئی ہے گورنمنٹ پاکستان کو اس خطرہ کے انسداد کے لیے فوری کارروائی کرنی چاہیے۔ لیکن دوسری طرف موجودہ سیلاب کے موقع پر ریڈیو پر اعلان کیا گیا کہ دریائے چناب پر ریلوے پُل کے شگاف کو پُر کرنے کے لیے خدام الاحمدیہ نے کام کیا اور آٹھ ہزار مکعب فٹ پتھر بھر کر اسے پُر کر دیا ہے۔ جب قادیان میں ہماری جماعت کے افراد ہندوؤں اور سکھوں کا مقابلہ کر رہے تھے اُس وقت بھی لوگ ہماری جماعت کی بڑی تعریفیں کرتے تھے۔ مگر پھر وہی لوگ مخالفت کرنے لگ گئے۔ اب بھی تم دیکھو گے کہ آج تو ریڈیو نے احمدیوں کی تعریف کر دی ہے مگر کل پھر انہی اخباروں نے لکھنا ہے کہ احمدیوں سے بچنا چاہیے۔ ان لوگوں نے پاکستان کے مقابلہ میں ایک متوازی حکومت بنا رکھی ہے۔ اور اس کی دلیل وہ یہی دیں گے کہ دیکھو! ان لوگوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر چند گھنٹوں کے اندر اندر ریلوے پُل کے ایک سَو فٹ لمبے شگاف کو آٹھ ہزار مکعب فٹ پتھر بھر کر پُر کر دیا۔ ہم پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ حکومت کو ان لوگوں کے متعلق ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ اب اِس تازہ واقعہ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ پورے طور پر منظّم ہو گئے ہیں اور ان سے سخت خطرہ درپیش ہے۔ اُس وقت کوئی نہیں دیکھے گا کہ ان لوگوں نے جتنی طاقت استعمال کی ہے پاکستان کے استحکام کے لیے کی ہے۔ کوئی نہیں دیکھے گا کہ ایسے خطرناک موقع پر مودودیوں نے اپنے آدمی نہیں بھجوائے، خدائی خدمتگاروں نے اپنے رضا کار نہیں بھجوائے۔

صرف یہ شور مچانا شروع کر دیں گے کہ یہ لوگ منظّم ہو گئے ہیں اور ایک دن پاکستان کو توڑ دیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہی سنّت قرار دی ہے اور وہ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کی طرف بھیجا مگر وہ لوگ فرعون کے متبع ہوئے اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ فرعون جن باتوں کی تعلیم دیتا ہے وہ بُری ہیں یا اچھی۔ وہ صرف طاقت اور جتھے پر مغرور ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم فرعون کی باتیں مانیں گے کیونکہ اُس کے ساتھ جتھا ہے"۔ (الفضل 16 ستمبر 1957ء)

1: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ (الزخرف: 47)

2: تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 45، 46 مطبوعہ لاہور 1892ء

(26)

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ

# انسان کو فائدہ پہنچانے والی اصل چیز یہ ہے کہ دل کو پاک کیا جائے اور اس میں خدا تعالیٰ کی محبت اور خشیت پیدا کی جائے

(فرمودہ 6 ستمبر 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ۔1

اس کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم سے جو لوگ

بحث کرنے کے لیے آئیں خصوصاً وہ لوگ جو اہلِ کتاب ہیں تو تم دلائل کے ساتھ اُن سے بحث کیا کرو اور دلوں پر اثر کرنے والی باتیں ان کے سامنے پیش کیا کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ اِس ذریعہ سے ان کو ہدایت دے دے۔ گویا بحث سے تمہاری غرض یہ نہیں ہونی چاہیے کہ تم دشمن کو ذلیل کرو یا اپنے دلائل پر فخر کا اظہار کرنے لگ جاؤ۔ جیسے آجکل کے مسلمانوں کی حالت ہے کہ اگر ان کے مولوی کوئی معقول بات کہہ دیں یا معقول بات کے قریب قریب بھی کوئی بات کہہ دیں تو وہ فوراً نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ تم ایسے موقع پر نعرے لگایا کرو یا اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کی کوشش کیا کرو بلکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ جس شخص سے تمہاری بحث ہو جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب وہ اہل کتاب میں سے ہونے کا مدعی ہو تو اُس سے بحث کرتے وقت حکمت اور موعظت سے کام لیا کرو۔ یعنی ہر بات کی معقولیت دلائل کے ساتھ اُس پر واضح کیا کرو اور اس کی غرض و غایت اور حکمت پر بھی روشنی ڈالا کرو۔ اور بتایا کرو کہ ہم یہ مسائل اس لیے بیان کرتے ہیں کہ ان سے فلاں فلاں فائدہ ہوسکتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ نصیحت کرتے جاؤ کہ خالی بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اصل چیز جو انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے دل کو پاک کیا جائے اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت پیدا کی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ دوسرے کو ہدایت مل جائے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ یہ طریق بڑا کارگر اور مؤثر ہوتا ہے۔

میں ایک دفعہ کراچی گیا تو جماعت کے بعض دوست ایک عرب کو میری ملاقات کے لیے لے آئے۔ اس نے کہا مجھے آپ کی جماعت سے بڑی محبت ہے۔ کیونکہ آپ لوگ دین کی خدمت کر رہے ہیں اور تمام دنیا میں آپ نے مبلّغ پھیلا رکھے ہیں۔ لیکن ایک بات مجھے بہت بُری لگتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کروڑوں مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے کہا بتاؤ کیا میں نے تمہیں کبھی کہا ہے کہ تم مسلمانوں کو کافر کہا کرو؟ انہوں نے کہا آپ نے ہمیں ایسا کبھی نہیں کہا۔ مسلمان کو کافر کہنے والا تو خود کافر ہوتا ہے۔ کہنے لگا میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کلمہ گو لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں نے پھر اپنے دوستوں سے پوچھا کہ بتاؤ میں نے کبھی کہا ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھے اُسے کافر کہو؟ انہوں نے کہا بالکل نہیں۔ اِس پر وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا میرا مطلب یہ ہے کہ جو آپ سے اختلاف کرے اُسے آپ کافر کہتے ہیں۔ میں نے پھر دوستوں سے کہا کہ بولو میں نے تمہیں کبھی کہا ہے

کہ جو تم سے اختلاف کرے اسے کافر کہا کرو؟ اختلاف پر کافر کہنے کے تو یہ معنے ہیں کہ جس قسم کی شلوار میں نے پہنی ہوئی ہے اگر اس قسم کی شلوار کوئی دوسرا شخص نہ پہنے یا جس قسم کی پگڑی میں نے پہنی ہوئی ہے اگر اس قسم کی پگڑی کوئی دوسرا شخص نہ پہنے یا جس قسم کی جُوتی میں نے پہنی ہوئی ہے اگر اس قسم کی جُوتی کوئی دوسرا شخص نہ پہنے تو میں اُسے کافر کہہ دوں۔ بتاؤ کیا میں نے کبھی کہا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ نے ہمیں کبھی ایسا نہیں کہا۔ اس پر وہ اَور زیادہ گھبرایا اور اس نے اپنی بات کو درست کرنے کی کوشش کی اور کہا میں نے سنا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو جو مسلمان کہلاتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں کافر کہتے ہیں۔ میں نے کہا اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ بات کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کافر کا لفظ تو میں ان میں سے کسی کے لیے نہیں بولتا۔ مگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) تین جھوٹ بولے تھے2۔ یا بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اس کے بعد ایک جرنیل جس کا نام اوریا بن حنّان تھا اُس کی بیوی آپ کو پسند آ گئی اور حضرت داؤدؑ نے اُس کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لیے اُس جرنیل کو ایک خطرناک مقام پر بھجوا دیا اِس ارادہ سے کہ اگر یہ مارا جائے تو اُس کی بیوی سے شادی کر لوں۔ سو اِس ارادہ کی برائی ظاہر کرنے کے لیے دو فرشتے آپ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے یہ جھوٹا قصّہ گھڑ کر بیان کرنا شروع کر دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دُنبی ہے۔ مگر پھر بھی یہ کہتا ہے کہ اپنی دُنبی مجھے دے دے۔ گویا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ فرشتوں نے حضرت داؤدؑ پر الزام لگایا کہ ان کا فعل درست نہیں تھا اور ایک جھوٹا قصّہ گھڑ کر ان کے سامنے بیان کر دیا۔3 میں ایسے لوگوں کے متعلق کہتا ہوں کہ یہ پکے مسلمان نہیں ہیں۔ اِس پر وہ عرب بے اختیار کہنے لگا کہ پکے مسلمان ہونے کا کیا سوال ہے ایسے لوگ تو پکے کافر ہیں۔ میں نے کہا آپ بے شک پکے کافر کہیں مگر میں نے تو ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ان لوگوں کے اسلام میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ پھر میں نے دوستوں کی طرف دیکھا اور کہا کیا میں نے تمہیں کبھی کہا ہے کہ یہ لوگ پکے کافر ہیں؟ انہوں نے کہا آپ نے ایسا کبھی نہیں کہا۔ وہ کہنے لگا آپ بے شک ان کو کافر نہ کہیں لیکن میرا تو عقیدہ ہے کہ ایسے لوگ جو نبیوں پر الزام لگانے سے دریغ نہیں کرتے پکے کافر ہیں۔ میں نے اُسے کہا آپ بے شک جو چاہیں کہیں

میں نے کبھی ان لوگوں کو پکے کافر نہیں کہا۔ میں صرف یہ کہا کرتا ہوں کہ جتنی جتنی کمزوری کسی میں پائی جاتی ہے اُتنی ہی اُس کے اسلام میں کمی ہے۔ پھر میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود انہیں پکے کافر کہتے ہیں اور مجھ سے آ کر اِس بات پر بحث کرتے ہیں کہ آپ اور آپ کی جماعت کے افراد دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ نہ ہم مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے منکر ہیں یا کلمہ کے منکر ہیں یا کعبہ کے منکر ہیں۔ ہاں! جو ان کی غلطی ہے وہ انہیں بتا دیتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی اتنی آیتیں منسوخ ہیں یا انبیاء پر وہ مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے پاخانہ میں جاتے ہوئے انگوٹھی اُتاری اور اپنی بیوی کو دے دی۔ شیطان نے اُن کی شکل اختیار کر کے اُس بیوی سے وہ انگوٹھی مانگی اور اُس نے اُن کو سلیمان سمجھ کر وہ انگوٹھی دے دی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پاخانہ سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری انگوٹھی کہاں ہے؟ اس نے کہا میں نے تو آپ کو دے دی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ مجھے کوئی نہیں دی۔ اِس کے بعد حضرت سلیمان کی شکل میں کوئی ایسا تغیر واقع ہوا کہ جدھر نکلتے تھے لوگ اُن پر ہنسی اڑاتے تھے اور حضرت سلیمان بھی بڑے متعجب تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گھر میں جاتے اور نوکروں سے روٹی مانگتے تو وہ کبھی دے دیتے اور کبھی انکار کر دیتے۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ سلیمان نہیں۔ ایک دن ایک بیوی نے رحم کر کے ان کو روٹی دی اور ساتھ مچھلی بھی دے دی۔ وہ مچھلی انہوں نے کھائی تو اس میں سے انگوٹھی نکل آئی جو انہوں نے پہن لی اور اُس سے یکدم تغیر واقع ہو گیا اور سب جِنّ و اِنس ان کی اطاعت کرنے لگے۔ لوگوں کو اس لیے بھی ان کے سلیمان ہونے پر یقین آ گیا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے اصرار سے یہ دعوٰی جاری رکھا کہ اصل سلیمان میں ہوں تو لوگوں کے دل میں شُبہ پیدا ہوا اور انہوں نے ان کی بیویوں کے پاس عورتیں بھیجیں کہ کیا اِس شخص یعنی شیطان کے اندر آنے کے بعد کوئی چیز آپ کو ایسی نظر آئی ہے جو سلیمان کے طریق کے خلاف ہو؟ انہوں نے کہا ایک فرق ہے کہ سلیمان ہمیشہ حیض کے ایام میں ہمارے قریب نہیں آیا کرتا تھا مگر یہ شخص یعنی شیطان آ جاتا ہے۔ اِس پر لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ سلیمانؑ کی شکل اختیار کر کے شیطان سلیمان بنا ہوا ہے۔ یہ روایت مجاہد کی طرف منسوب کی گئی ہے جو حضرت ابن عباسؓ کے نہایت مقرّب شاگرد تھے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کے انبیاء کے متعلق اِس قسم کے گندے عقائد رکھتے ہوں اُن کے ایمان کو کس طرح کامل کہا جا سکتا ہے۔ پس میں صرف یہ کہا کرتا ہوں کہ اتنی اتنی کمزوری مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور ان سے فلاں فلاں غلطی ہوئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ان کی غلطیوں کو دور کر دے تو یہ لوگ ٹھیک ہو جائیں گے"۔ (الفضل 27 ستمبر 1957ء)

---

1 : النحل: 126

2 : بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا

3 : تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد 13 صفحہ 446، 447 مطبوعہ قاہرہ 2012ء

27

# ایک حقیقی مومن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے

(فرمودہ 20 ستمبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دَنَا فَتَدَلّٰی ۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی 1 یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے ملنے کے لیے اس کے قریب ہوئے اور خدا تعالیٰ بھی آپ کی ملاقات کے لیے اوپر سے نیچے آ گیا۔ اس آیت میں ''تَدَلّٰی'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے یہ ''دلو'' سے نکلا ہے جس کے معنے ڈول کے ہیں۔ عربی زبان میں بعض اوقات واؤ، یاء سے بدل جاتی ہے اور لغت میں ''دلیٰ'' کے معنے '' اَرْسَلَ الدَّلْوَ فِی الْبِئْرِ ''2 کے لکھے ہیں۔ اُس نے ڈول کو کنویں میں لٹکایا۔ گویا اس لفظ سے اوپر سے نیچے جانے کے معنے نکلتے ہیں۔ اسی طرح تدلّی کے معنے لغت میں تواضع کے لکھے ہیں۔3 یعنی باوجود بلند شان ہونے کے دوسرے کے آگے جھک گیا۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے تابع کر دیا۔ پس ''تدلّی'' کے معنے یہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ بہت بلند اور اعلیٰ شان رکھنے کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے

کے لیے نیچے کی طرف جھکا۔

اِسی مضمون کو ایک اَور آیت بھی واضح کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۔4 یعنی جب کوئی شخص اعمال صالحہ بجا لاتا ہے تو وہ اس کو اونچا کر دیتے ہیں۔ یعنی مومن عمل صالحہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ عرش سے اُتر کر اُس کی طرف آ جاتا ہے۔ جیسے رمضان المبارک کے ذکر میں قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام میں آتا ہے کہ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔5

یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو تُو انہیں کہہ دے کہ میں اُن کے قریب ہوں اور میں ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ یہ وہی تَـدلّٰی ہے جس کا ''دَنَا فَتَدَلّٰى'' میں ذکر آتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ تو عرش پر بیٹھا ہے۔ لیکن جب کوئی انسان اُس سے ''دلـو'' کرتا ہے اور اعمال صالحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور اُس سے دعائیں کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کے نزدیک آ جاتا ہے اور اس طرح وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی رنگ میں شاگرد ہو جاتا ہے۔

غرض ''دَنَا فَتَدَلّٰى'' نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ راستہ کھلا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کے قریب ہو اور پھر خدا تعالیٰ بھی اُس کے نزدیک آ جائے۔ گویا جس طرح کنویں پر کھڑے ہو کر جب کوئی شخص ڈول لٹکاتا ہے تو وہ نیچے آ جاتا ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے آپ کو انسان کے قریب کر دیتا ہے۔ مگر جب کوئی ڈول کنویں میں لٹکاتا ہے تو ڈول صرف پانی کے قریب ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ پانی سے بھر بھی جاتا ہے۔ اِسی طرح انسان صرف خدا تعالیٰ کے قریب ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ خدائی نور سے بھی بھر جاتا ہے۔ آخر جب کوئی شخص ڈول کو کنویں میں لٹکاتا ہے تو اُس کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ وہ اُسے کنویں سے خالی نکال لے۔ بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس میں پانی بھر جائے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ جب اپنے آپ کو کسی انسان کے قریب کر دیتا ہے تو وہ صرف قریب ہی نہیں ہوتا بلکہ اُسے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ پھر جس طرح ڈول نیچے جا کر پانی اپنے اندر

لے لیتا ہے اور پھر اوپر کو اٹھتا ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ بھی ایسے انسان کو ''جھپی'' مار کر آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ گویا اس پر وہی مثال صادق آتی ہے جو انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔6 کیونکہ جب خدا تعالیٰ کسی انسان کو عرش پر لے جائے گا تو وہ اُس کے داہنی طرف ہی بیٹھے گا مگر انجیل میں تو صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ وہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور خدا تعالیٰ کی داہنی طرف بیٹھ گئے۔لیکن اسلام کہتا ہے کہ ہر مومن جو خدا تعالیٰ کے قریب ہوگا وہ اُس کی دائیں جانب عرش پر جا بیٹھے گا۔ یا یوں کہو کہ وہ اُس کی گود میں بیٹھ جائے گا۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی گود میں ہو ظاہر ہے کہ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نقصان اُسی کو پہنچایا جا سکتا ہے جو خدا تعالیٰ سے دور ہو۔ اگر کوئی دشمن اُس شخص پر حملہ کرنے کی کوشش کرے جو خدا تعالیٰ کی گود میں ہے تو دوسرے لفظوں میں وہ خدا تعالیٰ پر حملہ کرے گا لیکن خدا تعالیٰ پر کسی صورت میں بھی حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس جو خدا تعالیٰ کی گود میں ہو اُسے نقصان پہنچانے کی خواہ کوئی لاکھ کوشش کرے وہ ناکام رہے گا اور ذلیل اور رسوا ہوگا۔

پس اِس آیت کے ذریعہ ہر مومن کو خوشخبری دی گئی ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کے قُرب کا انتہائی مقام حاصل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یہی آیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی الہاماً نازل ہوئی ہے 7 اور پھر آپ کو یہ بھی الہام ہوا ہے کہ سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ۔8 یعنی میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ متوکل کے معنے ہوتے ہیں وہ شخص جو اپنا سارا کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اور دَنَا فَتَدَلّٰی میں بھی ایسا شخص اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ ہر قسم کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اُسے اپنی گود میں اُٹھا لیتا ہے۔ گویا اِس آیت میں حقیقی مقامِ توکل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ مقام عام توکل کے مقام سے بہت بلند ہے۔ اِس لیے کہ عام متوکِّل تو خود کہتا ہے کہ میں اپنے سارے کام خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ مگر دَنَا فَتَدَلّٰی میں جس مقامِ توکل کا ذکر ہے اُس کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ میں اس کے سارے کام اپنے ذمہ لے لیتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اچھا متوکِّل بہرحال وہی ہوگا جس کے متعلق خدا تعالیٰ خود کہے کہ میں نے اس کے سارے کام اپنے ذمہ لے لیے ہیں کیونکہ اس کے

کسی کام میں بھی روک واقع نہیں ہو سکتی''۔ (الفضل 6/اکتوبر 1957ء)

---

1 :النجم:9،10

2 :المنجد صفحه 224مطبوعه بيروت 1973ء

3 :المنجد صفحه 223مطبوعه بيروت 1973ء

4 :فاطر: 11

5 :البقرة:187

6 : مرقس باب16 آیت19

7 : تذکرہ صفحہ 54ایڈیشن2004ء

8 : تذکرہ صفحہ 196، 197ایڈیشن2004ء

28

# قرآن مجید کی رُو سے الٰہی جماعتوں کا مقام

## جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے اُسے وہ وافر جگہ اور ہر قسم کی کشائش عطا فرماتا ہے

(فرمودہ 4/ اکتوبر 1957ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے شیطان کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو اُس نے اِس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۔1 میں آدم کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں۔ میں تو اُس سے بہتر ہوں۔ کیوں بہتر ہوں؟ اس لیے کہ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۔2 میری فطرت میں تُو نے آگ پیدا کی ہے اور اُس کی فطرت میں تُو نے طینی مادہ رکھا ہے۔ طین اُس مٹی کو کہتے ہیں جس میں پانی ملا ہوا ہو۔ اور جس مٹی میں پانی ملا ہوا ہو اُس سے جو چاہو بنا لو۔ لوگ ایسی مٹی سے قسم قسم کے کھلونے اور گھوڑے وغیرہ بناتے ہیں اور جس شکل میں چاہتے ہیں اُسے ڈھال لیتے ہیں۔ پس اُس نے کہا کہ آدم کو تو تُو نے گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے اور میری فطرت میں تُو نے آگ کا مادہ رکھا ہے۔ یعنی آدم کو تو جو بات بھی کہی جائے وہ مان لیتا ہے اور اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرنے لگ جاتا ہے۔ مگر میرے اندر سرکشی کا مادہ اور غصہ پایا جاتا ہے۔ میں کسی دوسرے کی اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ پھر میرا اور اس کا جوڑ کیا ہے؟

اِس واقعہ پر غور کر کے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ لوگ جو احمدیت کے خلاف مختلف رنگوں میں غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ ہم احمدیوں کے گھر جلا دیں گے، ان کا کھانا پینا بند کر دیں گے اور انہیں ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائیں گے اُن کا کیا مقام ہے اور ہمارا کیا مقام ہے؟ کوئی بتائے کہ کبھی احمدیوں نے بھی ایسا کہا کہ ہم غیر احمدیوں کے گھر جلا دیں گے اور اُن پر اُن کی زندگی تنگ کر دیں گے؟ لیکن ہمارے مخالف ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔ بلکہ 1953ء میں انہوں نے عملاً ایسا کیا اور کئی احمدیوں کے گھر جلا دیئے۔ اور اب تک یہی کہتے رہتے ہیں کہ ہم ان کی زندگی ان پر ایسی تنگ کر دیں گے کہ ملک میں رہنا ان کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ جیسا پہلے انبیاء کے مخالف کہا کرتے تھے کہ ہم ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکال دیں گے اور ان کے لیے جینا دوبھر کر دیں گے۔3

بعض منافق آجکل کہتے ہیں کہ ربوہ والے بھی بعض لوگوں کے لیے اتنی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں کہ اُن کا وہاں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ درست ہے تو اس کا علاج آسان تھا۔ قرآن کریم سے پتا لگتا ہے کہ اگر مومن کو کسی مقام پر شدائد میں مبتلا کیا جائے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتا ہے4 اور ہجرت کرنے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً۔5 جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے اُسے رہائش کے لیے وافر جگہ اور ہر قسم کی کشائشِ رزق حاصل ہوگی۔ پس اگر کسی کو ربوہ کے رہنے والے مشکلات میں مبتلا کرتے ہیں تو ربوہ پاکستان کا نام نہیں۔ وہ ربوہ کو چھوڑ کر لاہور جا سکتا ہے، ملتان جا سکتا ہے، گجرات جا سکتا ہے، بہاولپور جا سکتا ہے، کراچی جا سکتا ہے، کوئٹہ جا سکتا ہے۔ اِسی طرح دوسرے مقامات پر جا سکتا ہے اور قرآنی وعدہ کے مطابق کشائشِ رزق حاصل کر سکتا ہے۔ پھر اُس کے لیے کسی تشویش اور فکر کا کونسا مقام ہے۔ پس یہ اعتراض محض قرآن کریم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ مومن ہوں گے اور کسی مقام سے ہجرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی برکتوں کے دروازے اُن کے لیے کھول دے گا اور ہر قسم کی کشائش انہیں حاصل ہوگی۔ اگر خدا تعالیٰ کے اِس واضح ارشاد کے باوجود وہ ربوہ کو چھوڑ کر نہیں جاتے تو وہ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اور اگر ہجرت کے بعد خدا تعالیٰ ہر جگہ اُن کی عزت کے سامان پیدا نہیں کرتا اور ان کے لیے برکتوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے تب بھی وہ مومن نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم نے صرف

دو اصول بیان فرمائے ہیں۔ایک تو یہ کہ اگر وہ مومن ہیں اور کسی مقام پر ان کو شدید تکالیف میں مبتلا کیا جاتا ہے تو انہیں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔اور دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ہجرت کے وقت ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟ تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ خدا نے زمین میں بڑی وسعت رکھی ہے۔وہ جہاں بھی جائیں گے خدا تعالیٰ اُن کے لیے ہر قسم کی کشائش کے سامان پیدا فرما دے گا اور ان کی کامیابی کے رستے کھول دے گا۔پس اِس قسم کا اعتراض کرنے والے دونوں صورتوں میں مجرم ہیں۔اگر واقع میں ربوہ والے مشرکینِ مکہ جیسے مظالم کرتے ہیں تو اُن کا ربوہ کو نہ چھوڑنا انہیں مجرم بناتا ہے۔کیونکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ایسی بستی سے مومن کو ہجرت کر جانی چاہیے۔اور اگر ربوہ چھوڑنے کے بعد باہر کی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ترقی اور عزت نہیں ملتی تب بھی وہ مومن نہیں کہلا سکتے کیونکہ خدا کہتا ہے کہ جو شخص سچی ہجرت کرتا ہے اُسے عزت ملتی ہے اور اُس کی ترقی اور کامیابی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔اور اگر خدا تعالیٰ کے کہنے کے باوجود ان کو عزت نہیں ملتی تو پھر دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے یا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا تعالیٰ کو جھوٹا کہنا پڑے گا یا پھر ان کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔یہی ماننا پڑے گا کہ خود اُن کے اندر کوئی ایمان باقی نہیں رہا۔مثلاً اِنہی لوگوں کو دیکھ لو جو ہم سے پچھلے دنوں علیحدہ ہوئے ہیں۔وہ منہ سے تو نہیں مانتے لیکن عملاً یہی صورت ہے کہ پیغامی ان کی مدد کر رہے ہیں۔مگر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ابھی ان کی علیحدگی پر پورا سال بھی نہیں گزرا۔گزشتہ اکتوبر میں مَیں نے ان کے اخراج کا اعلان کیا تھا۔گویا صرف ایک سال ہوا ہے۔اس تھوڑے سے عرصہ پر قیاس کرتے ہوئے فرض کر لینا کہ انہیں ہمیشہ کے لیے عزت حاصل ہوگئی ہے محض خام خیالی ہے۔کم از کم تین چار سال تک وہ باہر رہیں اور خدا تعالیٰ ان کی ہر قدم پر مدد کرتا رہے تو پھر بے شک کوئی بات بھی ہے ورنہ عارضی طور پر تو شیطان بھی بھرّے[6] دے دیتا ہے۔آخر پیغامیوں نے ہی ان کو ورغلایا تھا۔اگر وہ اِس وقت ان کی کوئی مدد نہ کریں تو انہیں اپنی بدنامی کا ڈر ہے۔اس اصل مدد کا پتا اُسی وقت لگے گا جب تین چار سال گزر جائیں گے۔پھر اندازہ لگایا جا سکے گا کہ ان کی مدد عارضی تھی یا مستقل۔

مصری صاحب کو دیکھ لو! پیغامیوں نے کس زور شور سے انہیں اپنے سر چڑھایا تھا۔مگر اَب ان کی کوئی عزت ان میں باقی نہیں رہی۔وہ اِس اُمید میں اُن کے پاس گئے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کا

قائم مقام ہو کر میں اُن کا سردار بن جاؤں گا۔ مگر ہوا یہ کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنی وفات کے قریب جن لوگوں کے متعلق وصیت کی کہ انہیں میرے جنازے کو بھی ہاتھ نہ لگانے دیا جائے ان میں مصری صاحب کا بھی نام تھا۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ صبر کے ساتھ ایک مدت تک انتظار کرنا چاہیے اور پھر دیکھنا چاہیے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ جو کچھ مصری صاحب کے ساتھ ہوا وہی سلوک ان سے بھی کیا جائے گا۔ بلکہ ممکن ہے مولوی صدرالدین صاحب بھی اعلان کر دیں کہ میرے مرنے کے بعد رازی وغیرہ میری شکل دیکھنے کے لیے نہ آئیں اور اس طرح ان کو پتا لگ جائے گا کہ وہ خدائی مدد سے محروم ہیں"۔ (الفضل 22 اکتوبر 1957ء)

---

1: الاعراف: 13

2: الاعراف: 13

3: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ (الاعراف: 89)

4: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (النحل: 42)

5: النساء: 101

6: بھرّے: بھرّا: دھوکا۔ فریب (فیروز اللغات جامع فیروز سنز لاہور)

(29)

# رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے

(فرمودہ 25 اکتوبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارا اور عیسائیوں کا کوئی جوڑ نہیں۔ تمہاری طرف رسول بھیجا گیا ہے جو مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ہے۔ یعنی وہ تمہارے جیسا ہی ہے۔ اس لیے تم کبھی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ ہم اس کی نقل نہیں کر سکتے۔ وہی جذبات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ وہی خواہشات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ اُسی قسم کے ارادے اور اُسی کام کرنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے جیسی تمہارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی کے لیے قدم قدم پر مشکل ہے۔

جب اس سے کہا جائے کہ وہ مسیح علیہ السلام کی طرح کوئی نیک کام کرے تو وہ فوراً رُک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو یہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے اور میں بندہ ہوں۔ اور پھر میں ایک ایسے آدمی کی اولاد ہوں جس سے ورثہ میں مجھے گناہ ملا ہے۔ یعنی میرے عقیدہ کے مطابق آدم بھی گنہگار تھے۔ اُن کی اولاد بھی گنہگار رہے۔ پھر میں کیسے نیکی کر سکتا ہوں؟ تو دیکھو کتنا بڑا فرق ہے ایک مسلمان اور ایک عیسائی میں؟ ایک مسلمان تو ہر نیکی کے بعد خوش ہوتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ نے پیدائش سے میری فطرت میں پاکیزگی رکھی ہے اور اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ جس کی نقل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ میرے جیسا ہی ایک انسان ہے۔ پس اپنے متبوع کے لحاظ سے بھی یعنی جس کی میں نے نقل کرنی ہے میں اِس قابل ہوں کہ اس کی نقل کر سکوں۔ اور اِس لحاظ سے بھی میں قابل ہوں کہ میرے اندر ذاتی قابلیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی جانتا ہے کہ جہاں تک قابلیت کا سوال ہے میں نیکی کے ناقابل ہوں۔ اور جہاں تک نقل کا سوال ہے میرے لیے یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا کا بیٹا ہے۔ غرض وہ دونوں طرح نیکی سے محروم رہتا ہے اور مسلمان دونوں طرح نیکی سے محروم نہیں بلکہ نیکی کے قابل ہے اور اس پر قادر ہے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ۔ تمہارا کسی تکلیف میں مبتلا ہونا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت شاق گزرتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو کسی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اس کی خاطر بہت تکلیف اُٹھا رہا ہے تو وہ اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کی قدر اور عظمت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی مدد کے لیے انتہائی جوش کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارے دلوں میں پیدا ہونی چاہیے اور آپ کی مدد کو ہمیں اپنا نصب العین بنا لینا چاہیے۔ جس کا صحیح طریق یہ ہے کہ آپ کے دین کی اشاعت کی جائے اور آپ جس پیغام کو دنیا تک پہنچانا چاہتے تھے اُسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا جائے۔

اِسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ 2 یعنی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے ہیں

کہ لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں اتنا درد ہوتا ہے کہ جیسے کسی کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے دوسرے سرے تک لے جائیں۔ یا جیسے کسی بکرے کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے اتنے زور سے چلائیں کہ اُس کی گردن کا پچھلا حصہ بھی کٹ جائے۔ یہی بَخَعْ کے معنے ہوتے ہیں۔ غرض فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر تمہارا دکھ اتنا گراں گزرتا ہے کہ اس کی زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص کی زندگی محض ہماری تکلیف کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہو ہمیں کیوں نہ جوش آئے گا اور ہم اس کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ پھر وہ کوئی بُری بات بتاتا تب بھی کوئی بات تھی۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں سچائی پھیلاؤ۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ امن اور راستی کے ساتھ دنیا کے ساتھ دنیا میں رہو۔ پس اُس کی خاطر تکلیف اٹھانا تو ایسی چیز ہے جو خود ہمیں فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری خاطر اتنی تکلیف اٹھاتا ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے تو ہمیں کیوں نہ احساس ہوگا کہ ایسے محسن اور محبت کرنے والے انسان کے لیے اَور زیادہ قربانی کریں۔ یہاں تک کہ دنیا میں صداقت ہی صداقت پھیلتی چلی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اِس بات سے غافل ہیں۔ بس اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں لیکن خدا کے کام کو کوئی نہیں کرتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسی بات کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے کہ

بیکسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست

ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست 3

یعنی ہر شخص اپنے کام میں مشغول ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کا اسے کوئی فکر نہیں۔ اِس شعر میں اِسی آیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اور بتایا ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا خیر خواہ دیکھ کر کہ ہماری ذرا سی تکلیف پر بھی ان کی جان گھٹنے لگ جاتی ہے اور مرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں مسلمان اپنی ساری زندگی اُن کے دین کی اشاعت میں صَرف کر دیتے۔ لیکن بجائے اپنی ساری زندگی اِس کام میں لگانے کے وہ ایسے کاموں میں پڑ گئے ہیں جو سراسر دنیوی ہیں اور اُن کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ہم پر احسانات ہیں اُن کے مقابلہ میں بادشاہوں کے احسانات بھی بے حقیقت ہیں۔

محمود غزنوی اور ایاز کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ محمود جو کچھ آپ کھاتا تھا وہ ایاز کے لیے بھی بھجواتا تھا۔ اور جب کوئی اچھا کپڑا آتا تھا تو کہتا تھا جاؤ یہ ایاز کو دے آؤ۔ دوسرے درباریوں کو محمود کا یہ فعل بُرا لگتا تھا۔ ایک دن سب درباریوں نے مل کر کہا کہ حضور! آپ تو اُس کی اتنی خاطر کرتے ہیں لیکن وہ آپ کا خزانہ چُرا چُرا کر گھر لے جاتا ہے۔ ایاز جرنیل بھی تھا اور خزانہ کا افسر بھی تھا۔ محمود نے کہا میں ہرگز نہیں مان سکتا۔ درباریوں نے کہا حضور! آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ محمود ایک دن آدھی رات کو خزانہ میں گیا اور اس نے پہرہ داروں سے کہا کہ خبردار! اگر کسی کو میرے آنے کا پتا لگا۔ ورنہ میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ پھر خزانہ کے محافظ سے کنجی لے لی اور اُسے کہا کہ تم اِس وقت چلے جاؤ تھوڑی دیر کے بعد آنا۔ اور خود تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اندر دوسرا دروازہ تھا اُس کو کھولا۔ پھر تیسرے دروازہ کو کھولا۔ جب اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایاز موجود ہے۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ ضرور چور ہے۔ آخر آدھی رات کو یہاں اِس کا کیا کام ہے؟ پھر اُس نے دیکھا کہ ایاز اُٹھا اور اس نے خزانہ کا جو صندوق تھا اور اُس میں ہیرے اور جواہرات رکھے جاتے تھے اُس کا تالا کھولا۔ پھر اس کا دوسرا تالا کھولا، پھر تیسرا تالا کھولا۔ پھر اُس کے اندر سے ایک چھوٹا سا بکس نکالا جس میں ہیرے اور جواہرات تھے۔ اب تو محمود کو بالکل یقین ہو گیا اور دل میں کہنے لگا میں نے بڑی بیوقوفی کی کہ ایسے شخص کو اپنا درباری مقرر کیا۔ یہ ایک غلام تھا جسے میں نے غلطی سے اِتنی عزت دے دی۔ اس کے بعد ایاز نے ایک اَور بکس اندر سے نکالا اور اُس بکس کو کھولا تو اُس کے اندر سے نہایت سڑے ہوئے چیتھڑے نکلے۔ اُس وقت ایاز نے اپنا شاہی لباس اُتارا اور وہ چیتھڑے پہن لیے۔ پھر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اور نماز میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے اور رو رو کر دعا کرنے لگا کہ الٰہی! میں اِس شہر میں اِن چیتھڑوں میں داخل ہوا تھا۔ یہ محض تیرا ہی احسان ہے کہ اِن چیتھڑوں سے ترقی کر کے تُو نے مجھے جرنیل اور درباری بنا دیا۔ اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو میرا یہ اعزاز کیسے ہوتا؟ اور میں اِس کا کب مستحق تھا؟ یہ سب تیرا ہی فضل ہے۔ جب محمود نے یہ سنا تو اُس نے اُٹھ کر ایاز کو گلے لگا لیا اور کہنے لگا میری بدگمانی معاف کرنا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم ایسا اچھا کام کر رہے ہو؟ مجھے لوگوں نے تمہارے متعلق بدگمان کر دیا تھا۔ میری بدگمانی معاف کر دو۔ اب مجھے پتا لگ گیا ہے کہ تم کیسے نیک آدمی ہو۔ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور باہر جا کر باقی سب درباریوں کو جھٹلایا۔

اب دیکھو! ایاز نے محمود کی کتنی خدمت کی تھی مگر اس نے اُتنی تکلیف نہیں اٹھائی تھی جتنی ہماری خاطر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کی ایک بیوی کہتی ہیں کہ آپ رات کو امت کے لیے اتنی دعائیں کرتے تھے اور اتنی دیر نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ میں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ ! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میرے اگلے اور پچھلے سب گناہ خدا تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں تو کیا میرا حق نہیں کہ اُس کے احسان کا شکر ادا کروں۔4

ایاز کی خدمتیں لی جائیں تو وہ صرف چند نکلیں گی جو مشہور اور تاریخی ہیں۔ مثلاً جب ہندوستان سے محمود واپس جا رہا تھا تو ایک جگہ اس نے ایک پہاڑ کی طرف دیکھا۔ اس پر ایاز نے جھٹ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس طرف بھاگ گیا۔ دوسرے درباری ایاز پر حسد کرتے تھے۔ انہوں نے کہا دیکھیے ! ایسے نازک موقع پر ایاز نے غداری کی ہے اور وہ محمود کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حالانکہ یہ درّہ خطرناک تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ وہ یہاں رہتا۔ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ ایاز غدار ہے۔ اب دیکھ لیجیے! ایسے نازک موقع پر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ محمود نے اِس بات کو سنا تو کہنے لگا تمہیں پتا نہیں۔ میں ایاز کو جانتا ہوں۔ ایاز کوئی بات بلا وجہ نہیں کیا کرتا۔ واپس آنے پر جب میں اُس سے پوچھوں گا تو پتا لگ جائے گا کہ اُس کے اُس طرف جانے کی کیا وجہ تھی۔ چنانچہ جب ایاز واپس آیا تو بادشاہ نے پوچھا تم کیوں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ یہ تو خطرہ کا وقت تھا؟ کہنے لگا حضور! میں نے یہ سمجھا تھا کہ محمود کوئی بات بلا وجہ نہیں کرسکتا۔ یہ بڑا عقلمند آدمی ہے۔ اُس نے پہاڑ کی طرف دیکھا ہے تو ضرور وہاں کچھ ہو گا۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں میں نے دیکھا کہ کچھ ہندو جرنیل اپنی سواریاں لے کر حملہ کرنے کے لیے بیٹھے ہیں تاکہ جونہی بادشاہ پہاڑی کے پاس پہنچے وہ اوپر سے پتھر دھکیل دیں۔ بادشاہ نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ شخص مجھ سے اتنی محبت رکھتا ہے کہ میری ہر حرکت کا خیال رکھتا ہے۔ اس نے محض میرے دیکھنے سے معلوم کر لیا کہ ضرور وہاں کچھ ہو گا۔ لیکن تم کو پتا نہیں لگا۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہ میرے ساتھ بہت محبت کرتا ہے اور تمہاری میرے ساتھ اتنی محبت نہیں۔

تو تاریخوں میں ایاز کے اس قسم کے صرف چند واقعات آتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دیکھیں تو وہ اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جس کی مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ مدینہ میں رات کو شور کی آواز سنائی دی۔ اُن دنوں مشہور تھا کہ قیصر اپنی فوجوں سمیت مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ قیصر کی بادشاہت اُن دنوں ایسی ہی تھی جیسے آجکل روس اور امریکہ کی ہے۔ صحابہ دوڑ کے مسجد میں جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پتا لگا کہ کوئی سوار اس طرف سے آ رہا ہے جدھر سے شور کی آواز آئی تھی صحابہ باہر گئے تو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے ہیں5۔ آپ ایک مخلص آدمی کا گھوڑا لے گئے تھے۔ جب آپ واپس آئے تو فرمایا تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ صحابہ کہنے لگے یَارَسُولَ اللّٰہ! ہم نے کھڑکے کی آواز سنی تھی۔ اِس پر کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں چلے گئے اور کچھ مسجد میں جمع ہو گئے تا کہ اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ مسجد میں جمع ہوئے ہیں انہوں نے درست کیا۔ ہمیشہ یہی طریق ہونا چاہیے کہ اگر کبھی خطرہ کا وقت ہو تو مسجد میں جمع ہو جایا کرو اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کیا کرو۔

اب دیکھو! کہ سارے مسلمان مسجد میں اکٹھے ہو کر انتظار کر رہے تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رات کو گئے اور واپس آئے تو فرمایا میں خبر لینے گیا تھا کہ کہیں قیصر کا لشکر تو نہیں آ رہا۔ غرض آدھی رات کے وقت بیس ہزار آدمی کے مقابلہ کے لیے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ محض اِس لیے کہ اُن کی امت پر کوئی اچانک حملہ نہ کر دے۔ بھلا اِس کے مقابلہ میں ایاز کی جو قربانی تھی وہ ہے ہی کیا چیز! اِسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر لوگوں نے کہا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! یہودیوں نے کافروں سے معاہدہ کر کے ارادہ کر لیا ہے کہ مسلمان عورتوں پر حملہ کریں۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں کو فوراً فلاں جگہ پر جمع کر دو۔ اُس وقت آپ کا لشکر کُل بارہ سَو کا تھا۔ مگر آپ نے فرمایا سات سَو آدمی میرے پاس رہنے دو اور پانچ سَو آدمی عورتوں کی حفاظت کے لیے لے جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے ساتھ فتح دے دی۔ مگر اُس وقت جو آپؐ نے مسلمانوں کے لیے قربانی کی وہ بہت بڑی تھی کہ پانچ سَو کا لشکر عورتوں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور صرف سات سَو کا لشکر اپنے پاس رہنے دیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! یہ لشکر تو بہت تھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مسلمان دلیر ہوتے ہیں۔

اِس لیے وہ تھوڑے بھی زیادہ ہیں۔تم عورتوں کی حفاظت کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے آپ کی اس محبت کو محسوس کیا اور غزوہ احزاب میں اِس دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔6

میور جو بڑا بھاری عیسائی مصنف ہے اور کسی زمانہ میں یو۔پی کا گورنر بھی رہ چکا ہے۔اُس نے اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے۔اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ جنگ احزاب میں کُفّار کا لشکر تو چودہ ہزار تھا اور مسلمانوں کا لشکر صرف بارہ سَو تھا۔ پھر بات کیا ہوئی کہ کافر ہار گئے اور مسلمان جیت گئے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس پر غور کیا تو یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔اس نے لکھا ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر کُفّار کے بڑے سے بڑے سردار لوگوں کو جوش دلانے کے لیے کہتے تھے کہ جو لوگ خندق پار کر کے حملہ کریں گے ہم انہیں اپنی بیٹی دے دیں گے اپنا گھوڑا دے دیں گے، اپنی تلواریں دے دیں گے۔ چنانچہ کئی دفعہ دشمن کے سردار خندق کو پار کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے مگر اُن سے غلطی یہ ہوئی کہ جب خندق میں رستہ بن جاتا اور کافر سردار کُود کر دوسری طرف چلے جاتے تو وہ سیدھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف چلے جاتے۔اگر وہ یہ غلطی نہ کرتے تو ضرور جیت جاتے۔ کیونکہ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتے تھے تو مسلمان پاگلوں کی طرح خیمہ کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے اور ایسی دلیری سے لڑتے تھے کہ بعض دفعہ کُفّار ڈر کے مارے خندق میں کُود گئے اور اُن کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ وہ گئے تو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تھے لیکن جب خندق کے پاس لَوٹ کر آئے تو اتنے گھبرائے کہ انہوں نے خندق میں چھلانگیں ماردیں اور وہ مارے گئے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ کا عشق ہی تھا جس کی وجہ سے کُفّار کو شکست ہوئی۔اگر ان کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نہ ہوتا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکتے۔

اب دیکھو! صحابہؓ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو سمجھ لیا۔مگر افسوس ہے کہ باوجود اِس کے کہ اب ظاہری لڑائیاں نہیں ہیں صرف روحانی لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں پھر بھی ہم کمزوری دکھاتے ہیں اور ہمارے بھائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت سے جن میں ان کے اپنے بچوں کی زندگی ہے، ان کی بیویوں کی زندگی ہے، ان کے پوتوں پڑپوتوں کی زندگی ہے بلکہ ان کی اپنی زندگی ہے غفلت کر جاتے ہیں۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ نے یہ قربانی کی

کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں تک لڑا دیں اور کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاری چیز اَور کوئی نہیں۔ ہم دشمن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک نہیں جانے دیں گے۔ تو دیکھو! یہ قربانی ہے جو صحابہؓ نے کی۔ مگر اِس کے مقابلہ میں اب روحانی تبلیغ کا کام ہے۔ اِس میں نہ اپنی جان جاتی ہے نہ بیوی کی جان جاتی ہے اور نہ بیٹوں کی جان جاتی ہے پھر بھی ہم سُستی کر جاتے ہیں۔ اِس غفلت کی ہم کو اصلاح کرنی چاہیے اور ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہم صحابہؓ کا نمونہ بن جائیں اور ان کی نقل میں خدا تعالیٰ ہمیں اس ثواب میں شریک کر لے جو اُس نے صحابہؓ کو دیا ہے"۔ (الفضل 12 نومبر 1957ء)

---

1: التوبة:128

2: الشعراء:4

3: درثمین فارسی صفحہ147 ضیاء الاسلام ربوہ

4: صحیح بخاری کتاب التہجد باب قیام النبیؐ الّیل

5: بخاری کتاب الجهاد باب اذا فَزِعُوْا بِالَّیْلِ

6: السیرة الحلبیة جلد2 صفحہ 349، 350 مطبوعہ مصر 1935ء

# 30

# رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو دَور

# اللہ تعالیٰ نے کمزوری اور بے بسی کے دَور میں بھی آپ کی مدد کی اور طاقت کے زمانہ میں بھی اپنی تائید و نصرت سے نوازا

## اگر ہم صحیح معنوں میں آپؐ کی اتباع کریں تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا

(فرمودہ یکم نومبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ـ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ـ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ـ 1

اس کے بعد فرمایا:

''یہ قرآن کریم کی ایک مختصر سی سورۃ ہے اور بظاہر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے لیکن چونکہ آپ کے اتباع بھی قرآن کریم کے احکام کے مطابق آپ کے ماتحت ہیں اِس لیے اِس سے آپ کے تمام اتباع اور آپ سے محبت رکھنے والے چاہے وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

اِس سورۃ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زمانے آئے ہیں۔ایک تو وہ زمانہ تھا جب نصر اللہ اور فتح نہیں آئی تھی اور ایک اُس زمانہ کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے جب نصر اللہ اور فتح آئے گی۔اور وہ نصر اللہ اور فتح اِس طرح آئے گی کہ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا تُو دیکھے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔گویا یہ چیز علامت ہوگی نصر اللہ اور فتح کی۔جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے تو تجھے نظر آ جائے گا کہ نصر اللہ اور فتح آ گئی ہے۔

دوسری بات اِس سورۃ میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایسے وقت میں تجھے خدا تعالیٰ کی بہت تسبیح کرنی چاہیے اور استغفار سے کام لینا چاہیے۔اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور اُس کی مدد طلب کرنی چاہیے کیونکہ تیرا خدا بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔دنیا میں اگر ہم کسی سے یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا مالدار ہے تو اس میں یہ اشارہ مخفی ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد مانگو۔یا اگر کہا جائے کہ فلاں شخص شہر کا بڑا رئیس ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اگر شہر میں فساد ہو جائے تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے مدد طلب کرو۔اِسی طرح اللہ تعالیٰ کو تـوّاب کہہ کر اِس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہارا خدا اپنے بندوں کی طرف بار بار فضل کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔اس لیے جب بھی تمہیں مشکلات پیش آئیں تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ تم خدا تعالیٰ کی طرف جھکو اور اُس سے مدد چاہو۔وہ اپنے فضل سے تمہاری ہر قسم کی خرابیوں اور نقائص کی اصلاح کے سامان پیدا فرما دے گا۔

غرض اِن آیات میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تجھ پر پہلے وہ زمانہ گزرا ہے کہ جب فتح اور نُصرت تیرے پاس نہیں آئی تھی۔لیکن اب میں تجھے وہ زمانہ دکھاؤں گا جس میں تجھے نُصرت اور فتح میسر آ جائے گی اور تُو دیکھے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔گویا نُصرت اور فتح کا ظاہری نمونہ اشاعتِ مذہب ہوگا۔اور استغفار اور حمد کی قبولیت کا ظاہری نمونہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوگا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت اور کمزوری کی حالت تو ان واقعات سے ظاہر ہے جو آپ کے دعویٰ نبوت کے ابتدائی سالوں میں آپ سے پیش آئے۔ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ کے قریب صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوتے تھے اور کسی فکر میں تھے۔شاید آپ اِس فکر میں ہوں کہ خدا تعالیٰ نے میرے سپرد اتنا بڑا کام کیا ہے اسے میں کس طرح انجام دوں گا۔آپ نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا کہ اتنے میں آپ کے پاس سے ابوجہل گزرا اور اُس نے آپ

کو گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور پھر اُس نے یہیں تک بس نہ کی بلکہ اس بدبخت نے اپنے پاؤں سے آپ کے کندھے پر ٹھوکر ماری اور اس طرح آپ کو جسمانی رنگ میں بھی سخت اذیت پہنچائی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اُٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی ایک پرانی بڑھیا لونڈی تھی جس نے گھر کے کئی بچوں کو پالا تھا جو اَب بڑی عمر کے ہو چکے تھے۔ وہ لونڈی دروازہ میں کھڑی یہ سب نظارہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ اُس وقت شکار کو گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو وہ لونڈی بڑے غصہ سے کہنے لگی کہ تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو اور ہر وقت اسلحہ سے مسلّح رہتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی کہ ابھی میں نے دیکھا کہ تیرا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سامنے پتھر پر بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ابوجہل آیا اور اُس نے اُسے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اور اپنے پاؤں سے اُسے ٹھوکر ماری اور خدا کی قسم! جب اُس نے اُسے گالیاں دیں اور ٹھوکر ماری اُس وقت میں سامنے کھڑی تھی۔ اُس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا اور خاموشی سے اُس کی گالیاں سنتا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ حضرت حمزہؓ کو یہ سن کر غیرت آئی۔ وہ وہیں سے اُلٹے پاؤں لوٹے اور خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں اتفاقاً رؤسائے مکہ کے سامنے بیٹھا ابوجہل بڑا فخر کر رہا تھا کہ میں نے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیں اور وہ بالکل ڈر گیا اور آگے سے بول بھی نہیں سکا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی کمان زور سے اُس کے سر پر مار کر کہا کمبخت! اگر تجھے بہادری کا دعویٰ ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ۔ ورنہ شرم کر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو تجھے کچھ نہیں کہا مگر پھر بھی تُو نے اُسے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ میں نے اب سارے مکہ والوں کے سامنے تجھے مارا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ مکہ کے رؤساء جوش میں اٹھے اور انہوں نے مقابلہ کرنا چاہا مگر ابوجہل ایسا گھبرایا کہ وہ کہنے لگا۔ تم حمزہؓ سے کچھ نہ کہو۔ مجھ سے ہی آج زیادتی ہوگئی ہے اور قصور میرا ہی ہے۔2

اب دیکھ لو! ایک زمانہ وہ تھا کہ ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدا اُسے یہ کہتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جا اور دنیا میں میرا نام پھیلا۔ لیکن اُس کا حال یہ ہے کہ ایک شخص خود اُس کے گھر کے سامنے اُسے گالیاں دیتا ہے اور وہ اِتنا بھی نہیں کر سکتا کہ اسے کوئی جواب دے۔ مگر حکم یہ ہے کہ ساری دنیا میں جا کر خدا تعالیٰ کا نام پھیلا۔ دیکھو! عُہدہ کتنا بڑا دیا گیا ہے اور آپ کی حیثیت کتنی کمزور اور قابلِ رحم تھی۔ تو اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ

پر وہ زمانہ بھی گزرا ہے جب تُو بالکل فقیر، غریب اور یتیم تھا اور دنیا کی مدد کا محتاج تھا لیکن اب تجھ پر وہ زمانہ آنے والا ہے۔ جب ہزاروں ہزار لوگ تیری بیعت کریں گے اور تیرے قدموں پر اپنی جانیں قربان کریں گے۔ تُو اُس زمانہ کو بھی دیکھ اور اِس زمانہ کو بھی دیکھ جب تیری پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ تجھے بتایا گیا تھا کہ ایک دن تیری تبلیغ کے رستے کھل جائیں گے۔ چنانچہ اب وہ رستے کھل گئے ہیں۔ اب تُو سمجھ لے کہ تیرا خدا کتنا زبردست ہے۔ جب تُو کچھ بھی نہیں تھا اُس وقت بھی اُس نے تیری مدد کی اور اب جو تُو طاقتور ہو گیا ہے اور ساری دنیا میں تیری تبلیغ کے رستے کھل گئے ہیں تب بھی وہ خدا تیری مدد کو آئے گا اور تیری تائید کرے گا۔

دوسرا واقعہ آپ کی کمزوری کا تاریخوں میں یہ آتا ہے کہ ہجرت کے قریب آپ اپنے ایک غلام کو ساتھ لے کر خدائے واحد کا نام پھیلانے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ مکہ کا قانون یہ تھا کہ جب تک کوئی شخص مکہ میں رہے اُس وقت تک وہ مکہ کی پناہ میں ہوتا تھا لیکن اگر وہ وہاں سے چلا جائے تو وہ دوبارہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ مکہ کا شہری نہیں رہا اور پھر جب تک مکہ کا کوئی بڑا رئیس اسے پناہ نہ دے۔ وہ شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ کے غلام نے آپ سے کہا کہ آپ ایک دفعہ مکہ سے باہر چلے گئے تھے اور مکہ کے قانون کے مطابق اب آپ اِس شہر کے نہیں رہے۔ اس لیے آپ مکہ میں اُس وقت داخل ہو سکتے ہیں جب وہاں کا کوئی رئیس آپ کو پناہ دے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ میں مکہ والوں میں سے مطعم بن عدی کو جانتا ہوں کہ وہ شریف الطبع انسان ہے۔ تم اُس کے پاس جاؤ اور اُس سے جا کر کہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے دروازہ پر کھڑا ہے اور وہ کہتا ہے کہ تم مجھے پناہ دو۔ میں خانہ کعبہ میں خدا تعالیٰ کی پرستش کرنا چاہتا ہوں اور اِس غرض سے آیا ہوں کہ تم مجھے پناہ دینے کے لیے تیار ہو۔ وہ مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اُسے آپ کا پیغام دیا۔ مطعم بن عدی نے اُسی وقت اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا اپنی تلواریں سونت لو۔ شہر کے دروازہ پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑا ہے اور وہ شہر میں آنا چاہتا ہے۔ اور اُس کے شہر میں آنے کی غرض محض خدا تعالیٰ کی عبادت ہے اور یہ ایسا مقدس کام ہے کہ اس کے لیے اگر ہم اپنی جانیں بھی لڑا دیں تو کم ہے۔ چنانچہ اُس کے بیٹے اُس کے ساتھ چل پڑے اور وہ دروازہ پر آیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے تھے۔ مطعم بن عدی نے کہا آیئے اور ہمارے آگے آگے چلیے۔ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اور اگر کسی نے آپ کو ذرا بھی چھیڑا تو ہم اُس کی گردن اڑا دیں گے۔ چنانچہ وہ آپ کو اپنے بیٹوں کی حفاظت میں آپ کے گھر چھوڑ آیا۔3

غرض یہ بھی ایک تنگی کا وقت تھا کہ آپ مکہ کے قانون کے مطابق شہر بدر کر دیئے گئے تھے اور آپ سوائے اس کے کہ کوئی کافر رئیس آپ کو پناہ دے مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

پھر تیسرا واقعہ آپ کے ضعف کا وہ آتا ہے جب کہ ہجرت کا وقت آیا اور کُفّار نے مشورہ کیا کہ آپ رات کو گھر میں لیٹے ہوئے ہوں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ اُس وقت بھی آپ میں کوئی طاقت نہیں تھی۔ اگر دشمن چاہتے تو آپ کو بڑی آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ہی نشان تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دلیری سے گھر سے باہر نکلے۔ آپ نے دیکھا کہ کافر چاروں طرف کھڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرّف کیا کہ آپ ان کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ اُن کی خود اپنی روایت ہے کہ ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر ہی نہیں آیا۔ اگر وہ ہمیں نظر آتا تو ہم اُسے مار نہ ڈالتے؟ آپ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور اُن کو ساتھ لے کر غارِ ثور کی طرف چلے گئے۔ پھر تاریخوں میں آتا ہے کہ کُفّار نے آپ کا پیچھا کیا اور وہ غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر گھبرائے تو آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا4۔ ابوبکر! ڈرو نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ مکہ والوں نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ یا مُردہ واپس لائے ہم اُسے سَو اونٹ انعام دیں گے۔ اِس لالچ میں ہر طرف آپ کی تلاش شروع ہوگئی اور جب آپ مدینہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ایک شخص سُراقہ نامی انعام کے لالچ میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا۔ اور جب اُس نے آپ کو دیکھ لیا تو آپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اب دیکھو! یہ کتنی بے دست و پائی کی بات ہے کہ ایک کافر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے والا کوئی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو اس موقع پر بھی بچا لیا۔ چنانچہ جب وہ حملہ کی نیت سے آپ کے پاس پہنچا تو اُس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اُس نے بہت کوشش کی مگر اُس کے پاؤں نہ نکلے۔ اِس بات کا اُس کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے سمجھ لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سچے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ

کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو پکڑنے کی نیت سے آیا تھا مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ آپ واقع میں خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ آپ کو ایک دن سارے عرب پر قبضہ بخشے گا۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیں کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو بادشاہ بنائے گا تو مجھے امن دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے فرمایا کہ اسے میری طرف سے یہ تحریر دے دو۔5 وہ بعد میں ہمیشہ یہ تحریر لوگوں کو دکھاتا تھا اور بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی معافی حاصل کی ہوئی ہے۔ گویا اُس شخص نے محسوس کر لیا کہ جس شخص کی حفاظت اس صورت میں ہوئی ہے کہ جب میں حملہ کرنے لگا تو میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضعف اور کمزوری کے ایسے زمانے گزرے ہیں جن کی مثال دنیا میں اَور کہیں نہیں مل سکتی۔

ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کُفّار نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپ کی گردن پر رکھ دی اور اس کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ آپ اس کی وجہ سے سجدہ سے سر نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو کسی نے حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دے دی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور بڑا زور لگا کر انہوں نے اُس اوجھڑی کو آپ کی گردن سے اُتارا۔6

پھر ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوگئی۔ وہ وہاں آئے اور انہوں نے آپ کو چھڑایا اور کہا اے ظالمو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اس شخص پر محض اس لیے ظلم کر رہے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا خدا ایک ہے۔ آخر اس نے کوئی چوری کی ہو، ڈاکا مارا ہو یا قتل کیا ہو تو کوئی بات بھی تھی لیکن خانہ کعبہ میں جو امن کی جگہ ہے تم نے اس شخص پر ظلم کیا ہے اور تم اس کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچ رہے ہو۔7

اب تم سمجھ سکتے ہو کہ خانہ کعبہ میں جو کُفّار کے نزدیک بھی امن کی جگہ تھی ایک شخص کے سر پر جبکہ وہ عبادت کر رہا ہو، اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دینا اور اس کے گلے میں پٹکا ڈالنا اُسی وقت ہوسکتا ہے جب یہ سمجھا جائے کہ یہ شخص بالکل بے حیثیت ہے۔ ورنہ اگر وہ کسی کا رشتہ دار نہ بھی ہوتا تب بھی مکہ کے لوگ تلواریں لے کر آجاتے اور کہتے کہ خانہ کعبہ کو امن حاصل ہے۔ تم کون ہوتے ہو کہ خانہ کعبہ میں آکر اس طرح ظلم کرتے ہو۔

پھر آپؐ کی کمزوری کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ آپؐ کی ایک بیٹی مکہ میں تھی جسے آپ نے مدینہ بلوایا۔ جب وہ مدینہ جا رہی تھیں تو ایک شریر شخص نے ان کی اونٹنی کا تنگ توڑ دیا۔ پھر وہ شخص خانہ کعبہ میں گیا اور اُس نے خوب قہقہہ لگا کر رؤساء کے سامنے کہا جا کے دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کا کیا حال ہے؟ وہ مدینہ جا رہی تھی کہ میں نے اس کے اونٹ کا تنگ کاٹ دیا اور وہ زمین پر گر گئی۔ اُس وقت ہندہ بھی وہاں موجود تھی۔ یہ وہی ہندہ تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکلوا دیا تھا اور جنگ بدر اور دوسری لڑائیوں میں کُفّار کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا کرتی تھی اور کہتی تھی جاؤ اور لڑو، ورنہ ہم عورتیں تمہارے قبضہ میں نہیں آئیں گی۔ ہم تمہارے پاس تبھی آئیں گی جب تم مسلمانوں سے لڑو گے اور انہیں قتل کرو گے۔ وہ فوراً کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی مکہ والو! تم کو شرم نہیں آتی۔ تم وہ لوگ ہو جن کے باپ دادے اپنی بہادری پر فخر کیا کرتے تھے اور اب تمہاری یہ حالت ہے کہ تم نے ایک ایسی عورت کے اونٹ کا تنگ کاٹ دیا جس کا باپ کئی سَو میل کے فاصلہ پر تھا اور اُس کو نیچے گرا دیا۔ تمہیں اِس حرکت پر شرم کرنی چاہیے۔

اب اس واقعہ کا ہونا بھی آپؐ کی کمزوری کی وجہ سے ہی تھا ورنہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے جب آپؐ کو طاقت دی تو آپ کے متبعین نے قیصروکسریٰ کی حکومتوں تک کو پاش پاش کر دیا اور قیصروکسریٰ کے مقابلہ میں مکہ والوں کی اتنی حیثیت بھی نہ تھی جتنی ایک نمبردار کے سامنے کسی چوڑھے کی ہوتی ہے۔ پس ان کا مکہ میں ایسی حرکت کرنا یعنی آپ کی بیٹی کی سواری کا تنگ کاٹ کر اسے نیچے گرا دینا بتاتا ہے کہ وہ اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی بےکس اور بےبس سمجھتے تھے۔

غرض تاریخ میں کثرت سے ایسے واقعات آتے ہیں جن سے پتا لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت ایسا آیا جو آپؐ کی نہایت درجہ کمزوری اور بےبسی پر دلالت کرتا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر وہ زمانہ آیا جب نصراللہ اور فتح آ گئی اور لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ اُس زمانہ کی تاریخ کو جب ہم پڑھتے ہیں تو پھر ہمیں اَور رنگ کے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ نصراللہ اور فتح کا زمانہ آیا تو ہمیں یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ والوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ''خزاعہ'' پر حملہ کر دیا تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان اپنے حلیف قبیلہ کی مدد کے لیے کہیں مکہ پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا تا کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو حملہ سے باز رکھے۔ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اُس وقت ابوسفیان مکہ میں نہیں

تھا۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا تُو اب مدینہ میں جا اور مسلمانوں سے کہہ کہ اُس معاہدہ کے وقت چونکہ میں مکہ میں موجود نہیں تھا اس لیے وہ معاہدہ میری تصدیق کے ساتھ اب شروع ہوگا۔ اور پھر دس سال کی میعاد بھی تھوڑی ہے اسے بھی بڑھا دیا جائے۔ وہ مدینہ پہنچا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی ملا۔ مگر کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ کی۔ آخر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے مذاقاً کہا کہ تم مسجد میں جا کر یہ اعلان کردو کہ میں چونکہ اپنی قوم کا سردار ہوں اور معاہدہ پر میرے دستخط نہیں اس لیے آج سے وہ معاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کی اتنی مدت بھی بڑھائی جاتی ہے۔ اُس نے اِس مذاق کو مان لیا اور مسجد میں سب کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ مدینہ والو! تم نے ایسے لوگوں سے معاہدہ کر لیا تھا جن کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ ذمہ داری میری ہے اور میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے چاہتا ہوں کہ معاہدہ کی مدت بھی بڑھ جائے اور میرے دستخط بھی ہو جائیں۔ سو وہ معاہدہ آج سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اب اس پر میری تصدیق ہے اور معاہدہ کی مدت بھی اتنی بڑھا دی گئی ہے۔ اس اعلان پر سب صحابہؓ اس کی حماقت کی وجہ سے ہنس پڑے اور اس کو سخت ذلّت محسوس ہوئی۔ بعد میں وہ بڑے غصہ میں حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم نے جان بوجھ کر مجھے ذلیل کروایا ہے اور تم لوگ ہمیشہ ہمارے دشمن رہے ہو۔8 اس کے بعد وہ ناکام واپس چلا آیا۔

اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کو ایک اَور زک بھی پہنچائی۔ اُس کی ایک لڑکی اُمِّ حبیبہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ ابوسفیان کو خیال آیا کہ مدینہ آیا ہوں تو اپنی لڑکی سے بھی مل لوں۔ چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گیا۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے بستر پر ایک چارپائی بچھائی ہوئی تھی۔ ابوسفیان اُس پر بیٹھنے لگا تو حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے وہ چادر جلدی سے اُس کے نیچے سے کھینچ لی۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ بیٹی! کیا بات ہے؟ کیا یہ چادر اِس قابل نہیں کہ تیرا باپ اس پر بیٹھ سکے یا میں اس قابل نہیں ہوں کہ میں اس پر بیٹھوں؟ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے کہا تم ہی اس قابل نہیں ہو کہ اس چادر پر بیٹھو۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی! تم نے یہ کیا کہا؟ کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں؟ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے باپ ہو لیکن اِس کے باوجود میں یہ پسند نہیں کرتی کہ جس چادر پر خدا کا رسول بیٹھتا ہے اُس پر تم جو خدا اور اُس کے رسول کے دشمن ہو بیٹھو۔9

اب دیکھو! جب نصر اللہ اور فتح کا زمانہ آیا تو کس طرح ابوسفیان کو خود اس کی لڑکی نے ذلیل

کیا۔ اُس کی لڑکی کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی عزت اور عظمت تھی کہ اس نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ جس چادر پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے اس پر ابوسفیان بیٹھے۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ والوں پر کامل فتح عطا فرمائی۔

ابوسفیان جب اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا بلکہ اُلٹا ذلیل ہوا تو وہ مکہ کی طرف دوڑا تا کہ مکہ والوں کو صورتِ حال سے باخبر کر دے۔ مکہ والوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا اور ابوسفیان سے کہا کہ وہ مکہ سے باہر نکل کر پتا تو لے کہ مسلمان کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ابوسفیان ایک منزل ہی باہر گیا تھا کہ اس نے سارا جنگل روشن پایا۔ یہ آگ جو تمام خیموں کے آگے جلائی گئی تھی ایک ہیبت ناک نظارہ پیش کر رہی تھی۔ حضرت عباسؓ کی ابوسفیان سے پرانی دوستی تھی۔ انہوں نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور اُسے آواز دے کر کہا سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر خیمہ ڈالے پڑا ہے۔ جلدی سے میرے پیچھے سواری پر بیٹھ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو کیونکہ حضرت عباسؓ ڈرتے تھے کہ حضرت عمرؓ پہرہ پر مقرر ہیں انہوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ کہیں اسے قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے پیچھے بیٹھ گیا اور وہ سواری کو ایڑ لگا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا پہنچے اور ابوسفیان کو دھکّا دے کر آگے کیا اور کہا کم بخت! آگے بڑھ اور بیعت کر لے۔ اُس وقت دہشت اور خوف کی وجہ سے ابوسفیان سخت مبہوت ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا عباس! ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو اور صبح میرے پاس لانا10۔ جب صبح وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ باہر نکلا تو نماز کا وقت تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ہزاروں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہاتھ باندھے صف میں کھڑے ہیں۔ جب آپؐ رکوع کرتے ہیں تو وہ سب کے سب رکوع کرتے ہیں، جب آپ سجدہ کرتے ہیں تو وہ سب کے سب آپ کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر آپ سجدے سے سر اٹھاتے ہیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سر اٹھا لیتے ہیں۔ پھر آپ سجدہ میں جاتے ہیں تو تمام لوگ آپ کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر تشہّد میں بیٹھتے ہیں تو تمام لوگ آپ کے ساتھ تشہّد میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ابوسفیان نے یہ نظارہ دیکھا تو اُس نے خیال کیا کہ یہ سب کچھ اس کے مارنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اُس نے حضرت عباسؓ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ عباس! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں میرے قتل کی تدبیر تو نہیں ہو رہی؟ حضرت عباسؓ

نے کہا کہ ابوسفیان! تیری کیا حیثیت ہے کہ دس ہزار مسلمان تیرے لیے سازش کریں۔ یہ تو نماز ہو رہی ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا عباسؓ! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے۔ لیکن میں نے اُن کی رعیت کو بھی اِس قسم کی اطاعت کرتے نہیں دیکھا جس قسم کی اطاعت یہ لوگ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کر رہے ہیں 11۔ یہ لوگ تو مکے والوں کو کھا جائیں گے۔ تم مجھے اجازت دو کہ میں واپس جا کر مکے والوں کو بتا دوں کہ کیا کچھ ہونے والا ہے تا کہ وہ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت کر لیں۔ پھر حضرت عباسؓ اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ ابوسفیان آپؐ سے کہنے لگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی طرح مکہ والے بچ جائیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ بچ جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا خانہ کعبہ تو بہت چھوٹی جگہ ہے وہاں مکے والے تو نہیں آ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو لوگ تیرے گھر میں داخل ہو جائیں گے وہ بھی بچائے جائیں گے۔ ابوسفیان نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! میرا گھر بھی تو چھوٹا سا ہے وہاں بھی ہر شخص پناہ نہیں لے سکے گا۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اُسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا 12۔ ابوسفیان نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! اگر مکہ والوں کو وقت پر یہ خبر نہ مل سکی تو وہ اپنے اپنے گھروں میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ اِس کے علاوہ بھی کوئی رعایت ہونی چاہیے۔ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور اُس کا ایک جھنڈا بنوایا اور فرمایا یہ بلالؓ کا جھنڈا ہے۔ آپؐ نے وہ جھنڈا حضرت بلالؓ کے ایک انصاری بھائی کو دیا اور فرمایا جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آ جائے گا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔ 13

آپ کے اِس حکم میں بھی ایک لطیف حکمت تھی۔ مکہ والے حضرت بلالؓ کے پاؤں میں رسّی ڈال کر انہیں گلیوں میں گھسیٹا کرتے تھے۔ وہ سخت تیز گرمی میں گرم ریت پر لِٹا کر جُوتوں سمیت اُن کے سینہ پر ناچتے اور گرم پتھروں پر انہیں گھسیٹتے ہوئے کہتے تھے کہ کہو ایک خدا نہیں بلکہ بُت بھی خدا ہیں۔ اِس پر وہ کہتے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَسْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ 14 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہوگا۔ اگر میں نے انہیں معاف کر دیا تو وہ کہے گا کہ ماریں تو میں کھاتا رہا لیکن جب میرے انتقام کا وقت آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے والوں کو معاف کر دیا۔ اِس خیال کے آنے پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے نام کا ایک جھنڈا بنا کر کہا کہ آج جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔ اِس طرح مکہ والے اکثر محفوظ رہے۔ صرف اس طرف کچھ لوگ مارے گئے جس طرف سے حضرت خالد نے حملہ کیا تھا۔ اور اِس کی وجہ یہ تھی کہ اُن لوگوں کو صحیح اطلاع نہیں پہنچ سکی تھی اور انہوں نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ تم لوگوں نے ہی اپنے آدمیوں کو خبر نہیں پہنچائی تھی۔ ورنہ وہ مقابلہ کر کے موت کے منہ میں نہ جاتے"۔15 (الفضل 22 نومبر 1957ء)

1: النصر: 2تا4

2: سیرت ابن ھشام جلد1 صفحہ 311، 312 مطبوعہ مصر 1936ء

3: طبقات ابن سعد جلد1 صفحہ 212 مطبوعہ بیروت 1985ء

4: کنز العمال جلد16 صفحہ 661 تا 664 مطبوعہ دمشق 2012ء

5: سیرت ابن ھشام جلد1 صفحہ 546، 547 مطبوعہ دمشق 2005ء

6: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئًا من الاذٰی

7: بخاری کتاب فضائل اَصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذًا خلیلًا

8: سیرت ابن ھشام جلد2 صفحہ 1188 تا 1190

9: سیرت ابن ھشام جلد2 صفحہ 1189 مطبوعہ دمشق 2005ء

10: سیرت ابن ھشام جلد2 صفحہ 1196 مطبوعہ دمشق 2005ء

11: السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ92 مطبوعہ مصر 1935ء

12: سیرت ابن ھشام جلد2 صفحہ 1197 مطبوعہ دمشق 2005ء

13: السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ93 مطبوعہ مصر 1935ء

14: سیرت ابن ھشام جلد1 صفحہ 366 مطبوعہ دمشق 2005ء

15: السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ97 مطبوعہ مصر 1935ء

31

# مساجد تعمیر کرنا اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور اس کے فضلوں کو حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے

(فرمودہ 8 نومبر 1957ء بمقام دارالذکر لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ کے چچا حضرت عباسؓ مکہ میں ہی رہ گئے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب ہجرت کے متعلق مشورہ ہوا تو حضرت عباسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اِس مشورہ میں شامل تھے۔ یوں تو وہ آپ کو مانتے تھے لیکن دوسروں سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے۔ حج کے موقع پر حاجیوں کو پانی پلانے کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ ایک دفعہ کسی بات پر حضرت علیؓ کا حضرت عباسؓ سے جھگڑا ہو گیا تو انہوں نے کہا ہم تو خدا تعالیٰ کے رسول اور اس کے دین کی خدمت کرتے رہے ہیں اور اِس سلسلہ میں ہم نے اپنی جانوں کی بھی پروا نہیں کی۔ چنانچہ ہم نے اسلام کی خاطر لڑائیاں لڑیں اور بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ ہمارے سامنے آپ لوگوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ آپ تو اُس وقت مکہ میں بیٹھے تھے۔ اِس پر حضرت عباسؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ میں ہجرت کے وقت مکہ میں رہ گیا اور آپ لوگ خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر جہاد کرتے رہے

لیکن ہم وہاں حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے اور ہماری یہ خدمت بھی کچھ کم خدمت نہیں۔ اِس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ بے شک حاجیوں کو پانی پلانا بھی ایک نیکی ہے مگر خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا زیادہ افضل ہے اور یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوسکتے 1۔ اِسی ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ مساجد کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ان کی تعلیم پر عمل کرے۔ 2 مگر ظاہر ہے کہ مسجد تبھی آباد ہوسکتی ہے جب وہ بنی ہوئی بھی ہو۔ جب کوئی مسجد بنی ہی نہ ہو تو وہ آباد کیسے ہوگی۔

اِس بارہ میں تم اپنی مثال دیکھ لو پہلے لاہور میں ہماری صرف گمٹی والی مسجد ہوا کرتی تھی جو خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے غیر احمدیوں سے معاہدہ کرکے چھوڑ دی۔ اس کے بعد بڑی دیر تک یہاں کوئی مسجد نہ بنی۔ جب خلافت کا جھگڑا شروع ہوا تو میں نے قریشی محمد حسین صاحب مفرّح عنبری والوں سے کہا کہ یہاں مسجد بنانے کی کوشش کریں۔ وہ بڑی ہمت والے آدمی تھے۔ انہوں نے سترہ مرلہ زمین کے ایک ٹکڑا پر قبضہ کرلیا اور فوری طور پر مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ اور بعد میں اس پر چالیس پینتالیس ہزار روپیہ خرچ کرکے ایک عمارت کھڑی کردی۔ یہ وہی مسجد ہے جو بیرون دہلی دروازہ میں ہے۔ پھر اس نے بھرنا شروع کیا اور ایک وقت ایسا آیا جب اس میں ہزار ہزار، ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار نمازی آجاتے تھے۔ جب خلافت کا جھگڑا شروع ہوا تو لاہور میں صرف چند احمدی تھے جن کا خلافت ثانیہ سے تعلق تھا۔ ایک شمس الدین صاحب تھے اور ایک ان کے بھائی تھے اور یا پھر میاں فیملی کے افراد تھے جو میاں چراغ الدین صاحب کے تعلق کی وجہ سے خلافت کے ساتھ رہے۔ میاں چراغ الدین صاحب کے ایک لڑکے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ بھی پیغامیوں میں شامل ہوگئے تھے۔ ان کے متعلق میں نے ایک دفعہ دعا کی تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ وہ قادیان آئے ہیں اور میں نے انہیں ایک چارپائی پر لٹایا ہے اور کپڑا اُٹھا کر میں نے اُن کے پیٹ پر چُھری پھیر دی ہے۔ پھر خواب میں ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے توبہ کرلی ہے۔ میں نے یہ رؤیا میاں چراغ الدین صاحب کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اِس رؤیا کے چند دن بعد ہی حکیم محمد حسین صاحب نے بیعت کرلی۔ اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے میاں چراغ الدین صاحب کی ساری اولاد خلافت سے وابستہ ہے لیکن شروع شروع میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ پیغامیوں میں شامل ہوگئے تھے اور کچھ

عرصہ تک اخبار پیغامِ صلح کے ایڈیٹر بھی رہے۔ بہرحال پہلی مسجد احمدیہ جو بیرون دہلی دروازہ میں قریشی محمد حسین صاحب مفرح عنبری والوں کی برکت سے بنی سترہ مرلہ زمین میں تھی۔

اس کے بعد ہم ہجرت کر کے یہاں آئے تو ایک عرصہ تک رتن باغ میں نماز جمعہ پڑھتے رہے۔ پھر میں نے جماعت احمدیہ لاہور کو بڑے زور سے تحریک کی کہ لاہور میں ایک اَور مسجد بنانے کی کوشش کرو جو بہت بڑی ہو۔ لیکن کافی عرصہ تک اس پر کوئی عمل نہ ہوا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ لاہور کو توفیق دی اور انہوں نے زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیا۔ اس کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ ساڑھے چھ کنال ہے۔ اب دیکھو! کُجا سترہ مرلہ زمین اور کُجا ساڑھے چھ کنال۔ گویا ہماری موجودہ مسجد پہلی مسجد سے قریباً آٹھ گُنا بڑی ہوگی۔ وہ صرف سترہ مرلہ میں تھی اور یہ ایک سَو تیس مرلہ میں ہو گی۔ اور اگر گمٹی والی مسجد سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو یہ اُس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ گمٹی والی مسجد میں تو سات آٹھ نمازی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے تھے۔

مولوی غلام حسین صاحب مرحوم اس مسجد کے امام تھے۔ وہ احمدی ہو گئے تو انہوں نے اپنی مسجد جماعت کو وقف کر دی جو بعد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے غیر احمدیوں سے معاہدہ کر کے چھوڑ دی۔ مولوی غلام حسین صاحب مرحوم بہت ہی نیک انسان تھے۔ لیکن غریب بہت تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ کسی سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں ان کی مسجد میں گیا تو میں نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ مگر یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ پھر انہوں نے اخلاص میں بہت ترقی کی۔ 1905ء یا 1906ء میں مجھے بخار ہوا تو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اسے فوراً کسی پہاڑ پر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ میں اپنے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب کے ساتھ شملہ چلا گیا۔ مولوی غلام حسین صاحب مرحوم بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک نوجوان مجھ سے پڑھتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں شملہ جا رہا ہوں۔ اس لیے میں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتا۔ میں نے کہا میں بھی شملہ چل پڑتا ہوں وہاں تمہیں پڑھایا کروں گا۔ اور روپیہ کی فکر نہ کرو۔ میں اپنا کرایہ اپنی جیب سے ادا کروں گا۔ غرض وہ بہت ہی نیک انسان تھے اور پڑھانے کا انہیں بے حد شوق تھا۔ گمٹی والی مسجد کے وہی امام تھے اور بڑا اخلاص رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوسری مسجد دے دی جو پہلی مسجد سے بہت بڑی تھی اور اب ایک

اَور مسجد بنانے کی توفیق دے دی ہے جو دوسری مسجد سے بھی بڑی ہے۔

بہر حال جوں جوں مسجدیں بنتی گئیں اللہ تعالیٰ جماعت کو بھی برکت دیتا گیا۔ آج مجھے بتایا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں تین ساڑھے تین ہزار مرد اور عورت شامل ہوئے ہیں۔ حالانکہ پہلی مسجد میں ہزار ڈیڑھ ہزار آدمی جمعہ کے لیے آتا تھا اور جیسے جامن کو ڈبّہ میں ڈال کر اور نمک ملا کر ہلایا جاتا ہے اُسی طرح اس مسجد میں نمازیوں کا حال ہوتا تھا۔ پھر دواڑھائی سَو سائیکل ہوتا تھا اور کاریں اور بسیں بھی آتی تھیں۔ تو دیکھو! یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے تم اُس کو یاد کرو اور اُس کے شکریہ کے طور پر خدا تعالیٰ کے گھر کو تعمیر کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانی کرو۔

اب مجھے لاہور آنے کا موقع ملا تو میں نے شیخ بشیر احمد صاحب اور چودھری اسداللہ خان صاحب کو تحریک کی کہ بائیس کنال زمین اَور ملتی ہے وہ بھی خرید لی جائے اور اس کے ساتھ چھ کنال کا ایک اَور ٹکڑا ہے وہ بھی خرید لیا جائے۔ یہ ساری مل کر کوئی 35 کنال زمین ہو جائے گی جو قریباً ساڑھے چار ایکڑ بن جاتی ہے۔ اگر ساری زمین میں مسجد بن جائے تو لاہور میں اَور کوئی مسجد اس جتنی بڑی نہیں ہوگی۔

درحقیقت ہماری مثال ویسی ہی ہے جیسے مشہور ہے کہ کسی چڑی مار، نے جال بچھایا ہوا تھا اور کوئی شخص پاس سے شور مچاتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے جانور جال میں پھنستے نہیں تھے۔ چڑی مار نے اسے پکڑ لیا اور خوب مارا اور کہنے لگا کہ تم شور ڈالنے کی بجائے یہ کہو کہ آتے جاؤ اور پھنستے جاؤ۔ چنانچہ اُس نے یہ فقرہ کہنا شروع کر دیا اور آگے چل پڑا۔ رستہ میں اسے کچھ چور ملے۔ انہوں نے جب اسے یہ فقرہ کہتے سنا تو انہیں بڑا غصہ آیا اور انہوں نے اسے خوب مارا اور کہا تُو ہمیں یہ فقرہ کہہ کر پھنسانا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا پھر اَور کیا کہوں؟ انہوں نے کہا تم یہ کہو کہ لاتے جاؤ اور رکھتے جاؤ۔ چنانچہ اس نے یہی فقرہ کہنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور جا کے اُسے ایک جنازہ ملا۔ اُس نے اونچی آواز سے یہ فقرہ کہہ دیا۔ اِس پر جنازہ والوں نے اُسے پکڑ لیا اور مارا۔ اُس نے پوچھا کہ میں اَور کیا کہوں؟ انہوں نے کہا تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔ وہ وہاں سے گزرا تو آگے سے ایک برات آ رہی تھی۔ وہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے کہنے لگا اللہ تعالیٰ یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔ اس پر انہوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ غرض جس طرح اسے اپنے الفاظ بدلنے پڑے اِسی طرح ہمیں بھی ہر تبدیلی پر ایک نیا قدم اٹھانا چاہیے۔

پس جماعت کوشش کرے کہ چندہ کر کے اس ساری زمین کو مسجد میں شامل کر لے۔ اِس طرح یہ مسجد اتنی بڑی ہو جائے گی کہ لاہور کی اَور کوئی مسجد اِس کے برابر نہیں ہوگی۔ شاہی مسجد بھی اس سے چھوٹی ہوگی کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ نو کنال میں ہوگی۔ پھر نہ صرف یہ مسجد ہی لاہور میں سب سے بڑی ہوگی بلکہ چونکہ مسجد خدا تعالیٰ کا گھر ہوتا ہے اِس لیے تمہاری جماعت بھی لاہور میں سب سے بڑی جماعت ہو جائے گی۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی دنیا میں مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔3 اب یہ سیدھی بات ہے کہ جب پانچ چھ کنال زمین مسجد بنے گی تو جنت میں بھی تمہارے لیے ایک کوٹھی بن جائے گی۔ لیکن جب یہ مسجد بنے گی جو 35 کنال میں ہوگی تو خدا تعالیٰ تمہارے لیے جنت میں ایک عظیم الشان محل بنائے گا۔

اور تم یہ نہ سمجھو کہ تمہیں اتنی بڑی مسجد بنانے کی توفیق نہیں۔ اِتنی بڑی مسجد بنانے کی طاقت تم میں موجود ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اِس وقت جمعہ میں تین ساڑھے تین ہزار احمدی موجود ہیں۔ اگر تین ہزار بھی فرض کر لیے جائیں اور ان میں سے ہر ایک پچاس روپیہ مسجد کے لیے دے تو ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔ پھر شہریوں کی مالی حالت گاؤں والوں کی نسبت بہت اچھی ہوتی ہے اس لیے بعض دوست پچاس روپیہ سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں اور اِس طرح بہت زیادہ رقم جمع ہو سکتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ شیخ بشیر احمد صاحب ایک شخص کے پاس مسجد کے لیے چندہ لینے گئے تو اُس نے پوچھا آپ میرے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ میں کتنی رقم دے سکتا ہوں؟ انہوں نے خیال کیا کہ اگر میں نے تھوڑی رقم مانگی تو میرے دل میں خلش رہے گی کہ شاید میں اس سے زیادہ رقم مانگتا تو یہ اُتنی رقم بھی دے دیتا اور اگر میں نے زیادہ روپیہ مانگا تو یہ شخص خیال کرے گا کہ مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ آخر سوچ بچار کے بعد میں نے کہا آپ پانچ ہزار روپیہ دے دیں۔ اِس پر اُس نے بیس ہزار روپیہ کا چیک کاٹ کر دے دیا۔

پس یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بعید نہیں کہ یہاں اتنی بڑی مسجد بن جائے۔ یہ مرکزی جگہ ہے اور سارے پاکستان سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ ساری جماعت کا چندہ پچاس لاکھ کے قریب ہوتا ہے۔ اِس لیے اِس مسجد کے لیے دو تین لاکھ روپیہ دے دینا جماعت کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اوّل تو یہاں کے احمدی ہی اتنا چندہ دے دیں گے۔ لیکن اگر وہ نہ دے سکیں تو سارے پاکستان والے

جو یہاں آتے ہیں وہ کہیں گے کہ ہم بھی تو اِس شہر میں جاتے ہیں اور مسجد میں نماز پڑھتے ہیں ہم بھی چندہ دیتے ہیں۔ اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ لوگ کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ بھی مدد دے گا۔

پس کوشش کرو کہ اِس ساری زمین میں مسجد بن جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں زمین کا کوئی حصہ بیچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور لاہور کی جماعت اپنی کوشش سے ہی ایک عالیشان مسجد بنا لے گی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دو سال کے بعد صدر انجمن احمدیہ بھی کچھ روپیہ تمہیں قرض کے طور پر دے دے اور اِس طرح تمہیں مدد مل جائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خود لاہور کی جماعت میں اِتنی طاقت ہے کہ وہ اِس مسجد کو بنا سکتی ہے۔ کراچی کی جماعت دو مسجدیں بنا چکی ہے۔ ایک اُس نے وکٹوریہ روڈ پر بنائی اور دوسری مارٹن روڈ پر۔ مارٹن روڈ والی مسجد کی عمارت گو زیادہ شاندار نہیں لیکن بہرحال اُس جماعت نے دو مساجد بنا لی ہیں۔ بے شک کراچی کی جماعت لاہور کی جماعت کی نسبت زیادہ مالدار ہے اور اُس کی تعداد بھی اِس سے زیادہ ہے۔ مگر ایمان تعداد کو نہیں دیکھا کرتا۔

مجھے یاد ہے پچھلے سال میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ چنیوٹ کا ایک سنار لڑکا میرے پاس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ململ کے کپڑے میں بندھی ہوئی کوئی چیز تھی۔ وہ اُس نے مجھے دے دی اور پھر کہا کہ اِس پوٹلی میں سونے کے دو کڑے ہیں جو میری والدہ نے مجھے دیئے ہیں۔ میری والدہ کہتی ہے کہ یہ کڑے میں نے کسی خاص مقصد کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ آپ انہیں بیچ کر کسی دینی کام میں لگا لیں۔ چنانچہ میں نے انہیں بیچ کر اُن کی قیمت مسجد ہیگ میں دے دی۔ میرا خیال ہے کہ وہ چار پانچ سَو کے ہوں گے۔ اِسی طرح اب بھی جب میں ربوہ سے چلا ہوں ایک شخص نے مجھے لکھا کہ میرا بچہ بیمار ہو گیا تھا اور میری بیوی نے منت مانی تھی کہ اگر میرا بچہ بچ گیا تو میں فلاں زیور سلسلہ کو دے دوں گی۔ غرض عورتیں بھی بہت کچھ چندہ میں دے دیتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مَردوں میں کسی چندہ کی تحریک کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا عورتوں سے کہہ دو وہ پردہ کر لیں میں انہیں بھی تحریک کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ پردہ کر لیا گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے ابھی

مردوں میں دین کی خدمت کے لیے چندہ کی تحریک کی ہے اور انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اب میں تمہارے پاس بھی آیا ہوں کہ تم بھی اِس تحریک میں حصہ لو۔ اِس پر ایک عورت نے اپنے ہاتھ سے ایک کڑا اُتار کر آپ کی طرف پھینک دیا اور عرض کیا یَا رَسُولَ اللّٰہ! یہ میری طرف سے قبول فرمائیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت! تیرا ایک ہاتھ تو دوزخ کی آگ سے بچ گیا۔ اب دوسرا ہاتھ بھی کہہ رہا ہے کہ تُو اسے بھی دوزخ کی آگ سے بچا۔ اِس پر اُس عورت نے اپنا دوسرا کڑا بھی آپ کی طرف پھینک دیا۔

تو خدا تعالیٰ کے فضل سے عورتوں کے اندر بھی قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ آپ لوگ عورتوں کا تعاون حاصل کریں۔ ممکن ہے کہ وہ مردوں سے آگے نکل جائیں۔ دیکھ لیں! ہیگ میں جو مسجد بنی ہے وہ صرف عورتوں کے چندہ سے ہی بنی ہے۔ اُس پر ایک لاکھ چوہتّر ہزار روپیہ خرچ آیا تھا جس میں سے ستانوے ہزار روپیہ عورتوں نے ادا کر دیا ہے اور صرف ستتّر ہزار ادا کرنا باقی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم یہ رقم جلسہ تک یا اُس کے کچھ دیر بعد دے دیں گی۔ پس صرف ارادہ اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر عورتیں اور مرد سب مل کر زور لگائیں تو مسجد کے لیے رقم جمع کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں کشمیر گیا۔ سری نگر کے پاس ایک چھوٹی سی جھیل ہے جو ''ڈل'' کہلاتی ہے۔ اس کے پاس سے ہی دریائے جہلم گزرتا ہے۔ اور دریا میں سے ایک نہر کاٹ کر اس ''ڈل'' کے سامنے سے گزاری گئی ہے۔ اس ''ڈل'' میں اس نہر کا دروازہ کھلتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دریا کا پانی اونچا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں نہر کا پانی بھی اونچا ہو جاتا ہے اور ''ڈل'' میں زور سے پانی گرنے لگ جاتا ہے۔ اُس وقت کشتی نیچے سے اوپر لے جانی بڑی مشکل ہوتی ہے اور بعض دفعہ دریا کا پانی نیچا ہو جاتا ہے اور ڈل کا پانی اونچا ہو جاتا ہے۔ جب دریا اور ''ڈل'' کا پانی برابر ہو تب تو کشتیاں آسانی سے اِدھر اُدھر آتی رہتی ہیں لیکن جب ایک طرف کا پانی اونچا نیچا ہو جاتا ہے تو انہیں کشتی چلانے میں بڑی دقت محسوس ہوتی ہے۔ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک کشتی آئی جس میں کشمیری مرد اور عورتیں اور بچے بیٹھے ہوئے تھے اور ایک طرف کا پانی اونچا تھا۔ انہوں نے بہت زور لگایا مگر وہ اُس کشتی کو آگے لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کچھ آدمی کشتی سے اُتر گئے اور انہوں نے رسّے ڈال کر کشتی کو کھینچنا شروع کیا اور یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا لَا یِلَاہَ یِلَّ اللّٰہُ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لیکن کشتی

پھر بھی نہ نکلی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کا نام لے کر ہمارا کام نہیں بنا تو انہوں نے یا شیخ ہمدان کا نعرہ لگایا۔ شیخ ہمدان ایک بزرگ تھے جنہوں نے کشمیر میں اسلام پھیلایا تھا لیکن کشتی اِس نعرہ پر بھی باہر نہ نکلی۔ تب انہوں نے آخری نعرہ یا پیر دستگیر کا لگایا۔ اس نعرہ کا لگنا تھا کہ کیا عورتیں اور کیا مرد دیوانہ وار کُود کر کشتی سے نیچے اُتر آئے اور سب نے مل کر زور لگانا شروع کر دیا اور آخر وہ کشتی کو کھینچ کر آگے لے جانے میں کامیاب ہوگئے۔ تم بھی یا پیر دستگیر کا نعرہ لگا کر اس کام کو شروع کرو۔ لیکن یاد رکھو! پیر دستگیر سے حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی مُراد نہیں بلکہ اس سے خدا تعالیٰ کا اپنا وجود مراد ہے جو حقیقی دستگیر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک فقیر آیا اور اس نے کہا پیر دستگیر کے نام پر کچھ دو۔ آپ فرمایا کرتے تھے میں اُس وقت وہاں تھا اس لیے میں نے اُس فقیر کو ڈانٹا کہ تم شرک کرتے ہو۔ لیکن وہ فقیر بہت ہوشیار تھا۔ اُس نے جھٹ کہا آپ تو یونہی ناراض ہوتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کے سوا بھی کوئی دستگیر ہے؟ دراصل اس کی مُراد تو حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے ہی تھی لیکن حضرت خلیفہ اوّل کے ناراض ہونے پر اُس نے بات بدل دی اور حضرت خلیفہ اوّل نے چپ کر کے اُسے کچھ دے دیا۔

اِسی طرح تم بھی اپنے دستگیر خدا کا نعرہ مارو اور سب مل کر اِس کام میں لگ جاؤ۔ پھر تم دیکھو گے کہ اس عمارت کی بنیاد بھی رکھ دی جائے گی اور باقی عمارت کے لیے روپیہ بھی مہیا ہو جائے گا۔ جب انسان کسی کام کا پختہ ارادہ کر لے تو خدا تعالیٰ خود ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے جن سے انسان ایسے کام میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ مجھے بعض اوقات علاج اور دوسرے کاموں کی غرض سے کراچی جانا پڑتا ہے۔ وہاں صدر انجمن احمدیہ کی ایک بلڈنگ ہے۔ میں اس بلڈنگ میں ٹھہرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ اسے کرایہ پر نہیں دے سکتے۔ میں نے خیال کیا کہ اگر وہاں میرا اپنا مکان بن جائے تو اُس مکان میں مَیں ٹھہرا کروں اور انجمن اس مکان کو کرایہ پر دے دیا کرے تا کہ اس سے کچھ آمد پیدا ہو۔ میں نے کراچی میں گیارہ سو گز زمین خریدی ہوئی تھی۔ لیکن مکان بنانے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کا بھی سامان کر دیا۔ ربوہ کے قریب میری کچھ زمین تھی جسے میں نے فروخت کر دیا اور اِس طرح میری ضرورت پوری ہوگئی۔ اگر ایک فرد کی خدا تعالیٰ اِس

طرح مدد کرتا ہے تو وہ جماعت کی کیوں مدد نہیں کرے گا۔ جماعت تو اس کی مدد کی بہت زیادہ مستحق ہے۔

لاہور میں بھی 1941ء میں مَیں نے کچھ زمین سمن آباد میں خریدی تھی اور میں نے شروع سے یہ نیت کی ہوئی تھی کہ اس زمین پر کوٹھی بنا کر میں صدر انجمن احمدیہ کو دے دوں گا۔ اِس کے بعد میں نے گلبرگ میں بھی زمین خرید لی۔ اب میرا ارادہ ہے کہ سمن آباد والی زمین بیچ کر گلبرگ والی زمین پر کوٹھی تعمیر کروں۔ اور گلبرگ والی کوٹھی صدر انجمن احمدیہ کو دے دوں۔ اگر میں نے پہلے سے یہ نیت نہ کی ہوتی کہ میں یہ کوٹھی صدر انجمن احمدیہ کو دے دوں گا تو میں لاہور کی جماعت کو دے دیتا۔ لیکن اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں شروع سے ہی یہ نیت کر چکا ہوں کہ میں یہ کوٹھی صدر انجمن احمدیہ کو دے دوں گا۔ یہاں جب کبھی میں آتا ہوں ہمشیرہ کے الاٹ شدہ مکان میں ٹھہر جاتا ہوں۔ قیام چونکہ مختصر ہوتا ہے اس لیے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ کراچی میں زیادہ دیر قیام کرنا پڑتا ہے اس لیے وہاں ذاتی مکان کی ضرورت تھی تا کہ صدر انجمن احمدیہ کا مکان خالی ہو اور وہ کرایہ پر چڑھ سکے۔ صدر انجمن احمدیہ کا یہ مکان چھ فلیٹ پر مشتمل ہے اور اگر ایک فلیٹ پانچ سَو روپیہ ماہوار پر بھی چڑھے تو تین ہزار روپیہ ماہوار اور چھتیس ہزار روپیہ سالانہ مل جاتا ہے۔ بہرحال میں نے کراچی والی جائیداد کو اپنے پاس اِس لیے رکھا کہ صدر انجمن احمدیہ کی جائیداد آزاد ہو جائے۔ یہاں صدر انجمن احمدیہ کی اِس وقت تک کوئی جائیداد نہیں۔ یہاں میں چند دن کے لیے آتا ہوں اور ہمشیرہ کے پاس ٹھہر جاتا ہوں۔ اور اگر بِالفرض یہاں کوئی مکان نہ بھی ملے تو ہم کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہر سکتے ہیں یا جو کوٹھی مَیں صدر انجمن احمدیہ کو دینے کا ارادہ رکھتا ہوں وہ ہم کرایہ پر لے سکتے ہیں۔ غرض تم اس مسجد کے بنانے کی کوشش کرو تا کہ جنت میں تمہارا گھر بنے۔

تم نے دیکھا کہ پچھلے دنوں لاہور میں کس قدر گھر جلے ہیں۔ ہمارے ایک ڈاکٹر نور احمد صاحب تھے جو بڑی مدت سے لاہور میں رہتے تھے اور انہوں نے یہاں اپنا مکان بھی بنایا ہوا تھا لیکن فسادات میں ان کا گھر جلا دیا گیا۔ وہ بیمار تھے۔ اب سنا ہے کہ فوت ہو گئے ہیں۔ تو دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں۔ وہی چیز انسان کے کام آتی ہے جو نیک کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول سنایا کرتے تھے کہ ایک غریب عورت تھی وہ محنت مزدوری کر کے

اپنا گزارہ کیا کرتی تھی۔ وہ گاؤں والوں کا سُوت کاتا کرتی اور اُس سے جو آمد ہوتی اُسی سے وہ اپنی خوراک کا خرچ بھی چلاتی، کپڑے بھی بناتی اور کچھ روپیہ بھی جمع کرتی۔ اُس جمع شدہ روپیہ سے اس نے سونے کے کڑے بنوائے۔ ایک دن ایک چور اُس کے گھر آیا اور وہ کڑے چُرا کر لے گیا۔ وہ عورت اس کا مقابلہ تو نہ کر سکی لیکن اُس نے اُس چور کو پہچان لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس عورت نے پھر مزدوری کی اور روپیہ جمع کر کے اُس نے اَور کڑے بنوا لیے۔ ایک دن وہ عورت گلی میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی کہ چور پاس سے گزرا اور اُس عورت کو دیکھ کر بھاگ پڑا۔ عورت نے اُسے پہچان لیا اور آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تم نے میرے کڑے چُرائے تھے۔ میں تم سے صرف ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ وہ چور کھڑا ہو گیا۔ اُس عورت نے اُسے مخاطب کر کے کہا دیکھو! میں نے محنت مزدوری کر کے کچھ رقم جمع کی تھی اور اس سے کڑے بنوائے تھے۔ مگر تُو وہ کڑے چُرا کر لے گیا۔ میں نے پھر محنت مزدوری کر کے کڑے بنوا لیے ہیں لیکن تیرے جسم پر اب بھی وہی لنگوٹی ہے جو اُس وقت تھی۔ تو جو شخص نیکی اور تقوٰی پر قائم ہو اور خدائی احکام پر عمل کرنے والا ہو اگر اُسے کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تو خدا تعالیٰ اُس کا ازالہ کر دیتا ہے اور اُسے سونے کے کڑے مل جاتے ہیں اور نقصان پہنچانے والے کے جسم پر لنگوٹی ہی رہتی ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اِس مسجد کے سلسلہ میں ایک شخص مخالفت کر رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں یہ مسجد نہیں بننے دوں گا۔ لیکن اب وہ کہتا ہے کہ میری چھ کنال زمین بھی لے لو۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں جو شخص کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ پس تم اِس بات سے نہ گھبراؤ کہ تم بے بس ہو اور غریب ہو۔ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ہوتا ہے وہ بے بس اور غریب نہیں ہوتا۔ بلکہ جو شخص اپنے آپ کو بے بس اور غریب سمجھے اُس سے زیادہ جاہل اور کوئی نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کرم دین کے مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے تو جس مجسٹریٹ کے پاس مقدمہ تھا وہ آریہ تھا۔ آریہ سماج نے ریزولیوشن پاس کر کے اُس مجسٹریٹ کے پاس بھیجا کہ یہ شخص ہمارا دشمن ہے اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے۔ اب اس کا کیس آپ کے ہاتھ میں ہے اور ساری قوم کی نظر آپ پر ہے۔ اگر آپ نے اس کو جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔ چنانچہ اس مجسٹریٹ نے وعدہ کر لیا کہ میں مرزا صاحب کو ضرور سزا دوں گا۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب گوریانی ایک مخلص آدمی تھے۔ انہیں کسی نے اِس ریزولیوشن کی اطلاع دے دی اور انہوں نے دوسرے دوستوں کو بتا دیا۔ مولوی سید سرورشاہ صاحب نے یہ سارا واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جا کر سنا دیا۔ آپ اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ جب مولوی صاحب نے آپ کو یہ واقعہ سنایا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام یک لخت اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا میں اُس کا شکار نہیں ہوں۔ میں خدا کا شیر ہوں۔ وہ خدا کے شیر پر ہاتھ تو ڈال کر دیکھے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آواز اِس قدر بلند ہوگئی کہ کمرہ کے باہر کے لوگ بھی چونک اُٹھے۔

بعد میں اسی مجسٹریٹ کو ایسی سزا ملی کہ وہ ایک دفعہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر مجھے ملنے کے لیے آیا اور اُس نے روتے ہوئے مجھ سے معافی مانگی اور کہا میں سخت دکھ میں ہوں۔ میں نے مرزا صاحب کے پاس معافی مانگنے کے لیے جانا تھا۔ لیکن وہ تو اَب فوت ہو چکے ہیں اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ میرے لیے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے اِس عذاب سے نکال لے۔ اگر یہ عذاب کچھ اَور عرصہ تک قائم رہا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

اب دیکھو! کُجا یہ دعوٰی کہ میں مرزا صاحب کو قید کر کے چھوڑوں گا اور کُجا یہ حالت کہ وہ عاجزانہ طور پر کہتا ہے کہ میرے لیے دعا کی جائے کہ خدا تعالیٰ مجھے دکھوں سے نجات دے۔ تو دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کی مدد کرتا ہے اور انہیں ایسے نشانات دکھاتا ہے جن سے اُن کا ایمان اَور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

قادیان ایک گاؤں تھا وہاں کئی قسم کی چیزیں دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے لوگ باہر سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھل اور دوسرے تحفے بلٹی یا پارسل کر کے بھیج دیا کرتے تھے۔ چنانچہ میرے دفتر کے کارکن عبداللطیف خاں کے دادا انوار حسین خاں صاحب لکھنؤ سے بڑے بڑے آم چُن کر قادیان بھجوایا کرتے تھے۔ میں نے اُن آموں میں پانچ پانچ سیر کا آم بھی دیکھا ہے۔ اِس قسم کا جو سامان ریل کے ذریعہ آتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے لانے کے لیے اپنے ایک خادم پیرا نامی کو بٹالہ بھجوایا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ بٹالہ اسٹیشن پر آیا کرتے اور اگر انہیں کوئی ایسا آدمی مل جاتا جو کہتا ہے کہ میں نے قادیان

جاتا ہے تو وہ اُس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اور مکہ کے مخالفوں کی طرح کہتے کہ میں تو مرزا صاحب کا بچپن کا دوست ہوں مجھ سے پوچھو کہ بات کیا ہے۔ اُس نے تو محض ایک دکان بنائی ہوئی ہے۔ اگر ایمان بچانا ہو تو واپس چلے جاؤ وہاں تمہیں کفر و الحاد اور جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔

میرے اپنے خسر مولوی عبدالماجد صاحب بھی ایک دفعہ قادیان آ رہے تھے کہ مولوی صاحب انہیں ریلوے اسٹیشن پر ملے اور انہیں واپس بہار بھیج دیا۔ مولوی صاحب نے انہیں کہا ہم جانتے ہیں کہ یہ محض دکانداری ہے اور کچھ نہیں۔ بعد میں وہ ہمیشہ اِس بات پر افسوس کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر مجھ سے یہ غلطی نہ ہوتی اور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی بات مان کر واپس نہ چلا جاتا تو میں بھی صحابی ہوتا۔ مجھے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے خراب کیا ہے۔ تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی عادت تھی کہ وہ روزانہ اسٹیشن پر آتے اور اگر کوئی قادیان جانے والا انہیں مل جاتا تو اُسے ورغلاتے۔

ایک دن اتفاقاً انہیں قادیان جانے والا کوئی شخص نہ ملا۔ پیرا بلٹی چُھڑانے گیا ہوا تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اُسے جا ملے۔ پیرے نے واپس آ کر بتایا کہ میں بلٹی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا اور مولوی محمد حسین بٹالوی میرے پاس آئے اور کہنے لگے پیرے! سناؤ تم نے قادیان میں کیا دیکھا ہے کہ وہاں بیٹھے ہو۔ مفت میں تمہارا ایمان خراب ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ مولوی صاحب! میں پڑھا ہوا تو نہیں ہوں۔ میں نے صرف ایک چیز دیکھی ہے جو میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ میں آٹھ دس سال سے بلٹیاں چُھڑانے بٹالہ آیا کرتا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ روزانہ اسٹیشن پر آتے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ شاید آپ کی یہاں آتے جاتے کئی جُوتیاں بھی گِھس گئی ہوں گی لیکن لوگ پھر بھی قادیان جاتے ہیں اور مرزا صاحب کی بیعت کر لیتے ہیں۔ وہ بعض اوقات بیماری کی وجہ سے مسجد میں بھی نہیں آتے مگر لوگ دو دو گھنٹہ تک باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ مرزا صاحب ضرور سچے ہیں۔ اب دیکھو! جب خدا تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو وہ کیسے حیرت انگیز طریق پر اُس کی مدد کرتا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دن ایک امریکن اور اُس کی بیوی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملنے کے لیے قادیان آئے۔ مولوی محمد علی صاحب باہر تھے اور قادیان میں اَور کوئی انگریزی جاننے والا

نہیں تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اُس وقت مفتی محمد صادق صاحب نے ترجمانی کا کام کیا تھا۔لیکن بعد میں میرے داماد میاں عبدالرحیم احمد کے والد پروفیسر علی احمد صاحب نے جو پچھلے سال فوت ہوئے ہیں بتایا کہ اُس دن میں قادیان میں تھا اور میں نے ایم۔اے پاس کیا ہوا تھا۔ میں نے اُس وقت ترجمان کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ بہرحال وہ دونوں میاں بیوی قادیان آئے۔ملاقات کے دوران میں اس امریکن نے کہا کہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا ہے لیکن پہلے مسیح نے تو کئی نشانات دکھائے تھے۔آپ بھی ہمیں کوئی ایسا نشان دکھائیں جو آپ کی صداقت کا ثبوت ہو۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلی اٹھائی اور اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا آپ دونوں میاں بیوی میرا ایک نشان ہیں۔اُس امریکن نے کہا ہم دونوں کیسے نشان ہو سکتے ہیں، ہم تو عیسائی ہیں اسلام کو ماننے والے نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا آپ میری فلاں کتاب لے جائیں اور کسی سے پڑھا کر دیکھیں۔اس میں میرا ایک الہام چھپا ہوا ہے کہ يَـاْتِيْكَ مِـنْ كُلِّ فَجٍّ عَـمِيْـقٍ يَـاْتُـوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ 4 یعنی دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ تیری زیارت کے لیے آئیں گے۔اب امریکہ بھی دنیا کا ایک گوشہ ہے جہاں سے آپ دونوں آئے ہیں۔اب آپ بتائیں کہ آپ دونوں کو کس طاقت نے یہاں بھیجا ہے؟ قادیان میں تو کوئی دیکھنے والی چیز نہیں۔اگر محض سیر کے لیے کسی شہر میں آپ نے جانا ہوتا تو آپ بمبئی اور کلکتہ وغیرہ شہروں میں جا سکتے تھے۔پھر آپ بتائیں کہ آپ جب قادیان آرہے تھے تو رستہ کیسا تھا؟ وہ کس قدر خراب اور شکستہ ہے اور یہ محض لوگوں کے کثرت سے آنے کی وجہ سے ہی ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اِس الہام میں مجھے اِس بات کی چالیس سال قبل خبر دے دی تھی۔وہ امریکن بہت گھبرایا اور کہنے لگا یہ بات تو سچ ہے کہ رستہ بڑا خراب تھا۔

اِسی طرح ایک دفعہ ایک پادری قادیان آیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے جہاں آجکل مدرسہ احمدیہ کی عمارت ہے۔شاید کوئی جلسہ تھا یا کوئی اَور بات تھی۔وہ پادری احمدیت کا بہت بڑا دشمن تھا۔اُس نے بعد میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''مائی وزٹ ٹو قادیان'' (My Visit To Qadian) ہے۔اُس سے بھی اس پیشگوئی کا ذکر ہوا تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ نے ٹھیک کہا ہے میں اِسی طرح کی سڑک چل کر آیا ہوں۔تو دیکھو! اللہ تعالیٰ کی مدد کے رستے کیسے عجیب ہوتے ہیں۔جب وہ دینے پر آتا ہے تو اِس طرح دیتا ہے کہ اس کا پہلے خیال

بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مجھے یاد ہے میں ابھی بچہ ہی تھا کہ کاٹھگڑھ ضلع ہوشیار پور کے ایک دوست عبدالسلام صاحب میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ وہ کاٹھگڑھ واپس گئے تو انہوں نے ایک پرائمری اسکول بنایا۔ بعد میں وہ مڈل اسکول ہو گیا۔ ان کے دو بیٹے اِس وقت ربوہ میں ملازم ہیں۔ عبدالسلام صاحب کے والد کی زمین تو بہت تھوڑی تھی لیکن ان کے تایا بڑے زمیندار تھے۔ انہیں ایک تو ورثہ میں زمین ملی تھی اور پھر کچھ زمین انہوں نے خود بھی خریدی تھی۔ ایک دفعہ میں کاٹھگڑھ گیا۔ میں جب وہاں سے چلنے لگا تو میرے اردگرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ وہ کہنے لگے حضور! اس طرف سے نہ جائیں۔ اس طرف فلاں آدمی رہتا ہے اور سخت دشمن ہے۔ وہ گالیاں دیتا ہے اور مارنے کو آتا ہے۔ اس لیے ڈر ہے کہ وہ کہیں حملہ نہ کر دے۔ لیکن میں نے ان کی اس بات کی پروا نہ کی اور اُسی رستہ پر چل پڑا۔ جب اُس شخص نے مجھے دیکھا تو وہ دوڑ کر میری طرف آیا۔ میرے ساتھیوں نے خیال کیا کہ شاید وہ حملہ کرنے آ رہا ہے اِس لیے وہ لاٹھیاں لے کر اکٹھے ہو گئے۔ لیکن وہ شخص انہیں دھکّا دیتے ہوئے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ یہ صرف تمہارے ہی پیر نہیں ہمارے بھی پیر ہیں۔ کیا ہم نے ان کی زیارت نہیں کرنی؟ پھر اُس نے ایک روپیہ نکال کر مجھے نذرانہ دیا اور کہا کہ یہ میری طرف سے نذر ہے اسے قبول فرمائیں۔ اب دیکھ لو خدا تعالیٰ نے اس کے دل پر کیسا تصرّف کیا۔ لوگ تو اس بات سے ڈر رہے تھے کہ وہ حملہ نہ کر دے اور وہ نذرانہ پیش کر رہا تھا۔

پس اگر آپ لوگ کمرِ ہمت کس لیں اور اس کام میں لگ جائیں تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دل کھول دے گا اور وہ تین چار لاکھ روپیہ بڑی آسانی سے دے دیں گے جس سے آپ لوگ مسجد بنا لیں گے۔ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ لوگ ہمت اور ارادہ کر لیں گے تو خدا تعالیٰ خود آپ لوگوں کا حافظ و ناصر ہو گا۔ لیکن یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ سب اس کام کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔5 وہ یقیناً توّاب ہے۔ لیکن جب تک لوگ اُس کی طرف رجوع نہیں کرتے وہ بھی اُن کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اور جب لوگ اُس کی طرف رجوع کر لیتے ہیں تو وہ بھی اُن کی طرف رحمت کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب دوزخ میں سے آخری آدمی نکالا جائے گا تو وہ خدا تعالیٰ سے

کہے گا کہ اے خدا! تُو نے مجھے دوزخ سے تو نکال دیا ہے۔ اب تُو مجھ پر مزید مہربانی فرما اور مجھے اپنے فضل سے جنت کے دروازہ پر کھڑا کر دے۔ خدا تعالیٰ اُس کی دعا کو سنے گا اور اُسے جنت کے دروازہ پر لا کر کھڑا کر دے گا۔ جب وہ اُس کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو وہ کہے گا خدایا! جب میں دُور تھا تو جنت کی مجھے صرف رغبت محسوس ہوتی تھی لیکن اب تو میں دروازہ میں کھڑا ہوں اور جنت کی نعماء بھی دیکھ رہا ہوں۔ اب تو جنت کی نعماء دیکھ کر مجھ میں برداشت کی طاقت بالکل نہیں رہی۔ تُو مجھے جنت کے دروازہ سے کچھ تھوڑی دور آگے کر دے تا کہ میں ان نعمتوں سے حظ اُٹھا سکوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو! میرا یہ بندہ کتنا حریص ہے۔ اور اِس کے بعد کہے گا جنت کے سات دروازوں میں سے تُو جس دروازہ میں سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔ تو دیکھو! جس شخص کو خدا تعالیٰ نے سینکڑوں سال تک دوزخ میں رکھا اس کو بھی وہ کہتا ہے کہ تُو جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔6

پس تم خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق بڑھاؤ اور اس کی طرف توجہ کرو۔ وہ تم کو بڑی عزت بخشے گا۔ ایک دفعہ تم مسجد بنانے کا عزم کر لو تو مسجد یقیناً بن جائے گی۔ اگر تم مسجد بنانے سے پہلے مر گئے تو بنی ہوئی مسجد دیکھنے کا مزا تمہیں حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تم اپنی زندگی میں مسجد بنا گئے تو یہ مزا بھی پا لو گے اور تمہاری مثال ایسی ہی ہوگی جیسے لطیفہ مشہور ہے کہ کسی دفتر میں کوئی کلرک تھا جسے سِل ہو گئی۔ محکمہ کی طرف سے اُسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ جب وہ ڈسچارج ہوا تو ہسپتال والوں نے کہا کہ اسے وزیر آباد اور سیالکوٹ کی سڑک پر چھوڑ آؤ وہاں سے یہ سواری لے کر اپنے گاؤں میں چلا جائے گا۔ چنانچہ اُسے سڑک پر لا کر چھوڑ دیا گیا۔ وہ سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ اُسے ایک پہلوان نظر آیا جس کا سَر مُنڈا ہوا تھا اور اُس نے اپنے سارے جسم پر تیل ملا ہوا تھا اور اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اِس مسلول کلرک کو شرارت سُوجھی اور اُس نے پیچھے سے آ کر اُس کے سر پر ٹھینگا مارا۔ پہلوان پیچھے مڑا تو اُس نے اس مسلول شخص کو دیکھا۔ اُسے بڑا غصہ آیا اور اُس نے اُسے نیچے گرا کر خوب مارا۔ جب وہ مار مار کر تھک گیا تو وہ مسلول شخص کہنے لگا پہلوان صاحب! آپ نے مجھے خوب مارا ہے اور اگر اَور بھی مارنا چاہو تو بے شک مار لو۔ لیکن جو مزا مجھے ٹھینگا مارنے میں آیا ہے وہ آپ کو مار میں نہیں آ سکتا۔ اِسی طرح اگر تم میں کوئی فوت ہو گیا اور مسجد اس کی زندگی میں نہ بنی تو جنت میں تو اُسے مکان مل جائے گا لیکن اُسے وہ مزا نہیں آئے گا جو اُس دوسرے شخص کو آئے گا جس نے اپنی زندگی میں بنی ہوئی مسجد بھی دیکھ لی ہوگی۔

وہ خدا تعالیٰ سے کہے گا خدایا! تُو بڑی قدرتوں والا ہے۔ تُو جو چاہے کرسکتا ہے۔ تیری عطا کردہ جنت بھی بڑی اچھی ہے۔ لیکن دنیا میں جب ہم نے تیرا گھر بنایا تھا تو اُس کی لذّت بھی کچھ کم لذّت نہیں تھی۔ پس مسجد بناؤ اور یاد رکھو کہ اگر تم خدا تعالیٰ کی مدد کرو گے تو خدا بھی تمہاری مدد کرے گا"۔ (الفضل 29 نومبر 1957ء)

---

1: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (التوبة:19)

2: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۚ فَعَسٰۤى اُولٰۤئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبة:18)

3: مسلم کتاب الزهد باب فضل بناءِ المساجد

4: تذکرہ صفحہ 356 ایڈیشن چہارم

5: النصر:4

6: بخاری کتاب الاذان باب فَضْل السُّجُوْد

32

# ربوہ کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے اپنے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں

(فرمودہ 22 نومبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اب نومبر کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں اور دسمبر میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ ہمارا جلسہ سالانہ ہوگا۔ جلسہ سالانہ میں مہمانوں کے کھانے پینے کا جو انتظام ہوتا ہے وہ تو بہرحال صدر انجمن احمدیہ کے افسروں کے سپرد ہے اور وہ ہمیشہ اسے سرانجام دیتے چلے آئے ہیں اور اب بھی اسے وہی سرانجام دیں گے لیکن مکانوں کی بہت دقّت پیش آئی ہے۔ لوگ عموماً اپنے مکانات میں اپنے رشتہ داروں کو جگہ دے دیتے ہیں اور اِس طرح دوسرے لوگوں کو مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے صدر انجمن احمدیہ سے کہا تھا کہ وہ جلسہ سالانہ کے لیے تین پختہ بیرکیں بنوا دے۔ لیکن اس نے ابھی تک یہ بیرکیں نہیں بنوائیں۔ اگر یہ بیرکیں بن جاتیں تو ایک حد تک دقّت دور ہو جاتی۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اب ربوہ میں کافی مکانات بن گئے ہیں لیکن ابھی وہ اتنی تعداد میں نہیں بنے کہ جلسہ کے تمام مہمانوں کو سنبھال سکیں۔ بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ وہ پہلے سے ہی منتظمین کو

لکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہمیں کوئی علیحدہ مکان دیا جائے ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر باہر سے آنے والے لوگ علیحدہ مکانات نہ مانگیں اور سب جلسہ سالانہ کے انتظام کے ماتحت ٹھہریں اور وہ مکانات جو عموماً الگ ٹھہرنے والوں کو دیئے جاتے ہیں وہ بھی ایک انتظام کے ماتحت عام مہمانوں کو دے دیئے جائیں تو میرے نزدیک ساری دقّت دور ہوسکتی ہے۔

پس میں دوستوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ جن کے پاس دو کمرے ہوں وہ جلسہ سالانہ کے ایام میں ایک کمرہ میں سمٹ کر گزارہ کر لیں اور ایک کمرہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے دے دیں۔ اور جن کے پاس پانچ چھ کمرے ہوں وہ دو تین کمرے مہمانوں کو دے دیں اور باقی کمروں میں خود سمٹ جائیں۔ لیکن اِن مکانات کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کی اپنی عمارتیں بھی ہیں۔ مثلاً لجنہ اماء اللہ کا ہال ہے، اِسی طرح کالج، اسکول اور جامعہ احمدیہ کی عمارات ہیں۔ ان سے بھی جلسہ سالانہ کے ایام میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لجنہ اماء اللہ کے ہال اور دفتر میں تو عورتیں ٹھہرتی ہیں لیکن کالج، ہائی اسکول اور جامعہ احمدیہ کی عمارتوں میں ہمیشہ مرد ٹھہرا کرتے ہیں۔ پھر اب تو انصار اللہ کا دفتر اور ہال بھی بن گیا ہے۔ ان ساری عمارتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو مہمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے قیام کا بخوبی انتظام ہوسکتا ہے۔

پچھلے سال ہمارے جلسہ سالانہ پر ساٹھ ہزار آدمی آئے تھے۔ اگر اس جلسہ پر بھی اِسی قدر لوگ آئیں تو بڑی آسانی سے ان کے قیام کا انتظام ہوسکتا ہے۔ بہرحال آپ سب لوگوں کا فرض ہے کہ مل کر کوشش کریں اور خود تکلیف اُٹھا کر بھی مہمانوں کے لیے جگہ نکالیں کیونکہ یہ گاڑی کسی انسان نے نہیں چلائی بلکہ خدا تعالیٰ نے چلائی ہے اور اس کے پہلے گاڑی بان اسی کے حکم کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مقرر ہوئے ہیں۔ اِس گاڑی کو چلانا اور منزل مقصود تک پہنچانا ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے۔ اگر ہم اِس فرض کو پورا کرنے سے گریز کرتے ہیں تو ہم احمدیت کو بدنام کرتے ہیں۔ ہمیں اِس غرض کے لیے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ درحقیقت اصل قربانی تو باہر والے کرتے ہیں۔ وہ سردی کے موسم میں اپنا گھر بھی چھوڑتے ہیں، راستہ کے اخراجات بھی ادا کرتے ہیں، چندے بھی دیتے ہیں اور پھر یہاں آ کر زمین پر سوتے ہیں۔ اگر وہ لوگ اِتنی قربانی کرتے ہیں تو ربوہ والوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہیں تو صرف

دو تین دن تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن باہر والے لوگ کئی کئی دن تک تکلیف اٹھاتے ہیں۔ پس اصل تکلیف اُنہی کی ہوتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں ہماری ایک دو دن کی تکلیف کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر ہم اپنے فرائض کو سمجھیں اور جو گاڑی خدا تعالیٰ نے چلائی ہے اس کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہمیں حاصل ہوگی اور وہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو ہمیشہ سے اپنے مقربین کے ساتھ کرتا چلا آیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے اُن کی عادت تھی کہ وہ ضرورت مندوں کو دوسروں سے قرض لے کر دے دیا کرتے تھے اور جب وہ قرض واپس کرتے تو اصل روپیہ والوں کو پہنچا دیتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کسی نے اپنا روپیہ واپس مانگا لیکن اُن کے پاس روپیہ موجود نہیں تھا۔ انہوں نے اُس شخص کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا تم بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ایک لڑکا گزرا جو حلوہ بیچ رہا تھا۔ اُس بزرگ نے لڑکے سے حلوہ خرید کر اُس شخص کو کھلانا چاہا جو روپیہ واپس لینے آیا تھا۔ اس نے کہا آپ اس غریب کو کیوں پھنساتے ہیں؟ میرا تو قرض واپس نہیں ہوا اور اس سے پھر اُدھار لے رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میاں! جہاں سے خدا تعالیٰ تمہارے لیے روپیہ بھیجے گا وہاں سے اس حلوہ کی قیمت بھی دے دے گا۔ چنانچہ انہوں نے حلوہ خریدا اور اُسے کھلا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور اُس نے ایک پڑیا اس بزرگ کو دی اور کہا کہ فلاں شخص نے اتنا روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس بزرگ نے پُڑیا کھولی تو اس میں قرض واپس کرنے کے لیے تو روپیہ تھا لیکن حلوہ کی قیمت ادا کرنے کے لیے رقم نہیں تھی۔ اِس پر اُس بزرگ نے پیغامبر سے کہا میاں! میں نے آٹھ آنے حلوہ والے کے بھی دینے ہیں لیکن وہ اس میں نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روپیہ میرا نہیں بلکہ کسی اَور کا ہے۔ اِس پر پیغامبر واپس گیا اور اُس نے اس بزرگ کا پیغام روپیہ بھیجنے والے کو دے دیا۔ اُس نے کہا اِس پُڑیا کے ساتھ ایک اٹھنّی بھی تھی جو میں نے تمہیں دی تھی وہ کہاں گئی؟ اُس نے اپنی جیب دیکھی تو اُسے اٹھنّی مل گئی جو اُس نے واپس آ کر اُس بزرگ کو پہنچا دی اور کہا کہ یہ اٹھنّی پُڑیا کے ساتھ ہی تھی لیکن غلطی سے میری جیب میں ہی رہ گئی تھی۔

پس انسان کا اصل سہارا تو خدا تعالیٰ ہی ہے اور وہی اپنے بندوں کی ضروریات کو

پورا کرتا ہے۔ لیکن کوشش اور جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے۔ تم دیکھ لو! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جلسہ سالانہ پر آنے والے صرف چند آدمی ہوا کرتے تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر کتنا بڑا فضل کیا اور اس نے تمہاری تعداد کو کس قدر بڑھایا۔ اِس وقت جماعت کی تعداد پندرہ سولہ لاکھ کی ہے حالانکہ ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری سال کے جلسہ پر صرف سات سَو آدمی آیا تھا اور آپ اُن کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے تھے۔ مگر اِس وقت غالباً خطبہ میں ہی اُس سے زیادہ لوگ بیٹھے ہوں گے۔ آپ سیر کے لیے باہر تشریف لے گئے تو مہمان بھی آپ کے ساتھ چلے گئے۔ راستہ میں بھیڑ کی وجہ سے آپ کو ٹھوکر لگتی تو پاؤں سے جُوتی اُتر جاتی۔ لوگ آگے بڑھتے اور آپ کو جُوتی پہنا دیتے۔ جب بار بار جُوتی اُتری اور آپ کو دوبارہ پہننے کے لیے کھڑا ہونا پڑا تو آپ نے فرمایا اب واپس چلنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہماری سیر کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن اب خدا تعالیٰ نے سات سَو کے مقابلہ میں تمہاری تعداد کو کس قدر بڑھا دیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے آخری جلسہ پر کوئی گیارہ بارہ سَو آدمی آئے تھے لیکن ہمارے پچھلے جلسہ پر ساٹھ ہزار آدمی آیا تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے آخری جلسہ پر آنے والوں سے قریباً ساٹھ گُنا زیادہ تھا اور ہر سال جلسہ پر آنے والوں کی تعداد میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ تمہیں اِس فضل کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ۔1 اگر تم شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر زیادہ سے زیادہ فضل نازل کرے گا۔

اِس وقت ہماری جماعت کی تعداد پندرہ سولہ لاکھ ہے لیکن ہمارا جی چاہتا ہے کہ یہ تعداد دو اڑھائی ارب تک پہنچ جائے اور کوئی جماعت اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ یہ مقام ابھی بہت دور ہے اور اس کو نزدیک لانا خدا تعالیٰ کا کام ہے لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس کے لیے کوشش کریں۔ ہم نے یورپ میں بھی کوشش کی لیکن ابھی وہاں ہماری تعداد میں کوئی نمایاں زیادتی نہیں ہوئی۔ فلپائن میں خدا تعالیٰ نے خود جماعت بنائی ہے لیکن ابھی تک وہاں بھی دو اڑھائی سَو افراد ہی احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ مغربی افریقہ میں بھی کوشش جاری ہے۔ گو اِس وقت وہاں جماعت کی ترقی کی وہ رفتار نہیں جو پہلے تھی مگر پھر بھی جماعت کافی زیادہ ہے۔ پہلے تو چند دنوں میں ہی جماعت کی تعداد

ایک لاکھ سے اوپر نکل گئی تھی اور پھر جن دنوں مولوی نذیر احمد علی صاحب وہاں کام کرتے تھے کئی لوگوں کو احمدیت کی سچائی کے متعلق خوابیں آئیں اور وہ احمدی ہو گئے اور بعض دفعہ تو گاؤں کے گاؤں احمدی ہوئے۔ لیکن اب وہاں جماعت کی ترقی کی رفتار میں کسی قدر کمی آ گئی ہے۔ مگر اِس میں ہمارے لیے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی اور دوسرے ممالک میں بھی احمدیت کی تبلیغ کے لیے رستے کُھل جائیں گے۔ چنانچہ ڈچ گی آنا سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں لوگ بڑی کثرت سے احمدیت کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔ وہاں جماعت نے ایک چھوٹا سا اسکول بھی کھولا ہے جس میں لڑکے بڑی تعداد میں داخل ہو رہے ہیں۔ انڈونیشیا میں بھی ترقی کے امکانات ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ چاہے گا تو سب کچھ ہو جائے گا اور جماعت کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ ہمیں صرف خدا تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اور اپنی قربانیوں کو بڑھاتے چلے جانا چاہیے تاکہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ [1] والی بات پوری ہو جائے''۔

(الفضل 27 نومبر 1957ء)

---

1: ابراھیم: 8

(33)

# سورۃ فاتحہ حُسنِ کلام اور طبعی ترتیب کی ایک اعلیٰ مثال ہے

اس سال ہمارے جلسہ سالانہ کو بعض ایسی خصوصیتیں حاصل ہوں گی
جو پہلے کسی جلسہ کو حاصل نہیں ہوئیں

(فرمودہ 29 نومبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی کسی مشیّت کے ماتحت اِس سال گرمی بھی شدید پڑی ہے اور اب سردی کا موسم آیا ہے تو اِس کا بھی یہ حال ہے کہ گزشتہ دو ہفتوں میں اِتنی شدید سردی پڑی ہے کہ قوی سے قوی انسان بھی ٹھٹھر اجا رہا ہے۔ میں چونکہ پہلے ہی بیمار ہوں اِس لیے موسم کی اس تبدیلی نے میری صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے جس کی وجہ سے میرے لیے معمولی خطبہ دینا اور تقریر کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے مگر بہرحال جمعہ ایک دینی فرض ہے اور اس کو ادا کرنا ہمارے لیے ضروری ہے اس لیے میں مسجد میں آ گیا ہوں۔

میں نے ابھی سورۃ فاتحہ پڑھی ہے۔ اِس سورۃ میں جو تمام اہم مضامین کی جامع ہے اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔[1] یعنی اے خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ مجھے بچپن سے

قرآن کریم کا درس دینے کا شوق رہا ہے۔ میری عادت تھی کہ میں دوستوں کو جمع کر لیتا اور ان سے کہتا کہ قرآن کریم کے متعلق مجھ سے کوئی سوال کرو۔ اور جب وہ سوال کرتے تو میں انہیں جواب دیا کرتا تھا۔ اُن سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 2 سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ 3 تک تمام صیغے غائب کے رکھے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ انسان کی نظروں سے اوجھل ہے اور وہ اس کی تعریف کر رہا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس فقرہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کے سامنے نہیں بلکہ غائب ہے۔ پھر کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ 4 وہ بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اِس میں بھی خدا تعالیٰ کا وجود غائب ہے۔ پھر کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ جزا سزا کے دن کے وقت کا مالک ہے۔ اِس فقرہ میں بھی غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اِس کے معاً بعد اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ آ جاتا ہے جس میں انسان خدا تعالیٰ کو اِس طرح مخاطب کرتا ہے کہ گویا وہ اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ اور وہ اُس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ عبارت بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اور بادی النظر میں یہ طریق حُسنِ کلام کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ میں نے اِس سوال کا یہ جواب دیا کہ یہ طریق حُسنِ کلام کے خلاف نہیں بلکہ حُسنِ کلام کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کی کامل معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ انسان کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ چونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہنے سے پہلے انسان کو خدا تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل نہیں تھی اِس لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں غائب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ گویا انسان خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اے خدا! میں نے ابھی تک تجھے پہچانا نہیں۔ صرف میرے کان میں یہ آواز آئی ہے کہ کوئی خدا ہے جو رب العالمین ہے، رحمان ہے، رحیم ہے، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے لیکن جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر غور کرنے کے بعد اسے خدا تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے خدا! میں تیری ہی عبادت

کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ پہلے میں تجھے وہ وہ کر کے بلاتا تھا اب میں تجھے تُو تُو کر کے بلاتا ہوں۔ پہلے میں نے تجھے دیکھا نہیں تھا لیکن اب میں تجھے دیکھ چکا ہوں اور میری معرفت بڑھ چکی ہے۔ اس لیے اب میں تجھے براہ راست مخاطب کرتا ہوں اور تجھ سے امداد طلب کرتا ہوں۔

غرض قرآن کریم نے اِن آیات میں ایک طبعی ترتیب رکھی ہے۔ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیتوں میں غائب کے صیغے استعمال کیے کیونکہ اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی معرفتِ تامہ مومن کو حاصل نہیں تھی لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اُس کی جستجو کامل ہوگئی اور خدا تعالیٰ اُسے نظر آنے لگ گیا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ اے خدا! میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتا ہوں۔ اب تُو غائب نہیں رہا بلکہ اب تُو مجھے اپنی روحانی آنکھوں سے نظر آنے لگ گیا ہے۔ اور جب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے تو اب تجھے ''وہ'' سے خطاب نہیں کرسکتا۔ بلکہ ''تُو'' سے ہی خطاب کروں گا کیونکہ تیری معرفتِ کاملہ حاصل ہو جانے کی وجہ سے تیری محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اور چونکہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفات نے مجھے بتا دیا ہے کہ تجھ میں ہی مدد دینے کی طاقت ہے اور جب تک وہ نہ آئے گی میں کامیاب نہیں ہوسکتا اس لیے اب میں تجھ سے ہی مدد کا طلب گار ہوں۔ جب تک مجھے کامل معرفت نہیں ہوئی تھی میں سمجھتا تھا کہ میری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ لیکن اب مجھے پتا لگ گیا ہے کہ تیری ہستی دنیا میں موجود ہے اور تُو بڑی طاقتوں والا ہے۔ اس لیے اب میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ درحقیقت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابلہ میں ہے کیونکہ عبادت دنیا میں ہوتی ہے۔ دنیا میں انسان میں طاقت ہوتی ہے کہ وہ کوئی کام کرے۔ اس لیے وہ کہتا ہے اے خدا! میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں تا کہ اِس کے نتیجہ میں تیری رضا حاصل ہو۔ لیکن مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں آخرت کا ذکر ہے اِس لیے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابلہ میں وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ عبادت کا وقت تو گزر گیا اور وہ وقت آ گیا جو جزا سزا کے لیے مقرر تھا۔ اس لیے اِس کے مقابلہ میں وہ کہتا ہے کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے خدا! ہمارے کام کا زمانہ

گزر گیا ہے اب ہم دنیا میں نہیں رہے جہاں کام کی طاقت ہم میں پائی جاتی تھی بلکہ ہم مر گئے ہیں اور تیرے سامنے حاضر ہیں۔ اس لیے ہم تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ تُو ہم پر رحم فرما۔

قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جب کافر جہنم کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکیں گے تو وہ خدا تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے خدا! تُو ہمیں اس آگ سے نکال لے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ ہم ہمیشہ نیک اعمال بجالائیں گے اور کبھی تیری نافرمانی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہی جواب دے گا کہ کیا ہم نے اس سے پہلے تمہیں دنیا میں ایک لمبی عمر عطا نہیں کی تھی؟ پھر تم نے اُس وقت کیوں کوئی نیک کام نہ کیا؟ اب یہ عمل کی جگہ نہیں۔ عمل کی جگہ دنیا تھی۔ اب تم اپنے بداعمال کا نتیجہ بُھگتو۔ 5

غرض رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا تعلق چونکہ دنیوی زندگی سے تھا اس لیے انسان کہتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ اے ہمارے رب! ابھی ہم دنیا میں زندہ موجود ہیں، ہم میں عمل کی طاقت ہے اور ہم اعمال کے ذریعہ تیری مدد کو کھینچ سکتے ہیں۔ اس لیے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ مگر جب وہ وقت گزر گیا اور يَوْمِ الدِّيْنِ کا زمانہ آ گیا تو وہ کہتا ہے اے خدا! دنیا سے ہم گئے جو عمل کی جگہ تھی۔ اور ہم واپس بھی نہیں جاسکتے کیونکہ تیرا قانون ہے کہ مُردے واپس دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ تُو ہی مدد فرما تاکہ ہم عذاب سے بچ جائیں۔ غرض یہ مضمون ہے جو اِس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ نہایت مختصر یعنی صرف سات آیات کی سورۃ ہے لیکن اِس میں بڑے بڑے لطائف اور غرائب بیان کیے گئے ہیں۔

ہمارا جلسہ سالانہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل قریب ہے۔ میں نے پچھلے جمعہ میں تحریک کی تھی کہ ربوہ والے جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے اپنے مکانات دیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جہاں اہلِ ربوہ کا یہ فرض ہے کہ وہ مہمانوں کی خدمت کریں اور اُن کی رہائش کے لیے مکانات دیں وہاں باہر سے آنے والوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اہلِ ربوہ کی اِس قربانی کی قدر کریں جو وہ یہاں رہ کر کر رہے ہیں۔

یہ جلسہ سالانہ بڑی خصوصیتوں والا ہے۔ کیونکہ اس جلسہ پر خدا تعالیٰ کے فضل سے سارے قرآن کی ایک مکمل لیکن مختصر تفسیر شائع ہو جائے گی۔ حدیث کے متعلق بھی ایک کتاب شائع ہو جائے گی۔ اِسی طرح اَور بھی بعض کتابیں شائع ہوں گی۔ اِس کے علاوہ اِس موقع پر جیسا کہ میں

اعلان کر چکا ہوں ایک نئی قسم کا وقف جماعت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یہ ساری خصوصیتیں ایسی ہیں جو پہلے کسی جلسہ میں نہیں ہوئیں۔ اس لیے دوستوں کو کثرت کے ساتھ آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر خود آ کر میری زبان سے باتیں سننا گھر میں بیٹھ کر اخبار میں تقریریں پڑھنے کی نسبت بہت زیادہ بابرکت ہے۔ بہرحال جہاں ربوہ والوں نے سارے سال کے لیے اپنے آپ کو مرکز کے لیے قربان کیا ہے اور یہاں آ کر بس گئے ہیں وہاں باہر والوں کو بھی چاہیے کہ وہ جلسہ سالانہ پر ربوہ آئیں۔ اور اگر سارا سال وہ وقف نہیں کر سکتے تو تین دن تو ربوہ کے لیے وقف کریں۔ اگر کوئی شخص سارا سال ربوہ میں نہیں رہا تو کم از کم تین دن کے لیے تو وہ یہاں آ جائے۔ ورنہ جو شخص تین دن بھی مرکز کے لیے وقف نہیں کرتا اُس کی زندگی کا کیا فائدہ؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر آنے کی دوستوں کو تحریک کی تو بڑے درد سے فرمایا کہ:۔

''مبائعین محض لِلّٰہ سفر کر کے آویں اور میری صحبت میں رہیں اور کچھ تبدیلی پیدا کر کے جائیں کیونکہ موت کا اعتبار نہیں''۔6

پس تم بھی جلسہ سالانہ کے موقع پر آؤ اور جلسہ میں شامل ہو کر اِس سے فائدہ حاصل کرو اور ملاقات کر لو۔ کیونکہ پتا نہیں کہ پھر بعد میں ملاقات کا کوئی موقع میسر آئے یا نہ آئے''۔

(الفضل 5 دسمبر 1957ء)

---

1: الفاتحة:5

2: الفاتحة:2

3: الفاتحة:4

4: الفاتحة:3

5: وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ۚ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٨﴾ (فاطر:38)

6: اشتہار التوائے جلسہ 27 دسمبر 1893ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 361

34

# احباب کثرت کے ساتھ جلسہ سالانہ پر آئیں اور جلسہ کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں

(فرمودہ 20 دسمبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جیسا کہ احباب کو معلوم ہے کہ اب ہمارا جلسہ سالانہ بالکل قریب ہے۔ اگلا جمعہ جو 27 دسمبر کو ہوگا جلسہ سالانہ کے عین درمیان آئے گا اور جلسہ سالانہ کا افتتاح 26 دسمبر کو ہو جائے گا اور 27، 28 دسمبر کو میری تقریریں ہوں گی جن کے بعد جلسہ سالانہ ختم ہو جائے گا۔ چونکہ خطبہ کے صاف کرنے اور اِس پر نظرِ ثانی کرنے میں اور پھر اس کے الفضل میں شائع ہونے پر کئی دن لگ جاتے ہیں اس لیے اگر خطبہ نویس خطبہ صاف کر کے الفضل کو اشاعت کے لیے دے بھی دے تو یہ خطبہ جلسہ سالانہ سے پہلے چھپ کر جماعتوں میں نہیں جا سکتا اور وہ اس سے پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں۔ اس لیے جہاں تک دنیوی سامانوں کا سوال ہے ہم اپنے جلسہ کی کامیابی کے لیے اب سوائے اِس کے کچھ نہیں کر سکتے کہ ہم خدا تعالیٰ سے ہی دعا کریں کہ اے خدا! کام کا وقت اب ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور جلسہ سالانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ ہمارا کوئی پروپیگنڈا اب ہمیں فائدہ نہیں دے سکتا۔

صرف تیری اور تیرے فرشتوں کی تحریک ہی ہے جو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اس لیے تُو یہاں کے لوگوں کو تحریک کر کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا کریں اور جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی کریں۔ اور باہر والوں کے دلوں میں تحریک کر کہ وہ نیک ارادوں اور نیک مقاصد کو لے کر یہاں کثرت کے ساتھ آئیں۔ اور پھر یہاں آ کر وہ اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ جلسہ کے اوقات میں بھی اور بعد میں بھی تسبیح اور تحمید میں لگے رہیں تا کہ وہ جلسہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اور جب وہ یہاں سے واپس جائیں تو اُن میں اِس قدر تبدیلی پیدا ہو چکی ہو کہ وہ پہلے جیسے انسان نہ ہوں بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے فرشتے ہوں جو آسمان سے اُترے ہوں۔

درحقیقت ہماری مثال اِس وقت ویسی ہی ہے جیسے پہلی جنگ عظیم میں ایک موقع پر ایسی خطرناک صورت پیدا ہوئی کہ شہنشاہ جرمنی کی فوج نے اتحادیوں کی فوج میں رخنہ پیدا کر دیا۔ لیکن اُس وقت شاید بادلوں کی وجہ سے یا اِس وجہ سے کہ دھواں اُن کے سامنے آ گیا جرمن فوج کو اس رخنہ کا علم نہ ہو سکا۔ جب اتحادیوں کو اس رخنہ کا پتا لگا تو فرانسیسی جرنیل نے انگریزی فوج کے جرنیل کو بلایا اور کہا کہ تم اس رخنہ کو پُر کرنے کا انتظام کرو۔ اُس جرنیل نے کہا ہماری فوج پچاس ساٹھ میل دور ہے اور جب تک وہ فوج آئے گی جرمن فوج شہر میں داخل ہو جائے گی اس لیے اب فوج کو بلانا بیکار ہے۔ تب فرانسیسی جرنیل نے ایک کنیڈین جرنیل کو بلایا۔ وہ آرڈی نینس 1 پر مقرر تھا۔ اُس کے ماتحت لڑاکا سپاہی نہیں تھے بلکہ نائی، دھوبی، بڑھئی، موچی اور نان پُز وغیرہ تھے۔ فرانسیسی جرنیل نے اُسے کہا میں نے تمہاری بہت شُہرت سنی ہے۔ کیا تم کوئی ایسی صورت نہیں کر سکتے کہ کسی طرح اس رخنہ کو آٹھ دس گھنٹے تک پُر کر دو؟ پھر باقاعدہ فوج آ گئی تو وہ دشمن کو روک لے گی۔ اُس نے کہا ہاں میں ایسا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ وہاں سے واپس گیا اور اُس نے اپنے سب نائیوں، دھوبیوں، موچیوں، بڑھیوں، لوہاروں، باورچیوں اور نان پُزوں کو اکٹھا کیا اور کہا تمہیں بھی کئی دفعہ جوش آتا ہو گا کہ کاش! ہمارے پاس بھی ہتھیار ہوتے تو ہم وطن کے لیے اپنی جانیں لڑا دیتے۔ تم سوچتے ہو گے کہ لڑنے والے لوگ کتنا ثواب حاصل کر رہے ہیں اور وطن کے لیے اپنی جانیں لڑا رہے ہیں۔ لیکن آج تمہارے لیے بھی موقع پیدا ہو گیا ہے اور آج تم بھی وہی فخر حاصل کر سکتے ہو جو اُنہیں حاصل ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ میرے پاس اِس وقت کوئی بندوق اور اسلحہ نہیں۔ وہ پچاس ساٹھ میل پیچھے ہے اور اسے محاذ سے دور

اس لیے چھپایا گیا ہے تا کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ آ جائے اور اسے یہاں لانے کے لیے اب کوئی وقت نہیں۔ اس لیے تم میں سے ہر پیشہ والا اپنا سامان جس کے ساتھ وہ کام کرتا ہے ساتھ لے لے اور چل پڑے۔ لوہار اپنا ہتھوڑا لے لے، بڑھئی کلہاڑا پکڑ لے اور نان پُز اپنی سلاخ ہاتھ میں لے لے اور دشمن سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائے۔ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ وہ اپنا اپنا ہتھیار لے کر فوراً اُس مقام کی طرف روانہ ہو گئے جہاں دشمن نے رخنہ پیدا کر دیا تھا اور انہوں نے اُس رخنہ کو اُس وقت تک روکے رکھا جب تک کہ با قاعدہ فوج نہ پہنچ گئی۔ اس وقت تک بادلوں یا دھوئیں کی وجہ سے دشمن کو یہ پتا نہ لگ سکا کہ اُن کے سامنے باقاعدہ فوج نہیں کھڑی بلکہ صرف نائی، دھوبی، موچی اور نان پُز وغیرہ کھڑے ہیں اور اُس نے ڈر کر پیش قدمی نہ کی۔ بعد میں جب باقاعدہ فوج وہاں پہنچ گئی تو اُس نے اُس رخنہ کو روک لیا۔ اُس وقت جب رخنہ واقع ہو گیا تھا انگریزی فوج کے کمانڈر نے اُس وقت کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج کو تار دی کہ اِس وقت حالت سخت نازک ہے، دشمن نے ہماری فوج کے درمیان رخنہ پیدا کر دیا ہے اور اس رخنہ کو پُر کرنے کے لیے پیچھے سے فوج نہیں آ سکتی۔ اب ہمارے پاس صرف نائی، دھوبی، موچی، بڑھئی اور نان پُز ہی ہیں جن کو ہم نے بلایا ہے اور کہا ہے کہ وہ آ کر اس رخنہ کو پُر کریں اور آپ کو پتا ہی ہے کہ نائی اور دھوبی وغیرہ لڑ نہیں سکتے۔ جب یہ تار گئی تو مسٹر لائڈ جارج اپنی کابینہ سے لڑائی کے بارہ میں مشورہ کر رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ تار پڑھی تو انہوں نے اپنے ساتھی وزراء سے کہا بھائیو! جس بات پر ہم غور کر رہے تھے اُس کا وقت گزر گیا ہے۔ اب ہمارے باہمی مشوروں کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب صرف ایک ہی راہ رہ گئی ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے۔ اِس لیے آؤ! ہم اپنے گھٹنے ٹیک کر اُس کے سامنے گر جائیں اور اُس سے کہیں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ چنانچہ وہ خود بھی اور باقی وزیر بھی گھٹنے ٹیک کر خدا تعالیٰ کے حضور گر گئے اور انہوں نے دعا کی کہ اے خدا! اب کوئی دنیوی تدبیر باقی نہیں رہی۔ اب تُو خود ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کر اور ہمیں دشمن کے حملہ سے بچا لے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کی یہ دعا اِس طرح سُنی کہ نائیوں، دھوبیوں، بڑھیوں اور لوہاروں نے وہ رخنہ روکے رکھا۔ یہاں تک کہ باقاعدہ فوج آ گئی اور دشمن کو اُس رخنہ کا علم تک نہ ہو سکا۔

ہماری بھی اِس وقت یہی حالت ہے۔ ہم بھی اب کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اب دنیوی تدابیر کا

وقت نکل گیا ہے۔ نہ تو وہم وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو جوش دلا سکتے ہیں کیونکہ جوش دلانے کے لیے بھی وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تحریک کرنے کے لیے باہر مبلّغ بھجوا سکتے ہیں۔ اگر باہر مبلّغ بھیجے جائیں تا کہ وہ لوگوں کو یہاں آنے کی تحریک کریں تب بھی کچھ دن لگ جائیں گے اور اُس وقت تک جلسہ آ جائے گا۔ جماعتوں والے خود تحریک کریں تو اس کے لیے بھی کچھ وقت درکار ہوگا۔ اگر یہ خطبہ چھپ بھی جائے تب بھی یہ باہر کی جماعتوں کو وقت پر نہیں مل سکتا۔ اِس لیے اب یہی صورت ہے کہ ہم سب خدا تعالیٰ کے حضور گر جائیں اور اُس سے دعا کریں کہ اے خدا! اب ہماری تدبیر کا وقت گزر گیا۔ اب تُو ہی لوگوں کو تحریک کر کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ پر آئیں اور پھر یہاں آ کر جلسہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ انہیں جلسہ سے اتنا فائدہ پہنچے کہ وہ معمولی انسان جو یہاں آئیں فرشتے بن کر واپس جائیں اور تیری رحمتیں اور برکتیں اُن پر بھی ہوں جو یہاں آئیں۔ اور ان پر بھی ہوں جن کا یہاں آنے کا ارادہ تو ہو لیکن وہ کسی وجہ سے نہ آ سکیں۔ پھر تیری رحمتیں اور برکتیں اُن لوگوں پر بھی ہوں جو یہاں رہتے ہیں۔ سب رحمتیں اور برکتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں ہم تو محتاج ہیں۔ لیکن ہماری احتیاج کو پورا کرنے کی تجھ میں ہی قدرت ہے۔ تُو ہماری احتیاج کو پورا فرما اور ہمیں اپنی برکات سے مالا مال کر"۔　　(الفضل 24 دسمبر 1957ء)

---

1 : آرڈی نینس: (ORDINANCE) توپ خانہ۔ محکمہ حرب۔ فوجی سامان مہیا کرنے کا محکمہ

# انڈیکس

مرتبہ : مکرم فضل احمد شاہد صاحب


1۔ آیات قرآنیہ 3

2۔ احادیث نبویہ 5

3۔ الہامات حضرت مسیح موعودؑ 6

4۔ اسماء 7

5۔ مقامات 12

6۔ کتابیات 16

# آیات قرآنیہ


**الفاتحة**

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ
(2) 248

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
(3) 248

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ
(4) 248

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ (5) 247

**البقرة**

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ
(187) 140، 200

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ
(187) 176

**آل عمران**

کُوۡنُوۡا رَبّٰنِیّٖنَ
(80) 148

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا
(91) 57

مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا
(98) 45

وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ
(194) 61

**النسآء**

وَمَنۡ یُّھَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ
(101) 204

**الاعراف**

خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ
(13) 203

اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ
(13) 203

**الانفال**

مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ
(18) 168

**التوبة**

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ
(100) 59

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ
(128) 207

**یوسف**

لَا تَیۡئَسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ
(88) 159

اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ
(95) 14، 36

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡئَسَ الرُّسُلُ
(111) 163

**ابراهيم**

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ
(8) 245

**النحل**

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ (126) 194

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ (128) 165

**بنی اسرائیل**

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ (80) 180

هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (94) 194

**الانبیاء**

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا (33) 174

**النور**

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ (47) 63

**الشعراء**

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ (4) 208

**النمل**

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ (63) 176

**الفاطر**

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ (11) 200

**النجم**

دَنٰی فَتَدَلّٰی (9) 16

**المنافقون**

یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ (5) 91

**النصر**

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (2تا4) 215

اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا (4) 239

# احادیث


ا

اَصحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ 152

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ 143

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا 100

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ 101،36

ل

لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ 93


## احادیث بالمعنیٰ


امتحان نہ مانگو 2

بعض آدمی خدا کی قسم کھا کر بات کریں 143،142

تم ایک تہائی کی وصیت کرو 155

رسّی اُتار دو 156

عید کے دن روزہ رکھنے والا شیطان 156

جمعہ کو روزہ نہ رکھو 156

سورج مغرب کی طرف سے 170

تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے 176

کیا میں اس کے احسان کا شکریہ نہ ادا کروں؟ 211

جو لوگ مسجد میں جمع ہیں انھوں نے درست کیا 212

عورتوں کو فلاں جگہ جمع کرو 212

جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوگا 224

جو کوئی دنیا میں مسجد بناتا ہے 230

اے عورت تیرا ایک ہاتھ دوزخ سے بچ گیا 232

# الہامات حضرت مسیح موعودؑ


## عربی الہامات

**س**

سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ 201

**م**

مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا 45

**ی**

یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ 238

## اردو الہامات

خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا 135

خدا تیرے نام کو قائم رکھے گا 162،163

## پنجابی الہامات

جے توں میرا ہور ہیں سب جگ تیرا ہو 84

# اسماء


ا

آئزن ہاور 37 تا 39

آدم علیہ السلام ۔حضرت 159، 163، 164، 166، 203، 208

ابتہاج علی 89

ابراہیم علیہ السلام۔حضرت 49، 159، 163، 164، 166، 196

ابراہیم ادھم 75

ابن تیمیہ 75

ابن عباسؓ 197

ابن قیم 75

ابوالمنصور 28

ابوبکرؓ۔حضرت 76، 93، 97، 103، 190، 218، 220، 222

ابوجہل 64، 65، 67، 70، 167، 168، 190، 216

ابوسفیانؓ۔حضرت 74، 92 تا 94، 168، 221 تا 224

ابوہریرہؓ۔حضرت 142، 143

اٹیلی 40

احتجاج علی 89

احمد بن حنبلؒ 152

احمد سرہندی 150

اروڑے خان منشی۔حضرت 76، 77

اسد اللہ خان چودھری 229

اسماعیل علیہ السلام۔حضرت 52، 53

اسود عنسی 190

الٰہ بخش 89

الیاس علیہ السلام۔حضرت 159

الیگزنڈر رسل ویب 170

امام بی بی 89

امۃ الحی (حرم حضرت مصلح موعود) 23، 86

ام حبیبہؓ۔حضرت 222

ام ناصرؓ۔حضرت سیدہ 31

امری عبیدی 115

امیر احمد مرزا میجر 124

انس بن نضرؓ 96 تا 98

انوار حسین خاں 236

اورنگ زیب عالمگیر 18

اوریا بن حنان 196

ایاز 210 تا 212

ب

باقی باللہؒ۔حضرت خواجہ 75

بختیار کاکیؒ۔حضرت خواجہ 183

بشیر احمد۔حضرت مرزا 31، 32

بشیر احمد۔(حضرت شیخ) 229، 230

بلالؓ۔حضرت 224، 225

بندرانائیکے 43، 44

پ

پیرا 236، 237

ت

تُوبی صاحبہ 47

ٹ

ٹالسٹائے 177، 178

ٹلٹاک پروفیسر 8 تا 11، 123

ث

ثناءاللہ مولوی امرتسری 76، 99، 102

ج

جلال الدین شمس۔حضرت
مولانا 22، 131
جلال الدین۔انسپکٹر 78
جنید بغدادیؒ۔حضرت 75
جہانگیر 166، 191

چ

چراغ الدین میاں 227
چواین لائی 37 تا 39

ح

حامد شاہ میر 17
حسینؓ۔حضرت امام 150، 151
حمزہؓ۔حضرت 64، 72، 167، 217، 221

خ

خالد بن ولیدؓ۔حضرت 64، 72، 225
خان میر 99

د

داؤد علیہ السلام۔حضرت 196

ڈ

ڈارون 158، 159
ڈگلس۔سر 77، 80 تا 82

ر

راجندر پرشاد 28
رازی (پیغامی) 206
رحمت اللہ شیخ 169
رحمت خان چودھری 32، 36، 37

ز

زکریا علیہ السلام۔حضرت 159، 163
زینبؓ۔حضرت 156

س

سٹالن 40
سجاح 190
سراقہ 219
سرمد 18، 19
سرور شاہ حضرت مولوی 236
سلطان احمد۔حضرت مرزا 32
سلطان محمود انور مولانا 113
سلطان محمود غزنوی 210، 211
سلیمان علیہ السلام۔حضرت 197
سید احمد بریلوی۔حضرت 150
سید احمد سرہندی 166، 191

ش

شاہ نواز ڈاکٹر 32، 36
شبلیؒ 75
شداد 141
شعیب علیہ السلام۔حضرت 159، 163
شکری القوتلی 44
شمس الدین 227

ص

صدرالدین مولوی 206

ع

عاص 72
عامر بن فہیرہ 220
عباسؓ۔حضرت 223، 224، 226
عبدالاحد۔پٹھان 99
عبدالجبار خان ملک 128
عبدالحق۔شیخ 47

عبدالحمید 81
عبدالرحمان۔حکیم 47
عبدالرحیم 238
عبدالسلام 239
عبدالغفورخان۔(کراچی) 113
عبدالغفورخان۔(پشاور) 113
عبدالقادر جیلانیؒ۔حضرت سید
75، 233
عبدالقادرخاں 128
عبدالقیوم 128
عبدالکریم سیالکوٹی۔حضرت
مولانا 22 تا 24، 33
عبداللطیف۔حضرت صاحبزادہ
128
عبداللطیف۔مبلغ جرمنی 9 تا 11
عبداللطیف خان عرف ننھا
98، 236
عبداللہ بن عمروؓ 70، 71
عبداللہ بن سبا 190
عبداللہ پروفیسر 166
عبدالماجد مولوی۔
خسر حضرت مصلح موعود 237
عثمانؓ۔حضرت 190
عکرمہؓ۔حضرت 64 تا 70
علیؓ۔حضرت 71، 151،
190، 222، 226
علی احمد پروفیسر 238
علی بخش۔چودھری 90
عمرؓ۔حضرت 70، 97،
190، 222، 223
عیسٰی علیہ السلام۔حضرت
27، 46، 47، 53،
78، 99، 133، 136، 149،
159، 163، 164، 166،
176، 181، 201، 208


### غ


غزالیؒ۔حضرت امام 75
غلام احمد قادیانی۔
حضرت مرزا۔مسیح موعود علیہ السلام
3، 4، 5، 11 تا 13،
15 تا 24، 31، 32، 37، 45 تا
47، 75 تا 78، 80، 82 تا
84، 86، 87، 89، 98، 102 تا
104، 112، 133، 135،
137، 138، 149، 150،
161، 162، 164، 166،
167، 169 تا 171، 183،
192، 201، 209، 228،
235 تا 238، 243، 245،
251
غلام حسین مولوی 228
غلام حیدر 80
غلام رسول چودھری 32
غلام محمد 128


### ف


فاطمہؓ۔حضرت 161، 220
فتح محمد صاحب چودھری 82
فرعون 141، 189 تا 193
فریدالدین شکر گنجؒ۔حضرت باوا
75، 183، 191
فضل احمد بابو 90
فضل بی بی 89
فضل خاں چودھری کھوکھر 128
فضل دین 47
فضل محمد کابلی 89


### ق


قطب الدین بختیار کاکیؒ۔حضرت
75، 191

قطب الدین مستری 81
قیصر 212،221،224

ک

کرم دین بھیں 83،166،235
کسریٰ 221،224
کمال الدین خواجہ 83،84، 161،166،227،228

گ

گاندھی 25،26،53،110

ل

لائڈ جارج 254
لال حسین اختر احراری 102
لوط علیہ السلام۔حضرت 159
لیکھرام 235
لیمارچنڈ 81

م

مارٹن کلارک 77،78،80 تا 82
مبارک احمد مرزا۔ ابن حضرت مصلح موعود 186
مبارک احمد شیخ۔مبلغ 114،115
مجاہد 197

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت خاتم الانبیاء) 2،4، 12، 20، 21، 26، 27، 29، 30، 37،47، 52،53، 58، 59، 64 تا 74، 76، 83، 84،92 تا 95،97،98،100، 101،103، 142، 143، 148 تا 152، 154، 156 تا 159، 161 تا 163، 166 تا 168، 176، 180 تا 183، 189 تا 191، 199، 200، 208، 209، 211 تا 226، 230 تا 232،249
محمد ابراہیم۔مولوی 115
محمد اسماعیل ڈاکٹر گوریانی 236
محمد اسماعیل مولوی 23
محمد اکبر ٹھیکیدار 89
محمد بخش بٹالوی 79
محمد حسن چیمہ 136
محمد حسین بٹالوی۔مولوی 78، 79،136،236،237
محمد حسین مولوی سبز پگڑی والے 79

محمد حسین قریشی مفرح عنبری 116،227،228
محمد حسین حکیم مرہم عیسیٰ 227
محمد دین۔ماسٹر 108
محمد صادق بیگ مرزا 125
محمد صادق حضرت مفتی 108،147،238
محمد ظفر اللہ خان۔حضرت۔سر 40،82،113،123،126
محمد عبد اللہ چودھری 6
محمد علی مولوی 23،205، 206،237
محمد عمر حکیم 129
محمد غوث۔حضرت 192
محمد منور مولوی 115
محمد یعقوب 130،131
محمود احمد۔حضرت مرزا بشیر الدین۔ مصلح موعود 5،11، 15 تا 18، 22 تا 24، 31،32، 40، 86، 87، 98 تا 100، 107، 129 تا 131، 144، 186، 188، 195، 239، 247،248
محمود اللہ شاہ 114

مردولاسارابائی 25

مسیلمہ کذاب 190

مطعم بن عدی 219،218

معاویہؓ۔حضرت 71،74،190

معین الدین چشتیؒ۔حضرت خواجہ 191،183،75

منظوراحمد پٹواری 113

منظورمحمد پیر 131

مولودصاحب 185

موسیٰ علیہ السلام۔حضرت 27، 29، 159، 163، 164، 166، 189، 192، 193

موسیٰ رضا 161

مینائی۔شاعر 102

میور 213

ن

ناصرنواب۔حضرت میر 23، 228

نذیراحمد علی مولوی 246

نصرت جہاں بیگم۔حضرت سیدہ 25،24

نظام الدین اولیاء 160،75، 191،183

نظام الدین۔مرزا 23

نمرود 141

نوح علیہ السلام۔حضرت 159، 166،164،163

نوراحمد ڈاکٹر 234

نورالحق مولوی 130

نورالدین۔حضرت مولوی خلیفہ اول 18،136،149 تا151، 245،244،234،233

نہرو۔پنڈت 28،25، 37 تا39،40،44

و

وارث دین پادری 82

ولی اللہ شاہ۔حضرت 156،75

ولی اللہ شاہ محدث 150

ولید 72

ھ

ہارون الرشید 162،161

ہٹلر 122،11،9،8

ہمدان شیخ 233

ہندہ 64،72 تا75، 221

ہودعلیہ السلام۔حضرت 163،59

ی

یحییٰ خان۔کلرک 98

یزید 74

یعقوب علیہ السلام۔حضرت 14، 36،19،15

یعقوب بیگ مرزا 228

یوسف علیہ السلام۔حضرت 14، 138،112،36،35،19

یوسف سلیمان 110،109

# مقامات


**ا**

اٹلی 186

اجمیر 192

اسرائیل 40

افریقہ 5، 108، 110، 111، 114 تا 116، 188، 245

امرتسر 24، 25، 77، 81، 82

امریکہ 27، 37، 38، 52، 108، 109، 111، 112، 116، 126 تا 128، 147، 170 تا 172، 181، 184، 212، 238

انبالہ 25

انڈمان 77

انڈونیشیا 5، 185، 188، 246

انزبروک 122

انگلستان 20، 40، 80، 82، 109، 110، 122، 172، 181، 190

ایران 122، 185

**ب**

بٹالہ 78، 89، 128، 236، 237

بدوملہی 16

بمبئی 236

بنگال 28

بون 122

بہار 160، 237

بہاولپور 204

بھوپال والا 90

بھینی 90

**پ**

پاک پتن 75، 192

پاکستان 1، 25، 27، 29، 37، 38، 40، 43 تا 46، 50، 52، 110، 113، 119، 122، 144، 171، 178، 184، 192، 193، 204، 230

پشاور 113

پنجاب 102، 117، 120

پھیروچیچی 98، 100

**ت**

تاندلیانوالہ 47

تبت 37

ٹرکی 5، 122

**ٹ**

ٹانگانیکا 111

ٹوپی 128

**ج**

جابہ 16، 21، 92، 95، 96، 105، 130، 131

جالندھر 25

جرمنی 1، 9، 11، 20، 99، 121 تا 124، 172، 181، 185، 253

جڑانوالہ 128

جموں 47

جوناگڑھ 37

جھنگ 144

چ

چاہ بھا گووالا 47

چک 60 جڑانوالہ 128

چنیوٹ 231

چین 5، 37

ح

حبشہ 67، 68، 111

حیدرآباد 37

د

دارالسلام 115، 116

دہلی 28، 39، 84، 160، 161، 192

ڈ

ڈچ گی آنا 1، 108، 246

ڈوسل ڈارف 122

ڈھاکہ 101، 117، 120

ڈیٹرائیٹ 116

ر

رام پور 102

راولپنڈی 80، 117

ربوہ 1، 6، 7، 11، 14، 22، 31، 42، 63، 86، 88، 90 تا 92، 95، 96، 105، 107، 114، 123، 124، 126، 129، 185، 199، 204، 205، 207، 215، 231، 233، 239، 242، 243، 247، 250 تا 252

روس 5، 20، 29، 40، 177، 178، 181، 212

روم 186، 187

ز

زنجبار 190، 191

س

سالٹ پانڈ 116

سرحد 120، 128

سرگودھا 80، 120

سری نگر 232

سمن آباد 234

سندھ 6، 49، 50، 52، 53، 120

سوئٹزرلینڈ 122، 123

سوڈان 111

سیالکوٹ 24، 89، 90، 119، 120، 240

سیرالیون 116

سیلون 43، 44

ش

شام 43، 44

شکارپور ماچھیاں 89

شکاگو 108

شملہ 228

شنگھائی 186

ط

طائف 168، 218

ع

عرب 49، 68، 73، 103، 146، 220

عمان 190

غ

غانا 111، 116

ف

فرینکفورٹ 122

فلپائن 40، 108، 170، 245

فیروز پور 29

فیض اللہ چک 128

ق

قادیان 11، 15، 19، 20، 22، 24، 31 تا 33، 35 تا 37، 47، 77، 78، 83، 86، 88، 89، 98، 99، 107، 110، 149، 192، 227، 237، 238

قصور 101

قلعہ لال سنگھ 89

ک

کابل 90

کاٹھ گڑھ 239

کپورتھلہ 76

کراچی 47، 101، 113، 117، 119، 120، 128، 195، 204، 231، 233، 234

کشمیر 24، 37 تا 40، 43 تا 47، 192، 232، 233

کلکتہ 39، 110، 238

کمپالہ 115، 116

کنری 6

کوئٹہ 204

کوٹ کانا 128

کولون 122

کھاریاں 113

کیپ ٹاؤن 108 تا 110

کیمبل پور 120

کیل 122

گ

گجرات 32، 113، 128، 204

گوالیار 166، 191

گورداسپور 25، 37، 77، 83، 89، 128، 235

ل

لائبیریا 111

لائل پور 89، 120، 128

لاہور 25، 95، 113، 116، 117، 119، 120، 192، 204، 226 تا 231، 234

لدھیانہ 25، 84، 236

لکھنو 236

لندن 109، 121، 123، 185، 188

لیبیا 111

م

مدینہ منورہ 33، 34، 70، 74، 93، 97، 100، 105، 168، 212، 219، 221، 222

مردان 128

مری 9، 130، 165

مصر 72، 112

مکہ 33، 49، 52، 67 تا 69، 72 تا 75، 93، 94، 146، 161، 167، 168، 205، 217 تا 224، 226، 237

ملتان 47، 119، 183، 192، 204

ممباسہ 115، 116

منشن 122

میرپور خاص 56

میونخ 122

ن

ناصرآباد 49
نیروبی 114، 116، 191
نیورمبرگ 121، 122

و

وزیرآباد 240
وی آنا 108

ھ

ھجر 33، 34
ہندوستان (بھارت) 1، 5، 25، 28، 29، 37 تا 40، 43، 44، 46، 53، 109، 110، 118، 119، 171، 172، 211
ہنگری 40
ہنیور 122
ہوشیارپور 25، 239
ہیگ 121، 188
ہیمبرگ 121، 123، 124، 188

ی

یوپی 213
یمامہ 33، 34
یورپ 5، 12، 39، 109، 121، 123، 170، 172، 183، 186، 188، 245

# کتابیات


## ا

آئینہ کمالات اسلام 33

الفتح (اخبار) 138

الفضل 5،186،252

انجیل 201

## ب

بائبل 4

بخاری 136

براہین احمدیہ 32،33

## پ

پیغام صلح (اخبار) 136، 137،228

## ت

تذکرہ 22

تفسیر کبیر 129

## چ

چشمہ معرفت 32،37

## د

درثمین 102،103

دیباچہ تفسیر القرآن 4،5

## ر

ریاض الصالحین 4

## ق

قاعدہ یسرنا القرآن 7،131

## ک

کلام محمود 147

## م

مثنوی رومی 18

مفردات 182

## ن

نوائے پاکستان (اخبار) 120

## انگریزی کتب

**MY VISIT TO QADIAN** 238